تحریکاتِ پاکستان

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے ذریعے مجھے اسلام کی دولت نصیب فرمائی۔

رَضِیْتُ باللہ رَبًّ وَّ بِمُحَمَّدٍ نبیًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

Marfat.com

Marfat.com

تحریکاتِ پاکستان

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

111992

جملہ حقوق محفوظ

2013ء

اہتمام	ملک مقبول احمد
ناشر	مقبول اکیڈمی
سرورق	انیس یعقوب
مطبع	خورشید مقبول پریس
قیمت	900 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph:042-37324164, 37233165, Fax:042-37238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph:042-37357058, Fax:042-37238241
Email:maqbool@brain.net.pk

Marfat.com

انتساب

شہیدِ ملت جناب خورشید الحسن خورشید (کے۔ایچ۔خورشید)
کے نام معنون کرتا ہوں، جو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان
میں ہراول دستہ کے کارکن اور تحریکِ آزادی کشمیر کے سرخیل تھے۔

ایم نذیر احمد تشنہ

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

باب	عنوان	صفحہ
	پیش لفظ	9
	مقدمہ	11
01	ثقافت	37
02	مسلم ثقافت	48
03	ہندو ثقافت	70
04	ہندو مسلم ثقافت کا تقابلی جائزہ	89
05	قومیت اور قوم	97
06	سلطنت مغلیہ کا سیاسی انحطاط	112
07	سلطنت مغلیہ کے زوال کی داستان	128
08	کمپنی کے عہد میں مسلمانوں کی زبوں حالی	147
09	جنگ آزادی	158
10	برعظیم کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری	201
11	سرسید احمد خان کی ملی خدمات	219
12	تحریک علی گڑھ	241
13	آل انڈیا کانگرس کا قیام	255

Marfat.com

14	تقسیم بنگال	265
15	شملہ وفد	272
16	آل انڈیا مسلم لیگ	277
17	منٹو مارلے اصلاحات	287
18	تنسیخ بنگال	295
19	میثاقِ لکھنو	303
20	مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات	312
21	تحریکِ خلافت	320
22	نہرو رپورٹ اور قائداعظم کے چودہ نکات	338
23	خطبہ الٰہ آباد	352
24	ایکٹ 1935 اور کانگرس وزارتیں	358
25	قرارداد لاہور	373
26	ہندوستان چھوڑ دو	385
27	پاکستان قدم بہ قدم	397
28	پاکستان معرض وجود میں	424
29	بانی پاکستان	435
30	تبصرے	442
31	کتابیات	451

☆

Marfat.com

پیش لفظ

تحریک پاکستان پر یوں تو اب تک بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن سچ پوچھیے تو اب تک اس موضوع پر ڈھنگ کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ تحریک آزادی میں مسلمانوں نے جو شاندار کردار ادا کیا ہے اس پر کسی غیر جانبدار مورخ نے قلم نہیں اٹھایا۔

بھارت کے مسلم مورخوں نے قوم پرستی کے جذبے میں مسلم لیگ کے کردار کی نفی کر دی اور ہندو مورخوں نے اپنی تصانیف میں مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر تک نہیں کیا حالاں کہ یہ ایک حقیقت ہے، برعظیم پاک و ہند میں تحریک آزادی کا ڈول مسلمانوں نے ہی ڈالا تھا۔ گاندھی جی کے کوچہ سیاست میں وارد ہونے سے پہلے مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اپنی خدمات کا لوہا منوا چکے تھے۔ قائداعظم نے بہت بعد میں مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی لیکن وہ سب پر بازی لے گئے۔ گاندھی جی کو بھی برعظیم کی سیاست میں متعارف کرانے والے مسلمان زعما ہی تھے۔ پاکستان میں تحریک آزادی کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں قوم پرست مسلمانوں کی خدمات حذف کر دی گئی ہیں حالاں کہ تحریک آزادی میں ان کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ ہمارے ہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے مسلم لیگ کی تحریک کو ہی تحریک آزادی کا نام دے دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کا قیام مسلم لیگ کی جدوجہد کے نتیجے میں ہی عمل میں آیا لیکن ہمارے مورخین یہ بھول جاتے ہیں کہ تحریک آزادی اور تحریک پاکستان دو مختلف تحریکیں ہیں ان میں کافی حد تک اشتراق عمل بھی رہا ہے۔ جب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی تصنیف ''برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' چھپ کر آئی تو میں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر اس کتاب کا نام تحریک آزادی میں مسلم لیگ کا کردار ہوتا تو مناسب ہوتا۔ ملت اسلامیہ میں تو وہ گروہ

Marfat.com

بھی شامل ہیں جنھوں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا لیکن کسی وجہ سے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دے سکے۔ میرے استاد گرامی پروفیسر رچرڈ بل کہا کرتے تھے کہ تاریخ لکھنا بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ کوئی بھی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ تاریخ لکھتے وقت اس کے ذاتی نظریات، مذہبی عقائد اور سیاسی وابستگی اسے جانبدار بنا دیتی ہے۔ میرے مکرم پروفیسر نذیر احمد صاحب تشنہ نے مینارِ پاکستان کے عنوان سے تحریک پاکستان پر ایک گراں قدر کتاب لکھی ہے میں نے اس کتاب کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انھوں نے بڑی محنت کے ساتھ اپنی تصنیف دلپذیر کے لیے مواد جمع کیا اور اسے بڑے سلیقے کے ساتھ مدون کیا ہے۔ ان کی یہ تصنیف بڑی حد تک اس کمی کو پورا کرتی ہے جو اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں محسوس کی جاتی ہے۔ میری یہ دیانت دارانہ رائے ہے کہ ان کی یہ تصنیف طلبہ اور اساتذہ دنوں کے لیے سودمند ثابت ہوگی۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کوئی تحقیق بھی حرف آخر نہیں ہوتی۔ تحریک آزادی پر ابھی بہت سا مواد ہمارے سامنے نہیں آیا جب اس موضوع کا تمام مواد ہمارے سامنے ہوگا تو اس تحریک کے بہت سے نئے گوشے ہمارے سامنے آئیں گے۔ ابھی حال ہی میں علامہ اقبالؒ کے ایسے خطوط ہمارے سامنے آئے ہیں جنھوں نے ان کے بارے میں ہمیں اپنا نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مرحوم راغب احسن کے نام اپنے ایک خط میں جو جہان دگر میں چھپ چکا ہے فرماتے ہیں کہ وہ چودھری رحمت علی کے مجوزہ پاکستان کے حامی نہیں ہیں بلکہ وہ مسلم اکثریت کا ایک صوبہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا عبداللہ سندھی کے سیاسی مکاتیب چھپ چکے ہیں جن میں انھوں نے 1916ء میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی ان حقائق کو مورخین پیش نظر نہیں رکھا۔

مجھے امید ہے کہ پروفیسر نذیر احمد تشنہ اپنی تحقیق جاری رکھیں گے اور نقاش نقش ثانی بہتر کشد از اوّل کہ مصداق اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بہتر ہوگا۔

محمد اسلم
فاضل جامعات
پنجاب، ڈرہم، مانچسٹر، کیمبرج
استاد شعبہ تاریخ پنجاب یونی ورسٹی لاہور

Marfat.com

مقدمہ

کتاب ہذا نظریہ پاکستان کے پس منظر دوقومی نظریہ کی معاشرتی ،تمدنی اوثقافتی توجیہ ہے۔اس میں برعظیم کی دوقوموں ہندواور مسلم کی عمرانیات کوپیش کر کے یہ ثابت کیا گیاہے کہ واقعی دونوں قوموں کا عمرانی فلسفہ مختلف اوطان کا تقاضا کرتا تھا۔رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا منصوبہ فرشتوں پر واضح کیا تو فرشتے کہنے لگے، انسان جس کی تخلیق اس خاکہ کے مطابق ہوگی وہ زمین میں کشت وخون ، جنگ وجدل اور معرکہ کارزار کا بازار گرم کردے گا۔رب العزت نے جذبات سے عاری مخلوق فرشتوں کو بتلایا کہ "قَالَ اِنِّی اَعْلَمُ مَالا تَعْلَمُوْ نَ" (جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے) انسان کائنات میں سب سے افضل ہے۔جب وہ تمھارے سامنے آئے تو اس کی عظمت کوسلام کرنا اور اس کی عزت وتکریم کے لیے سجدہ ریز ہوجانا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سامنے آئے تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔مگر شیطان نے آدم کی فوقیت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اس طرح انسانی اور شیطانی دوقوتیں دو الگ نظریات کے تحت ایک دوسرے کی ضد قرار پائیں۔حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے درمیان دو متضاد نظریات پر ٹھن گئی۔ یہاں سے انسان کے دوروپ اور دو مزاج سامنے آئے۔حضرت نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو آپ کی کشتی میں سوار تھے وہ آدم علیہ السلام کی ذریت سے تھے جن لوگوں نے آپ کے نظریات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا وہ حضرت ادمؑ کی صلب کے باوجود دوسرے روپ اور مزاج کے انسان قرار پائے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نظریات سے قبطی فلسفہ الگ نہیں کھاتا تھا۔نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت تھی جس میں ان نظریات کا نفاذ ممکن ہو۔بدیں وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو خیرآباد کہ کر بیت المقدس کی زمین کا انتخاب کیا۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے مکہ میں قریش دوقوموں میں تقسیم ہوگئے جس قوم

Marfat.com

نے آپ کا ساتھ دیا وہ مکہ کو خیر باد کہ کر یثرب پہنچے اور وہاں دین اسلام کا عملی نفاذ کیا۔ ان نظریات نے نہ صرف صحابہ کے مزاج بدلے بل کہ یثرب کو مدینہ بنا دیا۔ جزیرہ نما عرب میں دو مختلف نظریات دو خطوں میں برسرِ پیکار رہے اور 8ھ فتح مکہ کے موقع پر نظریہ حق ،نظریہ باطل پر غالب آ گیا۔ مسلمان جہاں بھی گیے اس نظریہ حق سے باطل نظریات کو نیچا دکھایا۔ 712ء میں مسلمان سندھ پہنچے اور یہ نظریہ برعظیم پہنچا۔ اس وقت برعظیم میں ہندو مت اور بدھ مت دو مذہبوں نے نظریہ اسلام کو روکنے کی کوشش کی۔ 1001ء میں محمود غزنوی نے نظریہ اسلام کو شمالی ہندوستان میں پہنچایا۔ نظریہ اسلام اتنا جاندار تھا کہ اہل ہند، ہندو مت اور بدھ مت سے کٹ کر اسلام میں داخل ہونے لگے جن لوگوں نے اس سے پہلوتہی کی وہ دوسری قوم ٹھہری۔ اس طرح دو قومیں اپنی اپنی تہذیب وثقافت کی حد بندیوں کے ساتھ ایک ہی وطن میں فروکش رہیں۔ اسلام نے ہندی معاشرے کو اوپر سے نیچے تک دو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے ہی روز سے دو علیحدہ علیحدہ قومیں وجود میں آ گئیں۔ وہ ہر مرحلے پر مختلف تھیں اور ان کے مابین کسی قسم کا معاشرتی رابطہ یا اختلاط موجود نہ تھا۔ (نظریہ پاکستان، ص 181)

اسی قومی تصور اور تشخص نے انھیں متحدہ قومیت اور وطن کے اشتراک سے نکل کر اپنی الگ حیثیت رکھنے پر مجبور کیا۔ اس وقت برعظیم میں دس کروڑ مسلمان ہیں ہم ایسی قوم ہیں جن کا تہذیب وتمدن ،لٹریچر، زبان، آئین، آرٹ، تقویم، رسوم، تاریخ، اور روایات ہندو قوم سے الگ ہیں، دونوں کی سوچ کے دھارے الگ، دونوں کے عقیدے جُدا، دونوں کے مذہب میں دوئی، ضابطہ حیات الگ، تہذیب ورسوم ورواج میں تفریق، ایک قوم کا ہیرو، دوسری قوم کا بدترین دشمن ایسے میں دونوں کا وطن بھی جدا ہونا چاہیے تھا۔ جب تک ہندو قوم مسلمانوں کی محکوم رہی اس وقت تک مسلمانوں سے نفرت کے باوجود انھیں من حیث القوم برداشت کرتی رہی۔ لیکن اقتدار کی ہوس میں مسلمانوں کو اپنا ہم پلہ سمجھنے سے انکار کر دیا۔

یہیں سے دونوں قوموں کے راستے الگ ہو گیے۔ یہ راستے دونوں قوموں کو جُدا جُدا منزل کی طرف لے گیے ایک قوم کی منزل پاکستان تھی تو دوسری قوم کی بھارت تھی مسلم قوم نے اس منزل تک پہنچنے کے لیے جو نظریہ سب کی دلوں کی دھڑکن بنا رہا وہ نظریہ پاکستان تھا۔ اسی نظریہ نے قوم میں تگ وتازبخشی اور قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔

Marfat.com

اس نظریہ کی تشریح وتوضیح میں ادباوشعرا نے اپنی قوت اظہار کا سہارا لیا۔ امیروں نے سکے قوم کی نظر کیے، غربا بازو شمشیرزن بنے۔ ہر فرد نے اپنی بساط کے مطابق تحریک پاکستان میں اپنا کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کا تہذیب وتمدن جاندار تھا اور وہ برعظیم کے سیاہ وسفید کے مالک بھی تھے۔ سترہویں صدی عیسوی میں انگریز تاجر بن کر برعظیم آیا۔ اس وقت مغل بادشاہ یہاں حکمران تھا۔ انگریزوں نے مغلوں کی فراخ دلی سے فائدہ اٹھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تاجر سے مسلمانوں کے جگہ حکمران بن گئے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھین کر ہندوؤں کو ان کا مدمقابل بنادیا۔ اب مسلمانوں کو اپنا الگ تشخص برقرار رکھنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انگریزوں نے مسلم قوم کُشی کی تو ہندوؤں نے متحدہ وقومیت کا تصور دے کر مسلمانوں کو ہندو اکثریت میں ضم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کبھی مسلمانوں کو بیرونی حملہ آور قرار دے کر خون کی ندیاں بہا کر اور کبھی شُدھی اور سنگھٹن تحریکوں سے مسلم تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ انگریز اس قوم کے ذہن سے حکمرانی کا تصور ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ برعظیم میں مسلمان ہمیشہ ہندوؤں سے تعداد میں کم رہے لیکن بحیثیت قوم وہ اتنے جاندار تھے کہ صدیوں برعظیم کے حکمران رہے۔ انگریز نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کیا۔ جب وہ من حیث القوم تیار ہوگیے تو مغربی جمہوریت کے ذریعے انھیں مسلم قوم پر مسلط کرنے کی راہ اپنائی۔ اب مسلم قوم کے رہنماؤں کو قوم کی بقاء کی فکر دامن گیر ہوئی۔

''اگر مسلمانوں کے شعور اور تحت الشعور پر کوئی جذبہ مستولی رہا ہے تو وہ بقائے انفرادیت کا ہے۔ یہی سبب تو ہے کہ ان پر تاریخ کی تقریباً چودہ سو سال کی پوری بساط میں کوئی جادو نہیں چلا۔ نہ ان چودہ صدیوں کے اوائل میں وہ مٹھی بھر مسلمان جو ساحلی منڈیوں میں آباد تھے اپنے مسلکی اور طریق حیات سے بھٹکے، نہ سندھ میں صدیاں گزرنے کے باوجود ہندوؤں میں مدغم ہوئے۔''

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ''نظریہ پاکستان کے تاریخی، سیاسی، معاشرتی اور اقداری مضمرات نظریہ پاکستان ص 23)

مسلم حکمرانوں کے عہد میں بھی مسلم تشخص کو قائم رکھنے کی کوششیں ہوتی رہیں اکبر کے عہد میں حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے ان بدعات کو ردوقدح سے

Marfat.com

صاف کر کے اسلامی روح اور انفرادیت کی بقا کو برقرار رکھا۔ سکھوں کے عہد حکومت میں مجاہدین نے تحریک شروع کی۔ ان مجاہدین میں سید احمد اور شاہ اسماعیل نے جام شہادت نوش کر کے قوم کی زندگی میں سرفروشی کا جذبہ پیدا کیا۔ انگریزوں کے عہد میں سر سید احمد خاں، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور قائد اعظم نے مسلم قوم کے الگ تشخص کی حفاظت کی۔ جب ماحول ناسازگار ہو تو بقائے انفرادیت کے لیے شعوری تدابیر اختیار کرنا لازمی ہوتا ہے۔

(نظریہ پاکستان ص 29)

برعظیم میں مسلمان ایک قوم تھے وہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندو اکثریت کے غلام نہیں بن سکتے تھے، یہیں سے انھیں اپنے تحفظ کی فکر دامن گیر ہوئی اور دو قومی نظریہ کو نظریہ بقائے انفرادیت کے ذریعے قوم اپنی منزل تک پہنچی۔ یہ نظریہ منزل تک پہنچنے کا مؤثر ذریعہ بن گیا۔ شاید ہی کوئی دوسرا ذریعہ اتنا قوی اور موثر ثابت ہوتا۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب کوئی چیز بنانا مقصود ہوتی ہے تو پہلے اس کا نظریہ، فلسفہ اور تصور تیار کیا جاتا ہے۔ بغیر نظریہ کے کسی چیز کی تخلیق ناممکن ہوتی ہے۔

دو قومی نظریہ کے ذریعے ہم اپنی منزل تک پہنچے، ہمیں ایک خطہ کی ضرورت تھی، جس میں ہم اپنی قومی انفرادیت اور تشخص کا بھرپور اظہار کر سکیں۔ جہاں پہنچ کر دو قومی نظریہ، نظریہ پاکستان کا روپ لیتا ہے ''دو قومی نظریہ اس مثبت حقیقت تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ تھا اور جب اس ذریعے کو استعمال کر چکے تو اب ہمیں اپنے مثبت نصب العین کا ذکر کرنا چاہیے''۔

اس نظریہ کے تحت پاکستان ایک ایسا خطہ ہوگا جہاں پاکستانی اپنے نظریات اور تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ نظریہ پاکستان کی دو جہات ہیں۔ ایک میں اسے دنیائے اسلام کے اتحاد و تنظیم کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہے اور دوسری جہت میں پاکستان کے اندر اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کا عزم ہے۔ پاکستانی تہذیب کے سوتے گندھارا آرٹ اور بدھ کے مجسموں سے نہیں پھوٹتے بل کہ اس کی ثقافت کے دھارے یثرب و بطحا کی سرزمین سے نکلتے ہیں اور پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں۔ (نظریہ پاکستان ص 344)

پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ ''دس کروڑ مسلمانوں کی قوم ایک علیحدہ

Marfat.com

مملکت میں اپنی تمدنی اور معاشرتی صلاحیتوں کو اسلامی خطوط کی روشنی میں ابھار اور نکھار سکے۔'' ہندوستان سے یہ قوم پاکستان کے خطہ میں منتقل ہوئی تاکہ اسلامی تمدن اور معاشرت کا نظام قائم کرے۔ اسلامی معاشرہ میں مساوات ہوگی اور ہر فرد ریاست کا محترم شہری ہوگا، قوم غریب ہوگی تو غربت سب افراد کی زندگیوں میں نظر آئے گی۔ اور اگر قوم خوشحال ہوگی تو ہر پاکستانی کی زندگی میں یہ جھلک نمایاں ہوگی۔ ''قوم ایک جسم کی مانند ہے اگر ایک عضو تکلیف میں ہو تو سارا جسم اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔''

قومی ترقی میں افرادی قوت سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ہماری افرادی قوت ناخواندگی کے موذی مرض سے ضائع ہو رہی ہے۔ قوم کے غریب نونہال جن کی صلاحیتیں ہوٹل کے برتن مانجنے۔ سائیکلوں میں ہوا بھرنے، خیرات طلب کرنے اور چھوٹی موٹی چیزیں فروخت کرنے میں ضائع ہو رہی ہے، یہی قوم کا سرمایہ ہے جو تعلیم عامہ کی نظر ہو رہا ہے۔ قوم میں تعلیم عام کرنے اور قوم کو مضبوط بنیادوں پر اٹھانے کے لیے اس عمر کی تعلیم لازمی اور مفت ہونی چاہیے لیکن صرف تعلیم لازمی اور مفت کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا جب تک معاشی آسودگی بھی ان کے والدین کو میسر نہ ہو۔

اگر ہم قومی جذبہ سے پاکستان حاصل کر سکتے ہیں تو اسی قومی نظریہ سے پاکستان کو خوشحال اور مضبوط بھی بنا سکتے ہیں۔ پاکستان کا ہر شہری اسلام کے رشتہ سے معزز ہے۔ اُسے تعلیم و ترقی کے مواقع میسّر آنے چاہئیں۔ اس سے افراد اور قوم دونوں پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔ یہی سوچ اور فکر جب قومی سطح پر سب کی حرزِ جاں بنی تو نظریہ پاکستان کہلائی۔ آج بھی ہم اسی نظریہ کو اپنا کر قوم کے ہر فرد کو مایوسی اور بے بسی سے نکال کر قومی فکر میں شامل کر سکتے ہیں۔

نظریہ پاکستان ایک جذبہ ہے جس سے اپنے وطن اور اپنی تہذیب سے پائیدا رمحبت ہوتی ہے۔ اس کے پس منظر کو سمجھنے سے ہر فرد اپنے ماضی پر فخر کرتا ہے۔ جب وطن عزیز سب کی امنگوں کا ضامن قرار پائے تو ہر فرد حال کے لیے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا ہے اور مستقبل سے پُر امید ہو کر وطن سے جسم اور روح کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔

نظریہ پاکستان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کی تفسیر دو قومی نظریہ ہے اگر اسے حال میں پڑھا جائے تو یہ اسلامی معاشرہ کے قیام کی ضمانت ہے اور اسے مستقبل کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ پاکستان کے لیے عدل و انصاف، مساوات اور خوشحالی کا

Marfat.com

علمبردار ہے۔

قومی فکر نظریہ پاکستان کی صورت ہمارا نصب العین بنا۔ پھر پوری قوم اس نصب العین کو پالینے کے لیے سرگرم ہوئی اور آخر ایک نصب العین کے تحت اپنی منزل کو پالیا۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ قوم کو پھر ایک نصب العین کے تحت استحکام پاکستان کے لیے تیار کیا جائے۔ اس کے لیے قوم کو اعتماد میں لیا جائے۔ قوم ہر ہاتھ کو پہچانتی ہے اسے بار بار خوش کن نعروں سے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ ہماری خود غرضیوں نے ہم سے قومی جذبہ چھین لیا ہے ہم اپنی شناخت سے بیگانہ ہورہے ہیں۔ نظریہ پاکستان ہماری شناخت ہے یہ ہمیں، ماضی، حال اور مستقبل کا عہد یاد دلاتا ہے۔ ہم نظریہ کو پاکستان سے الگ کر کے من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان ہمارا وقار اور ہماری عزت ہے۔ ہماری شیرازہ بندی نظریہ پاکستان سے ہے۔ پاکستان کی حفاظت نظریہ پاکستان سے کیجیے تا کہ یہ سایہ ہم پر سایہ فگن رہے۔

نظریہ پاکستان کی تشریح مختلف اسلوب میں پیش کی جاتی رہی ہے۔ میں نے زیرِ مطالعہ کتاب میں ایک نئے انداز سے اس کی توضیح کرنے کی سعی کی ہے شاید یہ طریقہ سمجھانے میں زیادہ مؤثر ہو۔

نظریہ پاکستان کی اہمیت کے پیش نظر اس کو جس انداز اور جتنی بار بھی اس کی وضاحت کی جائے کم ہے۔ اس نظریہ کے پیش کرنے کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کبھی ماضی میں تھی بل کہ جن لوگوں نے ہندو کو قریب سے دیکھا ہے انھیں ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کی سیاست سے واسطہ پڑا ہے وہ دو قوموں میں خوب فرق کرتے ہیں۔ ان کے سامنے دو قومی نظریہ، نظریہ پاکستان کی تشریح اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ ان کے سامنے ماضی کی یادیں تازہ ہوجائیں اور مہاشوں کی عیارانہ چالیں یاد کر کے اپنے کارناموں پر فخر کرسکیں۔

نظریہ پاکستان کی تشریح و توضیح نئی نسل کے لیے بہت ضروری ہے۔ جس نے ہندو کو قریب سے نہیں دیکھا، جو ہندو ثقافت سے بے بہرہ ہیں جنھیں ہندو رسومات سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

مسلم تہذیب و ثقافت نے ہندوؤں کے عقائد و تصورات، رسوم و روایات، عادات و خیالات، افعال و اقدار، اخلاق و مذہب، زبان و قانون اور فن پر ایک گہرا اثر

Marfat.com

ڈالا۔ ہندو نے اپنی تہذیب کے خول میں بند ہونے کی کوشش کی۔اپنی ثقافت کو ڈھال بنایا۔مسلم ثقافت نے پھر بھی اسے متاثر کر کے چھوڑا۔اس کی مثال ہندومت سے الگ ہونے والی قوم سکھ ہے۔جن کے نظریات ہندومت کی ضد ہیں۔اگر گورونانک ان کا رشتہ مکمل ہندومت سے کاٹ دیتے تو یقیناً یہ قوم مسلم ثقافت میں ضم ہو جاتی۔لیکن بابا نانک نے بڑی فراست سے اس قوم کو مسلمان ہونے سے بچالیا۔

میں نے نظریہ پاکستان کی وضاحت دونوں قوموں کی تہذیب اور ثقافت کو مد نظر رکھ کر کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ طلبہ دوقومی نظریہ کی جھلک دوثقافتوں میں ملاحظہ کر سکیں۔دوتہذیبوں اور ثقافتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری خود بخود دوقومی نظریہ اور نظریہ پاکستان تک رسائی حاصل کر سکے گا۔

ثقافت میں سب سے نمایاں پہلو رسوم و روایات کا ہوتا ہے۔میں نے ہندو تہذیب وثقافت میں ہندو کی پیدائش سے لے کر موت تک رسومات کو پیش کیا ہے۔اس طرح مسلم رسومات وروایات کو بھی درج کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح ہندو مسلمان ,نظریات وعقائد میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح بچپن سے موت تک کوئی بھی فعل ایک دوسرے سے لگا نہیں کھاتا۔ایک ہزار سال تک ایک خطے میں رہنے کے باوجود دونوں قومیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ کیوں کر رہیں اور اتنی مدت کے بعد مسلمانوں کو نظریہ پاکستان کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ مسلمانان ہند کے ایک ہزار سالہ تجربات وتاریخ کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ طلبہ ان محرکات کو آسانی سے سمجھ سکیں، جو آگے چل کر قیام پاکستان کا سبب بنے۔

میں دوتہذیبوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلا ہوں ,تاکہ مسلم، ہندو فرق کو محسوس کیا جاسکے۔دونوں قوموں کے نظریات اور راقدار قاری کو اس لائق بنائیں کہ وہ اپنی جداگانہ حیثیت کا تعین کر سکے اور ماضی میں اسلاف نے حصول پاکستان کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے۔

قیام پاکستان کا راستہ اتنا کٹھن تھا کہ اسلاف آگ اور خون کے دریا سے گزر کر پاکستان کی سرحد تک پہنچے۔حصول پاکستان کے پیچھے جو فلسفہ اور نظریہ کارفرما تھا اس نے اسلاف کو تگ وتاز بخشی ،وہ خون کے دریا میں کود پڑے۔ان مشکلات اور صبر آزما واقعات سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔خدا کرے کہ میں اس فلسفہ اور نظریہ کو سمجھانے میں کامیاب ہو

Marfat.com

جاؤ جو حصول پاکستان کا سبب بنا۔ ملّت اور قوم میں حدّ امتیاز قائم کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ قاری کے سامنے دونوں رخ پیش کیے جائیں تا کہ وہ خود کہہ اٹھے کہ:

مسلم اسی مشت خاک کا ٹوٹا ہوا تارا ہے

اور پھر یہ قطرہ دریا میں ضم ہونے کے لیے بیقرار ہے۔ ملّت اسلامیہ سے اپنا رشتہ قائم کرنے کی ایک شعوری کوشش ہے تا کہ ''پان اسلام ازم'' نظریاتی طور قبول کر لیا جائے۔ چاہے ہم مختلف خطوں میں ہی اسلامی نظام کیوں نہ قائم کیے رکھیں۔ مسلمان عرب میں رہتا ہو یا عجم میں، مسلم معاشرہ کی تہذیبی روح ایک ہے جغرافیائی حدود اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم۔

محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہو کر خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ مسلم معاشرہ جہاں کہیں بھی ہے اس پر اسلامی رنگ کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ یہی یکسانیت مسلمانوں کو ایک ملّت واحدہ کی شکل میں کرّہ ارض پر ایک الگ تشخص بخشتی ہے۔

مسلمانوں کی نماز باجماعت ایک زبردست مظاہرہ تنظیم و مساوات ہے اس میں آقا و غلام، امیر و غریب۔ اسود و احمر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ حج کی تنظیم ایک روح پرور نظارہ پیش کرتی ہے۔ میدان عرفات میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، مسجد نبوی ﷺ میں انسانوں کا جنگل مسلمانوں کے اتحاد، تنظیم اور اتفاق کا مظہر ہے۔ دنیا کی کسی تہذیب میں ایسا تنظیمی وجود کہیں موجود ہے؟

اسی ہم آہنگی، اتحاد فکری اور وحدت عمل نے دنیا بھر کے اسلامی ممالک میں ایک جذبہ، ایک عمل، ایک تمدن، ایک ثقافت اور ایک ہمہ گیر نظریہ کو جنم دیا ہے اس طرز حیات نے مسلمانوں کو ایک خطہ میں بحیثیت ملّت الگ شخصیت دی ہے۔

برّعظیم میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے ہیں انھیں اسی خطہ میں اپنی ثقافت کو بچانے کے لیے مختلف حربے اختیار کرنا پڑے ہیں۔ محمد بن قاسم کی رواداری اور انصاف نے مسلم ثقافت کو خطہ ہذا میں روشناس کرایا۔ یہ دور برعظیم میں مسلم ثقافت کا دور اوّل ہے۔

محمود غزنوی نے ہندو ثقافت پر کاری ضرب لگائی اور مسلم ثقافت کو پنپنے کے لیے دوسرا دور آیا۔ محمود کے سترہ حملوں نے ہندو ثقافت کی بنیادیں ہلا دیں۔ سومنات کے

Marfat.com

مندر کو زمین بوس کر کے مندر کی قوت کا راز اور پنڈت کی حیلہ سازیوں کی قلعی کھول دی۔

آل یمین نے برعظیم کی ہندو سلطنت کو نیم جاں کر دیا تھا اسی پر شہاب الدین غوری نے اسلامی سلطنت اور اسلامی ثقافت کی بنیادیں استوار کیں۔ سلاطین دہلی کا دور 1206ء سے 1526ء تک پھیلا ہوا ہے انھوں نے مسلم ثقافت کے تحفظ کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ علاؤالدین خلجی نے مسلمانوں کی اقلیت کو محسوس کیا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی علاؤالملک نے اسے اس حرکت سے باز رکھا۔

اسلامی ثقافت کو برعظیم میں قدم جمانے کے لیے ہندوؤں سے ہر محاذ پر جنگ کرنا پڑی۔ میدان جنگ میں اگر مسلمان مجاہدین سر بکف تھے تو علما ہندو پنڈتوں کو علمی موشگافیوں میں نیچا دکھا رہے تھے۔ جوگ اور رہبانیت کے میدان میں مہاتماؤں کا جواب صوفیا اپنی پارسائی سے دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محمود غزنوی کے عہد میں شاہ اسماعیل لاہوریؒ اور پھر علی ہجویریؒ علم و معرفت کا گنج لٹاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ متواتر جاری رہتا ہے اور برعظیم کی سرزمین صوفیا کرام سے بھر جاتی ہے۔۔

مغلیہ عہد اسلامی ثقافت کا درخشندہ دور ہے۔ بابر سے اورنگ زیب تک صرف اورنگ زیبؒ ہی کی شخصیت ایسی ہے جسے اسلام سے والہانہ محبت ہے تاہم مغلیہ دور میں اسلامی ثقافت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن نظر آتی ہے۔ اس دور میں بھی اقلیت کا احساس کارفرما نظر آتا ہے۔ اکبر اقلیت اور اکثریت کو ایک مالا میں پرونے کی سعی لاحصل کرتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی آگے بڑھ کر اس تحریک کا رُخ بدل دیتے ہیں۔ آپ مسلم ثقافت سے مُردہ اور ناکارہ حصّوں کو کاٹ کر ایک جاندار مسلم ثقافت کو پیش کرتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707ء سے مغلوں کا انحطاط شروع ہوتا ہے جب مسلمانوں سے اقتدار چھن گیا تو پھر ان کو احساس ہوا کہ وہ برعظیم میں ہندوؤں کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں۔ مسلم ثقافت جو ایک زندہ اور حکمران قوم کی ثقافت تھی، اب اس پر ہر طرف سے حملے ہونے لگے تو اسے اپنے تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس وقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان میدان میں اُترا۔ یہ دور مسلمانوں کی نشاط ثانیہ کا دور ہے۔ ایک طرف شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کی تعلیم کی

Marfat.com

طرف توجہ دی اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو دعوت دے کر مرہٹوں کی قوت کا صفایا کرایا۔ ابدالی نے برعظیم میں مسلمانوں کے اقتدار کا ستارہ غروب ہونے سے بچانے کے لیے مخالف قوت پر ایک کاری ضرب لگائی لیکن مسلم اقتدار کا سورج برعظیم کے افق پر ڈوب کر رہا۔

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلم اقتدار کو واپس لانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ انسانوں کی طرح حکومتوں اور سلطنتوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ مغلیہ سلطنت اپنی عمر پوری کر چکنے کے بعد اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ مسلمان آسمان سے گر کر زمین پر آ رہا۔ ان کا عروج زوال میں بدل گیا اور وہ کسمپرسی اور ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں کی حالت ''سرگزشت پاکستان'' ص35 پر یوں درج ہے: آنکھوں نے دہلی میں مسلمانوں کی درسگاہوں اور مسجدوں کو تباہ ہوتے دیکھا۔ محمد بن تغلق کی اولاد کو گھاس کھودتے اور نواب خلیل اللہ خاں شاہ جہانی کے پوتوں کو پیر دباتے دیکھا تھا'' ایسے میں بھی مسلمان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ نہیں گئے، غلامی کو گردن کا جوا نہیں بنایا بلکہ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی مایوسی کو حصول تعلیم کی لگن میں بدل دیا اور علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھ کر مسلم ثقافت کو ختم ہونے سے بچالیا۔

برعظیم میں مغلیہ سلطنت لوٹ آنے کا دور خواب وخیال ہو کر رہ گیا۔ اب برعظیم مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا لیکن اپنی ثقافت کو بچانے کے لیے انھیں ایک ملک و دولت کی ضرورت تھی، یہاں رہ کر اپنی شان دار ماضی کی روایات اپنی تہذیب وتمدن اور اپنی ثقافت کو بچا سکیں، یہیں سے مسلم ہند کا نصب العین ملا اور منزل کو پالینے کے لیے تحریک پاکستان کا آغاز ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔

نظریہ پاکستان مسلم روایات، تہذیب وتمدن اور ثقافت کے اندر ایک روح کی حیثیت رکھتا ہے جس نے برعظیم کے مسلمانوں کو ایک مزاج بخشا اور ثقافت کے رگ وریشہ میں خون بن کر مسلم ثقافت کو آبدار کر گیا۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ میں ابھری۔ ہمیں آزادی کے بعد ان نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لیے مسلم ثقافت کے خدوخال واضح کرنا چاہیے تھے تاکہ نوجوان پاکستان کے مقصد سے آگاہ ہو کر اس کی نظریاتی سرحدوں کے پاسباں بن جاتے۔ مگر شومئ قسمت

Marfat.com

ہم نے جغرافیائی سرحدوں پر پہرے بٹھا دیئے اور نظریاتی سرحدوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں پاکستان کا نظریاتی ورثہ بکھرتا چلا گیا۔ ''ذہنی راستوں سے ریب وتشکیک کی خاردار جھاڑیاں صاف کرنے کے لیے کس قدر کوہ شکن اور فلک پیما عزم کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔''

نظریہ پاکستان سے انحراف اپنی ثقافت کا انکار ہے۔ پاکستان کے حصول میں دوقومی نظریہ کارفرما تھا۔ مسلمانوں کو مسلم ثقافت کی بقا کا زبردست خیال تھا اور ایک خطہ ارضی کی ضرورت تھی ، جہاں مسلمان ثقافت کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا۔ وہ خطہ پاک سرزمین ہی ہوسکتا تھا۔

دوقومی نظریہ کو سمجھنے کے لیے ہندو ثقافت اور مسلم ثقافت کے خدوخال اور نقوش کو ابھار کر دونوں کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ دو ثقافتوں سے چھن کر دو قوموں کا مزاج سامنے آئے۔ مسلم ثقافت کے پیچھے ایک طویل تاریخ ہے۔یہی تاریخ ثقافت کی محافظ بھی ہے اور آئندہ نسل تک منتقلی کا ذریعہ بھی ، یہی وجہ ہے کہ تاریخ ،ثقافت کے تحفظ اور نظریاتی حدود کی پاسداری کے لیے دیگر مضامین میں سرفہرست ہے۔اس کے مطالعے سے ہی حب الوطنی ، اپنی ثقافت سے یگانگت ،ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا جذبہ، ماضی پر فخر، حال کے لیے جوش وخروش اور مستقبل کے لیے خود اعتمادی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

پہلا باب:

ثقافت پر ہے اس میں ثقافت کیا ہے؟ جس طرح تلوار کی کاٹ سے لوہے کا اندازہ ہوتا ہے۔اس طرح قومی مزاج اس کی ثقافت سے مترشح ہوتا ہے۔ ''ثقافت کسی قوم کی اجتماعی زندگی کی اس روح کو کہتے ہیں جو اس کے تمام اعمال پر قوانین کی مدد کے بغیر حکمران ہوتی ہے اس میں مذہب ،معاشرت ،ادب ،زبان ،فنون لطیفہ ، تقریبات ،تصریحات اور رسوم ورواج سبھی کچھ شامل ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو ثقافت کے اجزائے ترکیبی نہیں کہ رہا ہوں بل کہ اگر یوں کہا جائے کہ ان سب میں کسی قوم کا مزاج کارفرما ہوتا ہے، وہی اس کی ثقافت ہوتی ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب:

مسلم ثقافت کا ہے اس میں مسلم تہذیب وتمدن اور ثقافت کو لیا گیا ہے۔ ''تمدن خارجی امور کا مظہر ہوتا ہے اور ثقافت باطنی کیفیت کی مظہر، تمدن کے پودے کی صحیح نشو ونما کے لیے خارجی مظاہر کی اصلاح اور درستی کی جاتی ہے۔ یہی تہذیب ہے''۔ تہذیب وثقافت سے مراد مسلمانوں کے آثار الصنادید۔ فنون لطیفہ، روحانی اقدار، تقریبات تفریحات، عقائد رسم ورواج، ادب اور زبان ہے۔ اِن پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کی طرز زندگی کو اجاگر کیا ہے۔

مسلم تہذیب وثقافت کا منبع قرآن وسنت ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. مسلمانوں کی تاریخ کی ابتدا پیغمبر آخر الزماں کی بعثت سے ہوئی ہے۔ آپ کی آمد سے ظلمت کی دھند چھٹ گئی اور حق کا مطلع صاف ہو گیا۔ انسانیت قعرِ ذلت سے نکل کر پھر سے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہوئی۔ پوری انسانیت آپ ﷺ پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

ہم ہڑپہ، موہنجوڈارو اور ٹیکسلا کے کھنڈر کھود کر مدفون ثقافت اور پوشیدہ تہذیب کو منظر عام پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تہذیب و ثقافت زمانہ کے ہاتھوں فنا ہو گئی۔ جن لوگوں کی یہ تہذیب وثقافت تھی وہ اسے ساتھ لے کر تہ زمین چلے گئے اور تاریخ میں اپنی یادیں چھوڑ گئے۔ ان کی داستان قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ اس مردہ تہذیب کو منصہ شہود پہ لا کر اس پر فخر کرنا مسلم تہذیب وثقافت کا منہ چڑانا ہے، برعظیم میں مسلم تہذیب وثقافت کا آغاز مسلمانوں کی آمد سے ہوا اور اسلامی تہذیب وثقافت کی ابتدا آپ ﷺ کی بعثت سے ہوتی ہے۔ اس سے قبل برعظیم کی تاریخ غیر یقینی اور تہذیب و ثقافت بے روح ہے اس کا تہذیب اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ''پاکستانی تہذیب کے سوتے گندھارا آرٹ اور بدھ کے مجسموں سے نہیں پھوٹتے بل کہ اس کی ثقافت کے دھارے یثرب وبطحا کی سرزمین سے نکلتے ہیں اور پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں''۔ (نظریہ پاکستان، ص 344)

111962

Marfat.com

تیسرا باب:

ہندو تہذیب وثقافت سے ہے اس میں ہندو مزاج دکھایا گیا ہے۔ ذات پات کے بندھن، چھوت چھات کی گرہ، مذہب کی بھول بھلیوں نے ہندومت کو چیستان بنا دیا ہے۔ برہمن برہما دیوتا کے سر سے پیدا ہوا تھا، سب کا سردار بن گیا۔ چھتری برہما جی کے بازووں سے، اس لیے قوت اس کے ہاتھوں میں رہی۔ ویش پیٹ سے! اس لیے پیٹ کا دھندہ اس کے ذمے رہا۔ شودر برہما کے قدموں سے پیدا ہوا۔ اس لیے شودر ہر ایک کا خادم ٹھہرا۔

آریا برعظیم پر حملہ آور ہوئے تو یہاں کے مقامی باشندوں کو اچھوت اور شودر قرار دیا۔ آج کا شودر برعظیم کا قدیمی اور اصلی باشندہ ہے جو برہمن کی سیاست اور جور وستم کا نشانہ بن رہا ہے۔ برعظیم کے لوگ ہمیشہ سے مذہب سے فطری لگاؤ رکھتے ہیں۔ آریا فاتح بن کر برعظیم آیا اور ہندومت کو اپنایا۔

"الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق شودر نے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا لیکن وہ ہمیشہ اچھوت ہی رہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔ ''مسٹر گاندھی کا اچھوتوں سے یہ پیغام ہے کہ ہندو دھرم کو مت چھوڑو، ہندومت میں رہو لیکن ہندو بننے کی کوشش نہ کرو''

''ہندومت کو بعض لکھنے والوں نے ایک پراسرار عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کی کئی منزلیں ہوں اور ان میں بے شمار چھوٹے چھوٹے کمرے ہوں لیکن ایک کمرے میں رہنے والے دوسرے کمرے میں داخل نہ ہو سکتے ہوں سب سے نچلی منزل میں رہنے والا اچھوت تھا اور جو اس منزل سے باہر تھے وہ اس سے بھی کم درجہ رکھتے تھے۔'' ہندومت کی جکڑ بندیوں کے خلاف بدھ مت نے علم بغاوت بلند کیا۔ بدھ مت، برہمن ازم اور ہندومت کے خلاف ایک احتجاجی تحریک تھی۔ حیلہ گر برہمن بازی لے گیا۔ بدھ مت، ہندومت میں ضم ہو کر دم توڑ گیا۔

مسلمان برعظیم میں آئے تو برہما جی کے بازو، پیٹ اور قدموں سے پیدا ہونے والوں نے اسلام قبول کیا اور ملت بیضا میں قطرہ دریا میں مل کر دریا بن گیا۔ یہ سلسلہ متواتر جاری رہا۔ برہمن کے ستائے ہوئے ہندومت سے کٹ کر اسلام کی قوت

Marfat.com

بنتے چلے گیے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ نومسلموں نے مسلم حکومت کے ساتھ غیر معمولی تعاون کیا۔

چوتھا باب:

ہندو مسلم تہذیب و ثقافت کا تقابلی جائزہ ہے۔ تاکہ قاری آسانی سے دو ثقافتوں کے درمیان حد امتیاز کھینچ سکے، ایک سرسری نگاہ بھی دونوں قوموں کے افراد میں تمیز کرسکتی ہے۔ لباس، خوراک، ظروف، خانہ داری، طرزِ رہائش، اندازِ گفتگو، سلام ودعا کے الفاظ، نشست و برخاست، اشارے کنائے الغرض ان کی ہر بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔''

عربوں کے آمد سے مغلوں کے زوال تک مسلم ثقافت برعظیم کے طول وعرض تک پہنچ چکی تھی۔ آل یمین، سلاطین دہلی اور مغلوں نے اپنے اپنے انداز سے اس میں رنگ بھرنے کی کوشش کی۔ مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے مسلم تہذیب و ثقافت کا رخ مکہ اور مدینہ کی طرف موڑنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

جنگ آزادی 1857ء کے بعد برعظیم میں جنم لینے والی تحریکات مسلمانوں کا سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد من حیث الملت بن کر ابھرنا، ایک الگ وطن کا مطالبہ اور نظریاتی بنیاد پر ایک مملکت کا حصول، بیسویں صدی کا ورطہ حیرت میں ڈالنے والا کارنامہ ہے۔ مسلمان اگر چند صدیاں مزید اقتدار میں رہتے تو بھی لاشعوری طور پر وہ ایک قوم تھے۔ لیکن ایک قوم بننے میں کبھی شعوری کوشش کارفرما نہیں ہوئی۔ زوال میں مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ من حیث القوم ایک سیسہ پلائی دیوار بن گئے، جس کے سامنے ہندوؤں کا طبقاتی معاشرہ خس وخاشاک ثابت ہوا۔

زوال مسلمانوں کے لیے ایک تند خو طوفان سے کم نہیں تھا۔ اقتدار چھن گیا، جاگیریں کھو گئیں تجارت، درآمد و برآمد مسلمانوں سے ہاتھوں کے جاتی رہی۔ دستکار مسلمان نان شبینہ کو ترس گیا۔ بنگال کے مسلم بافندے کا تار ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ فارسی کی جگہ انگریزی سرکاری زبان بن گئی۔ مسلم وکلا، اطبا اور عہدے دار اب نئی زبان میں جاہل قرار پائے۔ اس زبوں حالی اور تباہی نے مسلمانوں کے گوش ہوش کھول دیئے

Marfat.com

اور انھیں پھر سے قوم بن کر ابھرنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ قوم بن کر ابھرے اور ایک آزاد مملکت حاصل کر لی۔

پانچواں باب:

دو ثقافتوں کے تقابلی جائزے سے دو قومی نظریہ پوری وضاحت کے ساتھ سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اسی نظریہ نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں یکسانیت پیدا کی۔ اسی یکسانیت سے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک ہی نصب العین کا انتخاب کیا، نصب العین کو پالینے کے لیے مسلمانوں نے اتحاد، تنظیم، قوت اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کیا۔

اگر کہا جائے "المسلم ملۃ واحدۃ" کو اشارہ کی زبان یہ بات درست ہوگی کیوں کہ ایک سچے مسلم میں ملت اسلامیہ کے سارے خصائص پائے جاتے ہیں۔ ملت اسلام جس زمانے میں روئے زمین پر جہاں بھی کہیں بھی پائی جاتی رہی یا پائی جاتی رہے گی وہ ایسے مسلم افراد کا مجموعہ ہوگی۔ وحدت فکر و کردار کا پایا جانا یقینی بھی ہے اور ضروری بھی ہے۔ فکر و عمل کی یہ وحدت بلا لحاظ رنگ ونسب وحدود و قیود ہے۔ عرب وعجم کے مسلمانوں کے تمدن، تہذیب، طرز بود و باش زیدہ اتحاد اور تھوڑا سا اختلاف بھی ہوگا۔ اس کی وجوہات مقامی ہیں۔ عقائد ورسوم عبادات حقوق وفرائض میں دنیا کے تمام مسلمان متحد ہیں۔ مگر تہذیب وثقافت میں ہر خطہ کے مسلمانوں کے ہاں کچھ مقامی رنگ کا پایا جانا ضروری ہے توحید ورسالت، آخرت کے عقائد میں، مختلف عبادات میں، مختلف شعائر ورسوم میں دنیا بھر کے مسلمان اکٹھے رہے ہیں اور رہیں گے مگر تہذیب وثقافت میں منجملہ اظہار کے ساتھ ساتھ خصوصیات جو عرب وعجم کے مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں وہ ایک دوسرے سے قدرے مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ اختلاف اصولی نہیں ہوگا بلکہ یہ زمانی اور زمینی ہوگا۔

مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی ﷺ، بادشاہی مسجد لاہور و دہلی، جامعہ قرطبہ ایک ہی روح اسلام کو پیش کرتی ہیں مگر تعمیر میں ذرا ذرا ختلاف ان کی مقامیت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے مینار توحید باری تعالیٰ کا یکساں تصور پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح عرب وعجم کا لباس۔ کھانے، ذاتی پسند وناپسند، موسیقی، زبان، شاعری، ظروف سازی ودیگر فنون فی الواقعہ اپنا اپنا مقامی اور جغرافیائی وجود رکھتے ہیں۔ البتہ ہر ملک و ہر خطہ اسلام

Marfat.com

میں اصل وجدانی جذبہ اظہار ذات کی جہت ایک ہے اس میں اختلاف ممکن نہیں۔ اس سے حقیقت بھی تراوش ہے کہ کسی ملک میں مختلف خطے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کی زبان مقامی ثقافت، مقامی رواج اور مقامی تاریخ باہم مختلف ہوں مگر رشتہ اسلامی میں بندھ جائیں تو ان کے مقاصد، نصب العین اور اطراف کا تعین سب کچھ ایک ہو کر رہ جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ یگانگت مسلم ممالک میں یا ایک ملک کے اکثر خطوں میں مذہب کے تصور توحید و رسالت و عقیدہ آخرت پر باہم اتفاق ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ ذریعہ یگانگت کمزور ہوگا تو دوسرے مقامی نظریے ابھر آئیں گے۔

مسلم ممالک کے تہذیب کی روح ایک ہے، سمت ایک ہے نصب العین ایک ہے بل کہ زندگی اور اس کا ارتقا، تاریخ اور اس کی مقامیت کا رخ ایک ہے جہاں کہیں اس سے روگردانی کی گئی وہیں مقامی عصبیتوں نے جنم لیا اور اسود و احمر کا تصور پید ہو گیا۔

یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ مقامی ثقافت کا وجود اس حد تک تسلیم کر لیا جائے کہ ملّی ثقافت کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ ملّی ثقافت کو ہر حال میں برتر، اعلیٰ اور مقدم سمجھا جائے گا۔

کرہ ارض پر اسلام صرف ایک ہے۔ ملت اسلامیہ اور ثقافت اسلامیہ صرف ایک متصور ہوتی ہے۔ اسی نظریے کے مطابق اسلامی تہذیب و ثقافت اپنی واحد موجودیت کو نہ کسی اپنی مقامی خصوصیت میں ضم کرتی ہے نہ کسی دوسری تہذیب و ثقافت کے ساتھ ہم آہنگ ہی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ کچھ وطنی خصوصیات باہم مشترک ہی کیوں نہ ہوں۔ مسلم قومیت کا تصور اور نظریہ آفاقی صرف اس خیال میں ہے کہ اس میں مسلم ممالک کی خودی ایک ایک کر کے ضم ہو جائے اور کرۂ ارضی کی کوئی دوسری قومیت اسے اپنے میں ضم نہ کر سکے اور واقع بھی یہی ہے۔ اسلامی عقائد اور ارکان کلمہ، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تقویٰ اور طہارت، قرآن وحدیث کے الہامات، اکل وشرب کی پاکیزگی، ستر لباس، رسوم وعبادات کی یگانگت و وحدت، اسلامی تہوار، اسلامی حقوق العباد۔ صدقہ وخیرات رسوم نکاح وطلاق اور آخروی تصور حیات ایسی چیزیں ہیں کہ جن میں مشترک روئے زمین کے مسلم کسی دوسری ملت یا مذہب کے ماننے والوں میں ضم نہیں ہو سکتے۔ یہیں سے ملت واحدہ اسلام کو قیاس کیا جا سکتا ہے اور یہیں سے قومیت کا اور اسلام کا جداگانہ تصور پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

برعظیم ہندوستان میں یہی تصور محمد بن قاسم کی آمد کے وقت دوقومی نظریہ کا باعث بنا۔ یہی تصور قائداعظمؒ نے آگے بڑھایا اور تقسیم ملک کا باعث بنا۔ ہماری ثقافت (اسلامیہ) کے کون سے خدوخال ہندوقوم کی ثقافت سے مماثل تھے جن کی وجہ سے ہم ہندوقوم کے ساتھ مل کر آزادی کے لیے کام کرتے اور ایک جان رہتے؟ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو یہ نظریہ انفرادی کیا! ملی خودکشی کا مترادف بن جاتا:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

یہاں تو وطنیت کوئی شے نہیں البتہ ایک خطہ جس میں اسلام کا تجربہ کیا جا رہا ہو، آپ نے دیکھا، خلافت اور سلطانی باہم ایک رہے ہیں۔ مختلف سلاطین اسلامی ایک خلیفہ کے ماتحت ایک مرکز پر رہے ہیں۔ ہمارا مرکز منبع اور سرچشمہ حیات دراصل مکہ و مدینہ ہیں۔ قرآن وسنت ہمارا آئین و دستور ہے انتہا ہماری خدائے مطلق کی ذات ہے۔ وہی ہماری جہتوں کا مرکز، سرچشمہ قوت واتحاد ہے اس کی حاکمیت، حاکمیت اعلیٰ ہے۔ جسے جاری وساری رہنا ہے۔ ہمارے فکری منابع ایک ہیں، ہماری تنظیم لافانی ہے، یہ ہے روئے ارض پر ہمارا تشخص، یہ ہے ہماری پہچان۔

وجود حدود و ثغور سے نہیں اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

یہی احساس برعظیم میں دوقومی نظریے کی اساس بنا۔ یہی اس قوم کی شناخت اور شخصیت ہے۔ ''قومی شخصیت عبارت ہوتی ہے ان تمام ثمرات ذہنی سے جو قوم نے ایک مشترکہ نصب العین کے ماتحت کوشش کر کے حاصل کیے ہوں''۔

حکیم اجمل خاں (خطبہ صدارت جامعہ ملیہ 1921ء)

دوقومی نظریہ پاکستان کے حوالے سے نظریہ پاکستان کہلایا، اس نظریہ کی ضرورت واہمیت اس پر روشنی ڈالنے کے بعد محرکات پاکستان میں بنیادی نظریہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

چھٹا باب:

راجستھان میں میواڑ کے حکمران رانا سانگا نے راجستھان کے قدیم اسلامی مرکز ناگور پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس نے دوسرا حملہ ہندوستان

Marfat.com

کے سب سے بڑے روحانی مرکز اجمیر پر کیا۔ یہاں اس نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور شہر کو جلا کر کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔

اس دوران میں ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ 1527ء میں رانا سانگا بابر کو برِعظیم سے نکالنے کے ارادے سے بھاری لاؤ لشکر لے کر آگرہ سے بتیس کلومیٹر دور فتح پور سیکری کے میدان میں پہنچ گیا۔ مگر بابر کے ہاتھوں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ رانا سانگا میدان جنگ میں ڈھیر ہوا اور فوج میدان جنگ چھوڑ کر تتر بتر ہو گئی میدان بابر کے ہاتھ رہا اور رانا سانگا کا ہندو رام راج کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

بابر کو اس ملک پر چار سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس نے 1530ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا اس کا جانشیں بنا۔ وہ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں مات کھا گیا۔ شیر شاہ سوری کی اصلاحات کے کئی نقوش آج بھی موجود ہیں۔ وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ اُسے نمازِ عصر کے بعد حکومت ملی ہے جب سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔ وہ بھی چار پانچ سال حکومت کرنے کے بعد کالنجر کا قلعہ فتح کرتے ہوئے بم کے دھماکے سے شہید ہوا۔ اُس کے جانشینوں سے ہمایوں نے دوبارہ حکومت حاصل کر لی۔ ہمایوں کے بعد اُس کا بیٹا اکبر تخت نشیں ہوا۔ اُس کی آزاد خیالی کی وجہ سے ہندوؤں میں کئی جارحانہ تحریکیں پیدا ہوئیں۔ ہندو رانیوں نے شاہی محلات میں دیوالی، دسہرہ، جنم اشٹمی، رام نومی۔ رکھشا بندھن اور شوراتری جیسے ہندووانہ تہوار بڑی دھوم دھام کے ساتھ منانے شروع کیے۔

اکبر کی وفات کے بعد 1605ء میں جہانگیر تخت نشیں ہوا۔ اس کے زمانے میں ہندو کافی مضبوط ہو چکے تھے۔ سکھوں نے بھی امرت سر اور ترن تارن میں گوردوارے تعمیر کر کے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب عالم گیر تخت نشیں ہوئے۔ بابر کی آمد 1526ء سے اورنگ زیب عالم گیر کی وفات 1707ء تک مغلوں کا دورِ عروج ہے۔

Marfat.com

ساتواں باب:

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات 1707ء کے بعد مغلوں کا دور زوال شروع ہوگیا۔ زوال ایک فطری عمل ہے جس سے کئی سلطنتیں اور ان سے کئی دوسری سلطنتیں ابھرتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ''سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث جو ادارے بنے ان میں زرعی نظام، منصب داری نظام، جاگیرداری نظام، مغل فوج اور مغل دربار شامل ہیں۔

آٹھواں باب:

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں مسلمانوں کی زبوں حالی ہے۔ کمپنی نے اورنگ زیب عالم گیر کے جانشینوں کی کمزوری اور نااہلی سے فائدہ اٹھا کر برعظیم کے وسیع علاقوں پر سیاسی غلبہ حاصل کرلیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی غرض سے برعظیم میں وارد ہوئی تھی۔ لیکن اعرابی کے اونٹ کی طرح پاؤں پھیلاتی چلی گئی اور مغل بادشاہ ان کا وظیفہ خوار بن کر لال قلعہ دہلی تک محدود ہوکر رہ گیا۔ سند حکمران عالم بادشاہ بقول شاعر ؎

حکمِ خداوندِ عالم
از دہلی تا پالم

تک تو تھا مگر آخری مغل بادشاہ کا اقتدار سمٹ کر لال قلعہ دہلی تک محدود ہوگیا تھا۔

نواں باب:

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندو گنگا نہا کر پوتر ہوگئے اور سارا نزلہ مسلمانوں پر گرا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلم زعما اور حریت پسندوں کے سر قلم کیے گئے۔ مسلمانوں کی جاگیریں ضبط ہوئیں اور ان کی جائیدادیں انگریزوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ ان کے کاروبار تباہ ہوئے، عزتیں لٹیں اور وہ نان شبینہ کے محتاج ہوکر رہ گئے۔

مغل شہزادوں کے سر طشتری میں سجا کر بوڑھے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پیش کیے گئے۔ مقدمہ چلا اور جلاوطن کرکے بادشاہ کو رنگون بھیج دیا گیا۔ مُلک جو بادشاہ کا تھا اور حکم

Marfat.com

کمپنی بہادر کا وہ اب مُلک بھی کمپنی بہادر کا ہو گیا اور حکم بھی۔ سر سیّد احمد خان رسالہ بغاوت ہند میں لکھتے ہیں' جنگ ہندوؤں نے شروع کی، مسلم دل جلے تھے وہ بھی اس میں شریک ہو گئے''۔

دسواں باب:

جنگ آزادی کے بعد علم کی جوت سر سیّد احمد خان نے جگائی۔ اگلے باب میں سر سیّد احمد خان کے حالات اور کارنامے تفصیل سے تحریر کیے جائیں گے۔

دارالعلوم دیوبند، ندوۃُ العلما، انجمن حمایت اسلام، جامعہ ملیہ کالج دہلی، سندھ مدرسۃ الاسلامی اور اسلامیہ کالج پشاور جیسے اداروں نے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں اہم فریضہ سر انجام دیا۔ ان اداروں کے طلبہ نے تحریک پاکستان میں ہراوّل دستے کا کام دیا۔ ''بن کر رہے گا پاکستان'' ''لے کے رہیں گے پاکستان'' کے نعروں سے برعظیم کا کونہ کونہ گونج اٹھا۔ تحریک پاکستان میں ان تعلیمی اداروں کا کردار بڑا نمایاں ہے

گیارہواں باب:

سر سیّد احمد خان کی ہمہ جہت شخصیت تھی۔ سر سید نے تفسیر۔ سیرت۔ تاریخ۔ اور تحقیق جیسے موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ تاریخ فیروز شاہی۔ آئین اکبری۔ تزک جہانگری اور آثار الصنادید ماضی کے ساتھ اپنا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے لکھیں اور انگلستان سے واپسی پر تجدد اور مذہبی مصالحت کے جذبے سے تفسیر القرآن۔ خطبات احمدیہ، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق میں متعدد مضامین لکھے۔ ''قافلہ سالار سر سیّد احمد خان کا شمار برعظیم کی اُن عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تاریخ اسلام میں اپنی سیرت اور کردار کے اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں۔''

بارہواں باب:

سر سیّد احمد خان کا سب سے بڑا کارنامہ علی گڑھ کالج کا قیام ہے۔ علی گڑھ کالج ''مسلم بیداری تحریک'' کا گڑھ تھا تحریک علی گڑھ نے برعظیم کے مسلمانوں میں علمی، ادبی، مذہبی، سیاسی اور سماجی شعور پیدا کیا۔ علی گڑھ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے

Marfat.com

قائدِاعظمؒ نے کہا تھا کہ پاکستان کے حصول کی جنگ علی گڑھ کالج کی مرہونِ منت ہے۔
''

تیرہواں باب:

1885ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا قیام عمل میں آیا تو سرسید اور ان کے رفقا نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس سیاسی تنظیم سے الگ تھلگ رہنے کا مشورہ دیا۔
سرسید احمد خان نے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے اور انھیں کانگرس سے دور رکھنے کی غرض سے پڑیاٹک ایسوسی ایشن قائم کی۔ یہ ایسوسی ایشن مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھی جاتی تھی اور وہ گاہے گاہے مسلمانوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی رہتی تھی۔

چودہواں باب:

بنگال کا صوبہ بہت وسیع و عریض تھا۔ حکومت ہند کے لیے بڑا مشکل تھا کہ کولکتہ سے اتنے بڑے صوبے کا انتظام چلا سکے۔ اس صوبے کی وسعت کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ اس کے مشرقی حصے میں پاکستان یعنی موجودہ بنگلا دیش بنا۔
حکومت برطانیہ نے صوبہ بنگال کو 1905ء میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے مشرقی بنگال میں مسلم اکثریت کا صوبہ بن گیا۔ نئے صوبے میں تعمیر و ترقی کا جو آغاز ہوا تو آل انڈیا نیشنل کانگرس نئے صوبے یعنی مسلم اکثریت کے صوبے کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے کانگرس کے متحدہ قومیت کی قلعی کھل گئی اور مسلمان اپنی نئی سیاسی جماعت کی تشکیل کے بارے میں سوچنے لگے۔

پندرہواں باب:

شملہ وفد (1906ء) کو تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس وفد کے مطالبات میں سب سے اہم مطالبہ برعظیم کے مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب کا تھا۔

جداگانہ انتخاب کا مطالبہ قانونِ ہند (1909ء) میں منظور ہوا۔ اس سے مسلمانوں کا قومی تشخص اجاگر ہوا اور دو قومی نظریے کو تقویت ملی جس کے نتیجے میں مملکت

Marfat.com

خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آئی۔

سولہواں باب:

تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کی مذہبی جماعتیں اور انڈین نیشنل کانگرس اسے منسوخ کرانے کے لیے میدانِ علم میں آ گئیں اور انھوں نے دہشت گردی کے مظاہرے شروع کر دیے۔ اس مسلم آزار سیاست نے مسلمانوں کو اپنی الگ سیاسی جماعت قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ڈھاکا میں مسلم عمائدین نے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کی 30 دسمبر 1906ء کو بنیاد رکھی۔ سر آغا خان کو مسلم لیگ کا صدر، نواب محسن الملک اور وقار الملک کو جائنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

سترہواں باب:

لارڈ منٹو وائسرائے ہند اور لارڈ مارلے وزیر امور ہند کے باہمی مشورے کے نتیجے میں ہندوستان کے لیے کچھ اصلاحات تجویز کی گئیں جنھوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں منظور ہو کر ایکٹ کا درجہ حاصل کیا۔ یہ قانون مجالس ہند 1909ء یا منٹو مارلے اصلاحات کے نام سے مشہور ہے۔

اٹھارہواں باب:

انڈین نیشنل کانگرس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ تمام مذہبی جماعتوں کا رُخ تقسیم بنگال منسوخ کرانے کی طرف موڑ دیا جس سے اس مسلم مخالف تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ ہندوؤں نے پہلے انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا اور پھر تشدد کا حربہ آزمانا شروع کیا۔ ان حالات میں برطانوی حکومت تقسیم بنگال منسوخ کرنے پر غور کرنے لگی۔ جارج پنجم شہنشاہ ہند کے دربار تاج پوشی 12 دسمبر 1911ء کو دہلی میں ہوئی۔ اس موقعے پر اُس نے دو اہم اعلان کیے۔ کولکتہ کے بجائے دہلی کو برِ عظیم کا دارالحکومت قرار دیا اور دوسرے اعلان میں تقسیم بنگال منسوخ کر کے مشرقی بنگال کو حسب سابق مغربی بنگال میں ضم کر دیا۔

Marfat.com

اُنیسواں باب:

1909ء کی رُو سے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملا تو ہندوؤں نے اس پر بڑا واویلا مچایا اور اسے ہندو مسلم اتحاد کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے رکن بنے تو انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ جس کے نتیجے میں ''میثاقِ لکھنو'' طے پایا اور ''اتحاد کے سفیر'' قرار پائے۔

بیسواں باب:

پہلی جنگ عظیم (1914ء۔1919ء) نے مسلمانانِ ہند اور بنگلا دیش میں ذہنی بیداری کی لہر دوڑا دی۔ انگریزوں نے 1919ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ کی سفارشات پر مبنی آئین نافذ کر کے برعظیم کے باشندوں کو مزید مراعات دیں لیکن اس آئین کے نفاذ سے مرکز اور صوبوں میں دوعملی پیدا ہوگئی۔ اس سے حکومت کے لیے آئین کے مطابق نظام چلانا مشکل ہو گیا اور عوام کے لیے مشکلات بڑھ گئیں۔

اکیسواں باب:

پہلی عالمی جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی انگریز اور ان کے حلیف سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے پر غور کرنے لگے۔ 26 جنوری 1919ء کو لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں مقررین نے خلیفۃ المسلمین محمد سادس کو اپنی اطاعت کا یقین دلایا اور یورپی اقوام کو امورِ خلافت میں مداخلت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی جو تاریخ میں ''تحریک خلافت'' کہلاتی ہے۔

بائیسواں باب:

میثاق لکھنؤ مسلم لیگ اور کانگرس کا اتحاد ہو گیا تھا۔ مگر پنڈت نہرو اس پر قائم نہ رہ سکے اور 1928ء میں مسلمانوں کو یکسر نظر انداز کر کے ''نہرو رپورٹ'' داغ دی۔ جس کا اثر زائل کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے ''چودہ نکات'' پیش کیے۔ اس کے بعد

Marfat.com

اتحاد دیوانے کا خواب ثابت ہوا۔

تیسواں باب:

ہندوؤں کی مسلسل ناانصافیوں اور چیرہ دستیوں سے تنگ آکر 1938ء کے اوائل میں سندھ صوبائی مسلم لیگ نے کراچی کے اجلاس میں مسلمانانِ ہند کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ یہی مطالبہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقد لاہور 23 مارچ 1940ء کو ''قرارداد لاہور'' بنا جسے عوام میں قراردادِ پاکستان کا نام ملا۔

چوبیسواں باب:

پاکستان کا مطالبہ مسلمانانِ ہند کا جذباتی فیصلہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے صدیوں کا تجربہ کارفرما تھا۔ دونوں قوموں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صدیوں سے اکٹھے رہنے کے باوجود دو مختلف ثقافتیں پروان چڑھتی رہیں۔ ''دونوں قوموں کے مزاج اور دو مختلف ثقافتوں کو سمجھنے کے لیے ''مینارِ پاکستان'' کے پہلے پانچ ابواب مختص کئے گیے ہیں۔''

گذشتہ دو صدیوں سے تیسری قوم (انگریز) بھی اس سفر میں شریک ہو گئی تھی۔ اس نے بھی ہندوستان ہیں ''مسلمانوں کے قومی تشخص'' کو مٹانے کے لیے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ اس کے باوجود مسلمان اپنا ملی تشخص بچا کر مملکت خداداد پاکستان میں منتقل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

پچیسواں باب:

لندن میں پہلی گول میز کانفرنس کی کارروائی جاری تھی کہ انھی ایام میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ 29 دسمبر 1930ء کو علامہ اقبال نے اپنے صدارتی خطبے میں بڑی اہم باتیں کیں۔ یہ خطبہ تحریک پاکستان میں ''خطبہ الٰہ آباد'' کے نام سے مشہور ہوا۔

چھبیسواں باب:

تیسری گول میز کانفرنس کے اختتام پر برطانوی حکومت نے تینوں کانفرنسوں

Marfat.com

کی سفارشات پر مبنی ایک قرطاسِ ابیض (White Paper) شائع کیا۔ یہ سفارشات دارالعوام اور دارالامراء سے منظور ہونے کے بعد شاہ انگلستان کے دستخطوں کے ساتھ جولائی 1935ء میں ''قانون ہند 1935ء کی صورت اختیار کی۔

قانون ہند 1935ء کے تحت 1937ء میں انتخابات ہوئے اور کانگرس کو گیارہ میں سے سات صوبوں میں وزراتیں بنانے کا موقع ملا۔ کانگرس کے سوا دو سالہ اقتدار نے یک جہتی اور اتحاد کے سارے دروازے بند کر دیئے۔

ستائیسواں باب:

تحریکِ آزادی کا مقصد سات سمندر پار سے آئی ہوئی قوم سے نجات حاصل کرنا تھا۔ تحریک آزادی کے کارواں میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان شریک تھیں۔ نگریز حریت پسندوں کا پینڈا اکھوٹا کرنے کے لیے تحریک آزادی میں شریک دو بڑی سیاسی جماعتوں کانگرس اور مسلم لیگ کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رکھتا تھا۔ بدیں وجہ دونوں جماعتیں مدوجزر کی کیفیت سے دوچار رہتی تھیں۔

مسلم لیگ کئی محاذوں پر تحریک آزادی کی جنگ لڑ رہی تھی۔ انگریز حکمران تھا۔ کانگرس مدمقابل اکثریت کی جماعت تھی۔ نیشنلسٹ مسلمان آزادی کی جنگ نتائج سے بے خبر ہو کر دیوانہ وار لڑ رہے تھے اور وہ مسلم لیگ کی دستوری جنگ کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے۔ ان مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسلم لیگ قدم بہ قدم پاکستان کی طرف بڑھتی رہی اور الحمدللہ! 14 اگست 1947ء کو اپنی منزل ''پاکستان'' تک جا پہنچی۔

اٹھائیسواں باب:

قائداعظم محمد علی جناح نابغہ روزگار تاریخ ساز ہستی ہے۔ جن کی انتھک محنت، مسلسل جدوجہد اور پر خلوص قیادت سے برعظیم میں ایک الگ نظریاتی مملکت ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' معرضِ وجود میں آئی۔

آپ نے برطانوی حکومت، کانگرس اور مسلم نیشنلسٹ گروہ سے نبرد آزما ہو کر مسلمانانِ ہند کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کیا اور اپنی فراست، جرأت اور استقلال سے اس قافلہ بے سروسامان کو اپنی منزل ''پاکستان'' تک پہنچایا۔

Marfat.com

مینارِ پاکستان کا نقشِ ثانی ربع صدی کے بعد دوبارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تحریک پاکستان ایک مستقل موضوع ہے جو ہمیشہ اپنے اندر جاذبیت بھی رکھتا ہے اور افادیت بھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم لکھتے ہیں ''تحریک آزادی پر ابھی بہت سا مواد ہمارے سامنے نہیں آیا۔ جب اس موضوع پر تمام مواد ہمارے سامنے ہوگا تو اس تحریک کے بہت سے نئے گوشے ہمارے سامنے ہوں گے۔''

راقم نے ایک طالب علم کی حیثیت سے دو قوموں کی ثقافت کے ساتھ تحریک آزادی کا کچھ مواد یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں خاکسار کو کہاں تک کامیابی ہوئی ہے، اس کا فیصلہ تاریخ کا کوئی استاذ ہی کرے گا۔ مزید برآں پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم نے تحریک آزادی پر ''تحریک پاکستان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو خاصے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پروفیسر محمد اسلم مرحوم کے قلمی جہاد کو قبول فرمائیں اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔

راقم نے ''مینارِ پاکستان'' میں دو ثقافتوں کے حوالے سے دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان مترشح کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی بار، مینارِ پاکستان منظرِ عام پر آئی تو اسے بڑی پذیرائی ملی۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، روزنامہ ''مشرق'' اور ٹیلی ویژن اسلام آباد پر اس پر باکمال تبصرے کیے گئے۔ وہ تبصرے طبع ثانی کے آخر میں شامل کئے گیے ہیں۔ ان تبصروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مینارِ پاکستان نظریہ پاکستان کو سمجھنے اور استحکام پاکستان کے لیے سرگرم عمل کرنے کے لیے کتنی اہم ہے۔

ربع صدی گزرنے کے بعد اب اس کی یادیں چند ذہنوں میں محفوظ تھیں۔ ان کا اکثر یہ اصرار رہتا تھا کہ نقشِ ثانی دو ثقافتوں اور تحریک آزادی و تحریک پاکستان دو مختلف تحریکوں کے مواد کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جائے۔

چنانچہ اس کا جناب .... نے بیڑہ اٹھایا اور الحمد للہ! مینارِ پاکستان کا نقش ثانی ربع صدی کے بعد ایک بار پھر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں موصوف کا تہ دل سے ممنوں کہ انھوں نے میری کاوش کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے اسے دلکش اور خوب انداز میں آپ تک پہنچایا۔ الحمد للہ رب العالمین

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ
14 اگست 2012ء

Marfat.com

پہلا باب

ثقافت

ہر وہ چیز جو انسان کے جذبات و احساسات سے وجود میں آتی ہے وہ ثقافت کے زمرہ میں شامل ہے۔ احساسات و جذبات کا تعلق انسانی قلب و دماغ سے ہے۔ قلب میں ہی جذبات جیسی لطیف تحریک پیدا ہوتی ہے اور ذہن سے تہذیب و تمدن کے مطابق اسے معاشرت کا جزو بننے کی اجازت ملتی ہے۔ خیالات سے افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں اور افعال کی یکسانیت سے عادات جنم لیتی ہیں۔ یوں عادات کے راسخ ہو جانے سے اقدار سامنے آتی ہیں۔

اقدار میں کسی قوم کا علم، عقیدہ، فن، اخلاق، مذہب، زبان، قانون، رسم و رواج، عادات، طور طریقے جنھیں معاشرے کا رکن ہونے کی حیثیت انسان اختیار کرتا ہے۔ ان سبھی سے ثقافت کا تانا بانا بنتا ہے۔ ہر فرد اسی خول میں بند ہوتا ہے اور ہر ایک میں اس کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔ طعام و قیام ہو، سفر و حضر ہو، شادی و مرگ ہو، نشست و برخاست ہو، ہر جگہ یک رنگی و یکسانی دکھائی دیتی ہے۔ لباس میں، اخلاق میں، عادات میں، اور فن میں ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک زندگی کے نقش پر ثقافت کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ متحد سوچ و فکر عمل و کردار کی یکسانیت ثقافت کی علامت بن جاتے ہیں۔

ثقافت ان ہی معانی میں استعمال ہوتی ہے جن معانی میں کلچر مستعمل ہے۔
''کلچر جرمن زبان کے لفظ ''کلٹور'' سے ماخوذ ہے جس میں جوتنے، بونے اور اگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے۔ مگر جو کچھ بویا جاتا ہے وہ زمین نہیں، انفرادی اور اجتماعی ذہن ہے۔ جو کچھ بویا جاتا ہے، بیج نہیں! تصورات ہیں اور جو کچھ اگایا جاتا ہے۔ وہ اناج کی فصل نہیں بلکہ یکسانی کردار کا وہ نمونہ ہے جس کی بدولت کسی گروہ میں وحدت کا شعور راسخ ہوتا ہے۔'' (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص 354) ''ڈاکٹر برہان احمد فاروقی''

افراد میں وحدت و یک رنگی ان کے کردار کی یکسانی کی وجہ سے ممکن ہوتی

Marfat.com

ہے۔ کردار کی تشکیل میں تصورات و عقائد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ تصورات کی آماجگاہ انسانی ذہن ہے اگر فرد اور اجتماعی ذہن میں یکسانی موجود ہے تو ہر سو وحدت اور ایک رنگی کا دور دورہ ہوگا۔ ملت یا قوم کے ان مشترکہ خصائص جن سے دوسری اقوام و ملل میں خط امتیاز کھینچا جا سکے، اس کی ثقافت ہے۔

ثقافتی ارتقاء کے لیے علم اور فن دو بڑے سہارے ہیں جو فرد و قوم کے ہر دم متغیر اغراض و مقاصد، نظاموں، اداروں، تصورات، آلات، استعمالات، احتیاجوں اور ضرورتوں کی تاریخی ترقی کے لیے سہارے ہوتے ہیں۔

ثقافت کی ساری عمارت تصورات پر کھڑی ہوتی ہے۔ اگر تصورات مردہ ہو جائیں تو دوسرے تمام عناصر بے اصل ثابت ہوتے ہیں۔ تصورات کے سوتے سے عقائد جنم لیتے ہیں۔ عقائد کی بالادستی کے لیے قانون حرکت میں آتا ہے۔ لوگ چونکہ تصورات و عقائد پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے وہ قانون کے سامنے سرخم کر دیتے ہیں۔ اگر عقائد کی حفاظت سے قانون عاری ہو یا قانون اور عقائد میں تضاد اور اختلاف ہو یا قانون اور عقائد کے منابع مختلف ہوں تو لوگوں کے دلوں سے قانون کا احترام اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے عقائد کی حفاظت کے لیے قانون سے بھڑ جاتے ہیں اور اس قانون کے محافظ انھیں باغی قرار دیتے ہیں۔

ثقافت کی ترجمان ایک زبان ہوتی ہے جس کا مزاج ثقافت کے مزاج سے بنتا ہے اس کی لوچ، وسعت، انداز بیاں، محاورات، ضرب الامثال، صنائع بدائع، تشبیہات، استعارات اور اشارے کنائے سب ثقافت سے پروان چڑھتے ہیں۔ ثقافت کا تحریری ریکارڈ اس قوم کا لٹریچر ہوتا ہے۔ جس سے ثقافت کی افتاد طبع اور افراد کے مزاج اور کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔

زبان لطیف سے لطیف ثقافتی انداز کو پیش کرتی ہے۔ افراد کی عادت کے بننے بگڑنے، افعال کو سنوارنے، خیالات کو درست سمت دکھانے اور اقدار کی کانٹ چھانٹ کا ذمہ زبان کا ہوتا ہے۔ زبان افراد کو کسی ثقافت کے رکن ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ جب کوئی فرد ثقافت سے انحراف کرتا ہے تو نقد و انتقاد سے اسے ثقافت کی پاسداری کا سبق یاد دلاتی ہے۔

ثقافت تاریخ کے سہارے پروان چڑھتی ہے اگر کسی قوم کی تاریخ نہ ہو تو وہ قوم

Marfat.com

تاریخ تدوین کرتی ہے اور پھر سے ثقافت کی جڑیں تاریخ کے پورے ادوار کو جکڑ لیتی ہیں اس طرح ایک نئی ثقافت جنم لیتی ہے تاریخ اور ثقافت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔
تاریخ سے محبت ثقافت سے انس ہے اور ثقافت سے انسیت تاریخ سے محبت ہے۔
''تاریخ کی شاہراہ پہ چلتے ہوئے ساری دنیا کی مادی اور غیر مادی ثقافت کے تمام عوامل و مسائل کی پوری قوت اور شدت کے مسلسل ترقی، کبھی نہ ختم ہونے والی سلسلے میں ہر قوم کے ثقافتی کارناموں کو ایک مستقل کڑی سمجھا جاتا ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص300) سیموئل جوزف

ثقافت کے بنانے میں مذہب کا بڑا ہاتھ ہے۔ مذہب ہی ثقافت کو تصورات کی دولت بخشتا ہے یہ ثقافت کا وہ حصہ ہے جو ''محسوس، نا قابل فہم اور مادے سے ماورا ہے اس میں عقائد، رسوم، ادبیات اور علوم و فنون، گویا غیر مرئی چیزیں شامل ہیں۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص354) ولیم او گبران

ثقافت کا یہی حصہ پیچیدہ ہوتا ہے اور نا قابل فہم بھی۔ ثقافت کا مطالعہ بغیر اس کے کہ جس سے ثقافت کا غیر مرئی حصہ مرتب ہوا ہے۔ مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ثقافت کی تشکیل کے عناصر میں مذہب کو اساسی حیثیت حاصل ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔

ثقافت کے پھلنے پھولنے کے لیے قانون کا تازیانہ ضروری ہے اگر قانون کی چابک اُٹھ جائے تو چند منچلے اپنی ثقافت سے نہ صرف منہ موڑ لیتے ہیں بل کہ اس کے انتشار کا موجب بھی بنتے ہیں۔ قانون عقائد و افعال کی نگہداشت کرتا اور عناصر ثقافت کی حد بندیوں کو دبیز بناتا ہے۔ ثقافت کے مرئی اور غیر مرئی ہر دو حصوں سے قانونی تشکیل ہوتی ہے اگر قانون ثقافت کا جزو نہ ہو تو وہ ثقافت کی شیرازہ بندی میں سم قاتل ہوتا ہے۔ قانون کا خمیر ثقافت سے اٹھا ہو تو سب افراد اس کا احترام کرتے ہیں۔ رسومات کسی معاشرے کی ثقافت کی ترجمان ہوتی ہیں۔ اگر رسوم کو ثقافت کی نبض کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ کوئی ثقافت کا مطالعہ کرنا چاہے تو رسوم کو دیکھ لے، رسوم کی پرکھ سے صحیح نتیجے پر پہنچ جائے گا۔

''بے شمار راہیں ایسی ہیں کہ جن پر چلتے چلتے رسم جنم لیتی ہے اور ثقافت کی تشکیل ہوتی ہے۔'' (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص37)

Marfat.com

رسوم ثقافت کا سب کچھ تو نہیں ہیں تاہم بہت کچھ ضرور ہیں۔ رسوم کی پرکھ ثقافت کی پرکھ ہے، جتنی بودی اور کمزور رسوم ہوں گی، اتنی ہی ثقافت بودی ہوگی۔ رسوم کا اظہار ہو یا جذبات کی نکاسی، وہ ثقافت کے چند بندھے ٹکے ضابطوں کے تحت ممکن ہو گی'' بیشتر لوگ اپنے جذبات کی نکاسی کا وہی طریقہ اختیار کرتے ہین جو ان کی اپنی ثقافت میں پہلے سے ہی پختہ ہو کر رائج ہو چکا ہو۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص145)

ثقافت جغرافیائی قیود و ماحول میں محفوظ رہتی ہے اور بہت سی جغرافیائی خصوصیات بھی جز وثقافت بن جاتی ہیں۔ اگر ثقافت کے دیگر عناصر قوی ہوں تو یہ پہلو دب جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ ذائقہ ثقافت میں موجود رہتا ہے۔ بعض اوقات ایک خطے کے اندر دو ثقافتیں باہم پروان چڑھتی ہیں۔ گنگا جمنا، ہندو تہذیب کا ایک جزو ہے لیکن مسلم ثقافت کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ گرم خطوں کے لوگ گرمی سے محفوظ رہنے کے لیے ایسے کپڑے پہنیں گے جو سرد علاقوں کے لوگ استعمال نہیں کرتے۔ برفانی علاقوں کے لوگوں کی کھال پر ریچھ کی طرح بال نہیں اگ آتے بل کہ وہ ایسا لباس زیب تن کرتے ہیں جو انھیں سردی سے محفوظ رکھے۔ ایسی جھونپڑیاں بناتے ہیں جن سے برف گر جائے۔ یہی لباس اور طرز بودو باش ان کی شناخت کا علامتی نشان بن جاتا ہے جو ان کی تہذیب کہلاتا ہے۔

''تمدن خارجی امور کا مظہر ہوتا ہے اور ثقافت باطنی کیفیت کی مظہر۔ تمدن کے پودے کی صحیح نشو نما کے لیے خارجی مظاہر کی درستی کی جاتی ہے۔ یہی درستی اصلاح و درستی تہذیب ہے''۔ پروفیسر غلام رسول

مختلف خطوں میں مختلف ثقافتیں موجود ہوتی ہیں جن کا رنگ اور ذائقہ دوسری ثقافت سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

زندگی کے وہ پہلو جو ہمارے نزدیک نہایت اہم ہیں۔ ان اقوام کے لیے کوئی قیمت نہیں رکھتے، جن کی ثقافت ہماری ثقافت سے مختلف ہو حالاں کہ اُنھوں نے کسی اور نہج پر کمال وعروج حاصل کر رکھا ہو۔

دو مختلف و متضاد ثقافتیں متحد ہو کر ایک ہم آہنگ ثقافت بن جاتی ہیں۔ برتر ثقافت کمزور ثقافت کو دبوچ لیتی ہے اور اپنے اندر جذب کر لیتی ہے لیکن جب ثقافتیں

Marfat.com

ایک دوسرے سے پہلو تہی کرتی رہیں تو وہ ایک دوسرے میں ضم ہونے سے بچ جاتی ہیں۔

مختلف خطوں میں جب یکساں مزاج کے لوگ آباد ہوں تو ان کی طرز زندگی میں بھی یکسانیت کا پایا جانا ایک فطری عمل ہے اور ان کا مذہب بھی ایک ہو تو ان کی رسومات بھی ایک جیسی ہوں گی۔ اس طرح ان مختلف خطوں میں ایک جیسی ثقافت ظہور میں آئے گی۔ مختلف خطوں میں جو یکساں ثقافت نظر آتی ہے وہ زندہ مذہب کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

ثقافت میں مادی اشیا کا بھی حصہ ہوتا ہے جو ثقافت مادیت کو نظر انداز کر دیتی ہے اس سے ثقافت میں روکھا پن اور غیر جاذبیت عود کر آتی ہے۔ افراد کسی نہ کسی طرح یہ رنگ ثقافت میں کھینچ لاتے ہیں۔ چاہے مادیت سے افراد متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مادیت کی حدود و قیود کا تعین ہو جائے تا کہ ثقافت افراط و تفریط سے بچ جائیں۔

''وہ ثقافت جو مادی اشیاء مثلاً پل، چاہ، تالاب، مکانات، سڑکیں، فرنیچر، ہتھیار، اوزار وغیرہ گویا مرئی اشیاء پر مشتمل ہوتی ہیں یہی مادی اشیاء غیر مادی ثقافت کو قدر کا جامہ پہناتی ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص 354) ولیم اوگبرن

ثقافت کے اس پہلو سے افراد کی خوشحالی اور بدحالی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ثقافت کا یہ پہلو غیر مادی پہلو سے مل کر نئے نئے اعتقادات، روایات و رسوم کو جنم دیتا ہے۔ مذہبی پیشوا دولت کے حصول کے لیے تصورات میں بھی اس پہلو کو کھینچ لاتے ہیں جہاں مذہب کے وارث ہوتے ہیں، وہاں دولت کے بھی جائز حقدار قرار پاتے ہیں۔

ثقافت کو زندہ رہنے اور زمانہ حال کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف سائنس کی گتھیوں کو سلجھائے بلکہ نئی نئی ایجادات سے اپنے آپ کو مالا مال کرے۔ ایسی ثقافت جو نئی ایجادات سے استفادہ کرنے کے بجائے سائنس کی مد مقابل بننے کی کوشش کرے اس کا وافر حصہ پارینہ ہو کر ناکارہ ہو جائے گا۔ جس طرح مذہب ثقافت کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح سائنس ثقافت کی کانٹ چھانٹ اور تراش خراش کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

سائنس ثقافت کو نئی راہیں دکھاتی ہے اور بہت سے اعتقادات و تصورات میں

Marfat.com

مناسب تبدیلی کرتی ہے۔ پرانی راہیں مسدود ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اور نئی راہیں نئے انداز سے سامنے آتی ہیں اور پھر وہ نئی راہیں ثقافت کا حصہ بن جاتی ہیں۔

سائنس کے عمل و دخل سے قبل ثقافت کے ڈانڈے غیر سائنسی ہوتے ہیں۔ اعتقادات میں اتنی لچک ہوتی ہے کہ بعض رسمیں موم کی ناک ہوتی ہیں۔ تصورات میں غیر یقینی کیفیت ہوتی ہے۔ سوچ کا انداز سائنٹیفک نہیں ہوتا۔ گویا غیر مادی حصہ ثقافت کا اہم حصہ ہوتا ہے۔

ثقافت کو باقی رکھنے والا ایک عنصر فن بھی ہے۔ فن آرٹ کا نادر نمونہ ہو یا آثار الصنادید کا شاہکار، مقبرہ تاج محل، شاہی قلعہ لاہور، شاہی مسجد لاہور یا مسجد قرطبہ ہو، لال قلعہ دہلی ہو یا مظفر آباد کا قلعہ، فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ یہ تاریخی شوہد اس دور کی ثقافت کی منہ بولتی تصویریں ہیں اس میں شک نہیں کہ آثار قدیمہ ثقافت کے باقی عناصر جیسے قوی نہیں ہوتے۔

''بدقسمتی سے آثار قدیمہ ماضی میں زیادہ دور تک نہیں جا سکتے۔'' (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 76)

فن یا آرٹ سے اس قوم کی ذہنی اختراع اور ذہنی اپج کا اندازہ ہوتا ہے۔ کشمیری فن (آرٹ) کے دلدادہ ہیں ان کا آرٹ ان کی نفاست طبع اور حسن ذوق آرٹ کی منہ بولتی تصویر ہے ان کے آرٹ سے ان کی ذہانت اور فطانت مترشح ہوتی ہے۔ کسی قوم کا آرٹ اس کی ذہنی روح کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فن موسیقی ہو یا ادبیات، فن مصوری ہو یا لوک گیت، سب قوم کے لطیف جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس سے قوم کی فراغت، نفاست اور تفریح کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس طرح فن قوم کے لطیف جذبات کی ترجمانی کرتا ہے بعینہ، ثقافت کا وہ حصہ جو فنون سے بنتا ہے انتہائی لطیف ہوتا ہے۔ جس ثقافت میں فنون کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اس پوری ثقافت پر پژمردگی چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ثقافت سے قومی مزاج جنم لیتا ہے۔

''ثقافت کسی قوم کی اجتماعی زندگی کی اس روح کو کہتے ہیں جو اس کے تمام اعمال و قوانین کی مدد کے بغیر حکمران ہوتی ہے یوں اس میں مذہب، معاشرت، ادب، زبان، فنون لطیفہ، تقریبات، تصریحات، رسم و رواج سبھی کچھ شامل ہوتے ہیں۔ لیکن

Marfat.com

پھر بھی انھیں ثقافت کے اجزائے ترکیبی نہیں کہا جاتا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ان سب میں کسی قوم کا مزاج کارفرما ہوتا ہے۔'' (حکیم سعید)

ثقافت میں علم کا بڑا مقام ہے علم جب باب تفعیل میں آتا ہے تو تعلیم بن جاتا ہے اس کے معنی جاننا اور دوسروں کو جاننے کے قابل بنانا ہوتے ہیں۔

''تعلیم کے لفظی معانی یہ ہوئے کہ یہ وہ عمل ہے جس کے ذریعے دوسروں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ جان جائیں یا علم حاصل کرلیں۔'' (تعلیم اور فلسفہ تعلیم ص 34)

ثقافت کو معروف کرنا اور فرد کا ثقافت تک رسائی حاصل کرنا تعلیم کا کام ہے تعلیم نہ صرف ثقافت سے آگاہی بخشتی ہے بلکہ ثقافت کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا فریضہ بھی ادا کرتی ہے۔ ثقافت کے ناکارہ، فرسودہ اور پارینہ حصہ نقد سے خارج کرنا اور اجتہاد سے نئی نئی راہیں داخل کرنا تعلیم کے حصہ میں آتا ہے۔

''تعلیم اگر ثقافت کا تحفظ کرسکتی ہے تو یہی اس کو تباہ و برباد بھی کردیتی ہے''۔

(فلسفہ اور تعلیم ص 51)

تعلیم کبھی کبھی ثقافت کے لیے نقصان دہ بھی ہوتی ہے وہ ثقافت کو تہ و بالا کیے دیتی ہے۔ وہ تمام پرانے اعتقادات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ لیکن جس طرح لاوا کے پھوٹ نکلنے سے نقصانات کے ساتھ ساتھ فوائد بھی ہوتے ہیں اسی طرح تعلیم پرانی ثقافت کو ختم ہی نہیں بلکہ ایک نئی ثقافت کو منظر عام پر لاتی ہے۔ یہ وقت قوموں کے جذب وقبول کا اور پس و پیش کا دور ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ نئے نئے خیالات اپنانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان کی ثقافت میں ٹھیراؤ نہیں ہوتا۔ یعنی کہ جدھر کی ہوا ہو قوم ادھر رُخ کرلیتی ہے۔ طرزِ کہن پہ اڑنا اور نئے نئے تصورات کو ثقافت کا جزو بناتے چلے جانا ہر دو ثقافت کی بقا کے لیے سم قاتل ہے۔

تعلیم کے عمل سے ثقافت کا تسلسل قائم رہتا ہے۔ ثقافت کے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقلی کا واسطہ تعلیم ہی ہے۔ تعلیم ثقافت میں ہونے والی ترمیم و تبدیلی کا تجزیہ کرکے اسے استحکام بخشتی ہے۔ تعلیم ثقافت کے سائنسی مرئی و غیر مرئی اور اخلاق و قانون پر گہری نظر رکھتی ہے۔ اور ان سب عناصر کے شتر بے مہار ہونے پر قدغن لگاتی ہے۔ ثقافت کے سب عناصر کو ترتیب و تنظیم دے کر اسے ثقافت کے مقام پر فائز کرتی ہے اور پھر تعلیم ہی افراد کو ثقافتی شعور عطا کرتی ہے۔ جس سے وہ قیمتی جانوں کا نذرانہ

Marfat.com

دینے اور متاعِ عزیز تک قربان کرنے کے لیے سرگرم نظر آتے ہیں۔

افراد کا فارغ اوقات کے گزارنے کا مسئلہ بھی ایک قابل توجہ چیز ہوتا ہے اوقاف فرصت کو قیمتی اور خوشگوار بنانے کے لیے ہر ثقافت میں ہنسی خوشی اور تصریحات کے چند اصول بنائے جاتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ ثقافت میں فارغ اوقات کو دلچسپ بنانے کے لیے مشاغل شامل کیے جائیں۔ وگرنہ ثقافت روکھی پھیکی اور بے کیف ہوکر رہ جائے گی اور پھر دلچسپی کے چند پروگرام چاروناچار جزوِ ثقافت بنانا ہی پڑیں گے۔

ثقافت فرصت کے لمحات کو استحسانی بنانے کے لیے شائستہ، حسین اور لطیف اصناف مثلاً مصوری، ادب، موسیقی، عوامی رقص، لوک گیت کا اہتمام کرتی ہے، ان میں دلچسپی لینے اور دوسروں کے لیے دلچسپیاں مہیا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ثقافت کی تشکیل تمام بنیادی عناصر کے مجموعہ (کل) سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ''اب کلچر کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب و عقائد، علوم اور اخلاق، معاملات اور معاشرت، فنون و ہنر، رسوم و رواج، افعال ارادی اور قانون، صرف اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے۔'' (پاکستانی کلچر، ص 49)

جو چیز ایک عنصر پر اثر انداز ہوگی وہ یقیناً کُل کو بھی متاثر کرے گی۔ ایک ادارے کی خامی تمام اداروں رسوم و روایات، معاشی و سیاسی حالات، ذرائع نقل و حمل وغیرہ پر یکساں اثر ڈالے گی۔ ثقافت کی تشکیل جتنی زیادہ آپس میں ہم آہنگ، مربوط اور پختہ ہوگی۔ معاشرہ اتنا ہی فعال اور مستحکم ہوگا اس کے افراد اتنے ہی باوقار، مستعد اور با اصول ہوں گے۔

ثقافت کے تمام عناصر میں اتحاد اور ہم آہنگی کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ثقافت کو کبھی اندرونی توازن نصیب ہوتا ہے اور نہ کبھی مرحلہ تکمیل قسمت میں آتا ہے۔ ؎

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون
(اقبال)

''ثقافت کی تکمیل کا تصور اس کی عدم تکمیل ہی میں پوشیدہ ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص 356)

Marfat.com

جس ثقافت میں جذب وقبول کی صلاحیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے وہ زمانہ حال کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لائق نہیں رہتی اور وہ جلد اپنی موت آپ مر جاتی ہے یا خفتہ ہو کر اپنی جاذبیت کھو دیتی ہے۔ ہر ثقافت میں تجدید نو کا عمل اس کی بقا کے لیے ناگزیر ہے۔

ثقافت میں رسوم وروایات:

ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے رسوم و روایات کی جکڑ بندیوں میں کس کر مخصوص ثقافت کے رنگ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ **کل مولود یولد علی فطرة الا سلام فابوه یهودانه و ینصرانه و یمجسانه** ۔ پیدائش سے ہی اس پر رسوم کا وار ہونے لگتا ہے جسے بچہ لاشعوری طور پر قبول کرتا ہے اور چند ہی سالوں میں وہ اس معاشرے کا رکن دکھائی دینے لگتا ہے۔

''لمحہ ولادت ہی سے وہ رسوم جن میں وہ پیدا ہوا ہے اس کے تجربے اور طرز عمل کی تشکیل کرنے لگتی ہے جب وہ بولنا شروع کرتا ہے تو اس وقت ثقافت کی پروردہ ایک ننھی سی مخلوق بن چکا ہوتا ہے''۔

افراد کی کردار سازی میں رسوم کا سب سے زیادہ عمل دخل ہے ''انسان رسوم کے زیر اثر ہے جبلت کے نہیں''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص 12)

''بچہ رسم ورواج کی فضا میں پل کر جون ہوتا ہے اگر اسے بھیڑوں کے گلہ میں رہنے دیجیے تو وہ فلسفہ گوسفندی شعار کرلے گا۔ اور اگر درندوں میں پل کر جواں ہوا تو چیر پھاڑ اس کا شعائر ہوگا۔ تیغوں کے سایہ میں پلنے والا بہادری اور جواں مردی کا پیکر ہوگا اور رہبانیت کے زیر سایہ جراثیم کی زندگی کی بھی عافیت چاہے گا۔ ایک بچے کو جنگل میں انسانی رسوم کی قیود سے آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ جنگلی جانوروں کی طرح آزاد منش ہو جائے گا۔ کوئی شخص دنیا کو قدرتی آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ اسے دنیا کو خاص رسموں، اداروں، طرز ہائے فکر کی عینک سے دیکھنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے مجرد فلسفیانہ تصورات میں بھی ان بندھے ٹکے ضوابط وتعصبات سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ رسوم کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہماری طرز زندگی کا ایک عام سا نمونہ ہے۔ رسوم کو ظاہری لباس کی طرح بدلنے والی چیز سمجھ کر اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ حالاں کہ رسوم ظاہری لباس نہیں بل کہ جسم کے گوشت پوست کا ایک حصہ ہیں۔ ذہن اور تخیل کی پرواز بھی رسوم

Marfat.com

سے باہر نہیں جا سکتی۔

''رسم کے بارے میں یہ سوچنے کے عادی ہو گیے ہیں کہ یہ تو عام اور پیش پا افتادہ طرز عمل ہے۔ حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان، ص 57)

رسم کی جھلک قول و فعل دونوں میں جھلکتی ہے۔ اس طرح ''رسم ساری دنیا میں جزیات تفاصیل کے ساتھ طرز عمل کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے جس کا اظہار معاشرت میں قدم قدم پر ہوتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی بسنے والا انسان رسوم کے حیطہ سے باہر قدم نہیں دے سکتا۔ رسوم کا اظہار مہد سے لحد تک برابر ہوتا رہتا ہے۔

رسوم انفرادی کردار سازی کے ساتھ ساتھ قومی مزاج کی بھی تشکیل کرتی ہیں۔ فرد اپنی سُر ملت کے ساز میں گم کر دیتا ہے، رسوم انفرادی طرز عمل کی تشکیل ہی نہیں کرتیں بل کہ قومی کردار سازی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہیں۔ اگر ہم کسی قوم کے مزاج اور کردار کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمیں اس کی رسوم اور روایات کا بغور جائزہ لینا ہوگا کیوں کہ ثقافت کی تشکیل میں بھی ان رسوم و روایات ہی کا ہاتھ ہے''جب تک رسم کے قوانین و اقسام کو نہ سمجھیں گے اس وقت تک انسانی زندگی کے پیچیدہ حقائق و رموز ہماری سمجھ سے بالاتر رہیں گے۔

ثقافت کے تضاد نے ہی انسان کو ذہنی اعتبار سے مختلف النوع بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جغرافیائی حدیں بھی بنی نوع انسانوں کو خطوں میں بانٹتی ہیں لیکن یہ حد بندیاں عارضی اور ناپائدار ہوتی ہیں، اگر خطوں کی ثقافت یکساں ہو تو بعد المشرقین بھی انھیں جدا نہیں کر سکتا۔ جبکہ ایک ملک کے اندر ثقافت کا تضاد اس ملک کو کئی قوموں میں تقسیم کئے دیتا ہے۔ جو چیز انسانوں کو حقیقی طور پر ایک دوسرے سے مربوط و متعلق رکھتی ہے وہ ان کی ثقافت ہے۔

ثقافت کا رکن ہونے سے ہی افراد کی صلاحتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔ اور وہ واضح شکل اختیار کر کے قومی سطح پر ایک مزاج کی تشکیل کرتی ہیں۔ قوم کی تشکیل اور قومی جذبے کی ترقی میں ثقافت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

انسان ایک معاشرتی مخلوق ہے اور قدرتی طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ رسوم و روایات ایک دوسرے کے قریب تر کر دیتی ہیں۔ معاشرتی علوم سے وہ اپنی معاشرت کی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے۔ خاص کر ایسی اقوام جن کی اپنی کوئی تاریخ نہیں، ان کے لیے معاشرتی علوم کا سہارا ایک موثر سہارا ثابت

Marfat.com

ہوتا ہے۔لیکن جن قوموں کی اپنی ایک تاریخ ہے۔اس سے متعلق اساطیر اور روایات ہیں تو ثقافت میں،ان کی اپنی تاریخ کی جھلک آنی چاہیے۔اس میں شک نہیں کہ انسان خواہ دنیا کے کسی خطہ میں متوطن ہوتو اپنے پیچھے ایک طویل تاریخ رکھتا ہے لیکن اب جس ثقافت کا وہ رکن ہے ہوسکتا ہے کہ وہاں اس کی تاریخ نہ ہونے کے برابر ہو،مثلاً ویران جزیرہ میں انسانی زندگیوں کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔وہاں مختلف النوع انسانوں کے اجتماع سے ایک نئی معاشرت جنم لیتی ہے اور ایک نئی ثقافت پروان چڑھتی ہے۔ معاشرت میں رسوم کی کارفرمائی ہر پہلو سے جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔رسوم جتنی جاندار اور پاکیزہ ہوں گی اتنی ہی معاشرت صاف ستھری ہوگی۔جس معاشرت کی رسوم پُر پیچ اور ضعیف ہوں گی،وہاں کی معاشرت بودی اور اخلاقی لحاظ سے گئی گزری ہوگی۔رسوم ہی سے معاشرت کی پرکھ ہوتی ہے۔رسوم کے بل بوتے پر معاشرت اپنی اساس قائم کرتی ہے اور جن کا رواج قوم میں یکسانی سے ہونے لگتا ہے اور معاشرت کے ہر موڑ پر دیکھا جا سکتا ہے اور معاشرت کا ہر فرد اسے اپنائے ہوئے ہوتا ہے اس سے ثقافت کی اساس تیار ہوتی ہے۔

رسوم کی اساس پر معاشرت تعمیر ہوتی ہے اور معاشرت کی بنیاد پر ثقافت کی اُٹھان ہوتی ہے۔اگرچہ یہ سارے مراحل غیر محسوس طریقے سے سرانجام پاتے ہیں اور لاشعوری طور پر رسوم کی کوکھ سے معاشرت جنم لیتی ہے اور معاشرت سے ثقافت اپنا حصہ سمیٹتی چلی جاتی ہے۔اشتہا،ذی جان مخلوق کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔اس کے بغیر کوئی جاندار اپنی بقا کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔معاشرت میں لوگ کس طرح پکاتے ہ، کھاتے اور کن ظروف کا استعمال کرتے ہیں۔جب یہ طریقے قوم کے سب افراد کی عادت بن جاتے ہیں اور ہر طرف یک رنگی نظر آنے لگتی ہے تو معاشرت کا یہ فعل ثقافت کا جزو بن جاتا ہے اور یہیں سے ثقافت کی ابتدا ہو جاتی ہے۔فرائڈ انسان کو دو بنیادی ضرورتوں ''بھوک اور جنس'' تک محدود رکھتا ہے۔انسان،حیوان سے قدرے احتیاط سے کام لیتا ہے،اس لیے معاشرتی حیوان یعنی حیوان سے قدرے مہذب Social Animal کہلاتا ہے۔

☆ ☆

Marfat.com

دوسرا باب

مُسلم ثقافت

عقائد وتصورات، رسوم وروایات، عادات وخیالات، افعال واقدار، اخلاق ومذہب، زبان وقانون، سائنس اور فن سے لوگوں کی اجتماعی زندگی اور شخصی زندگی تعمیر پاتی ہے۔ افراد کا اکتسابی طرز عمل ان ہی سے اپنے عادات، افعال، خیالات اور اقدار کو تشکیل دیتا ہے اور وہ ایک منظم معاشرے، گروہ یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے اسے عزیز رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

''مسلمانوں کی تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

(۱) دنیاوی زندگی کا تصور۔ (۲) زندگی کا نصب العین۔
(۳) اساسی عقائد وافکار۔ (۴) تربیت افراد۔
(۵) نظام اجتماعی۔

''دنیا کی تہذیب ان ہی پانچ عناصر سے بنی ہے اور اسی طرح اسلامی تہذیب کی تکوین بھی ان ہی سے ہوتی ہے۔''

مسلم ثقافت کو ان ہی پانچ عناصر کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار o

میں رب، دنیا اور آخرت کے الفاظ آئے ہیں۔ دنیا اور دنیاوی زندگی کا تصور زندگی کا نصب العین، تربیت افراد اور نظام اجتماعی قائم کر کے ''فی الدنیا حسنة اور فی الاخرة حسنة'' بنانے کے لیے عقائد اور افکار ترتیب پاتے ہیں اور یہیں سے سعی وعمل کا دور شروع ہوتا ہے۔ مسلم ثقافت کو اللہ، دنیا اور آخرت کے باب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اللہ رب السموات والارض ہے۔ وہ ذات واحد آسمانی مخلوق اور ارضی مخلوق کو پالنے والی ہے، اللہ کی ذات واحد ہے

Marfat.com

اس نے اللہ ہونے کی حیثیت سے سب کو تھام رکھا ہے:

قل هو الله احد، الله الصمد ، لم يلد ولم يو لد، ولم يكن له كفوا احدO

اللہ نے اپنی عبادت کے لیے فرشتے پیدا کیے۔ فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں۔ ان میں چار بڑے فرشتے ہیں: جبرائیل ،عزرائیلؑ ، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام ان سب کے ذمے ہمیشہ سے مخصوص کام رہے ہیں۔ لیکن مشیت ایزدی کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں دیتے۔ جبرائیلؑ اللہ کے احکامات دنیا پر لانے ،عزرائیلؑ دنیاوی مخلوق کی جانیں قبض کرنے ، میکائیل بارش برسانے اور اللہ کی مخلوق کو روزی پہنچانے اور اسرافیلؑ ایک اہم اعلان کرنے کے لیے مستعد ہیں۔ کوئی مسلمان ان کی پوجا نہیں کرتا اور نہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان مقرب فرشتوں کی خوشنودی حاصل کر کے ان کو مہربان کرلے گا۔

فرشتوں کی پیدائش کے بعد رب العزت نے جنوں کو پیدا فرمایا۔ جنوں میں عزرائیل کو فرشتوں کی صحبت میسر تھی وہ اپنے علم و کمالات سے فرشتوں کا استاد بن گیا۔ جنوں کی تخلیق نار سے ہوئی۔ اس کے بعد انس کو پیدا فرمایا اور اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر اپنی ساری مخلوق پر فوقیت دے دی۔ انسان کو عقل کی دولت دے کر اسے اعمال میں خود مختار کر دیا۔ اس کی مثال پتنگ کی ہے جو فضا میں آزاد ہونے کے باوجود ایک سرا پتنگ باز کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یوں انسان آزاد بھی ہے اور پابہ گل بھی ہے، انسان اطاعت خداوندی سے جلا پاتا ہے اور باغی ہونے کی صورت میں پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت آدم علیہ السلام بطور پہلا انسان پیدا فرما کر ملائک اور جنوں کو سجدہ کا حکم دیا۔ سب فرشتوں اور جنوں نے سجدہ کیا لیکن عزازیل نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اس لیے مٹی سے پیدا شدہ مخلوق کو سجدہ کرنے سے معذور ہے۔ یوں عزرائیل مردود ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے انس کا دشمن ہو گیا۔ یہیں سے خیر و شر کا وجود بھی سامنے آ گیا اور رحمانی اور شیطانی دو راستے الگ الگ ہو گئے۔

دنیا میں اشرف المخلوقات مخلوق بس گئی۔ اس اشرف المخلوقات کی ہدایت کے لیے ان میں خیر الانسان کا انتخاب فرما کر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات بتائے۔ یوں انبیا کا ایک سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی

Marfat.com

اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہوا۔۔ یہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مرسلین تھے جنھیں خدائی احکامات چار کتابوں توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید کے علاوہ بہت سے صحیفوں کے ذریعے عطا ہوئے۔

مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنا آخری اور ارفع و اعلیٰ نبی اور قرآن پاک کو ہمیشہ کے لیے منبع ہدایت سمجھتے ہیں وہ آسمانی کتب اور مرسلین میں سے کسی کی تفریق یا تکذیب نہیں کرتے۔ مسلمان اپنی ہدایت کے لیے قرآن پاک اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے اور لازوال ہے۔ آنحضرتؐ کے ہر قول کی طرح آپؐ کا ہر فعل بھی قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سنت نبویؐ سے ہی واجبات، مستحبات، مکروہات، مباحات وغیرہ قائم ہوتے ہیں۔ مسلمان کی زندگی اسی وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن کے احکام کے مطابق ہو۔ خود قرآن نے سنت نبوی کی قانونی حیثیت کو بارہا تسلیم کیا اور اسے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ ما ینطق عن الھویٰ الا وحی وحی (رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ص9)

یہی رحمانی راستہ ہے جو اس پر چلتا ہے وہی راہ ہدایت پر ہے۔

اس جہان آب وگل میں ہادیؐ و رسولؐ ہی خلیفۃ اللہ ہے اور اس کے بتائے ہوئے رستہ پر پورے یقین کے ساتھ گامزن ہونے والے ہی فائزون (کامیاب) ہیں۔ جو خوش قسمت ہادی کی راہ نمائی میں، اس کے بتائے ہوئے احکامات بجالائے وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کہلائی۔ آپؐ اس لیے بھی سب مرسلین میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں کہ آپؐ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کی جماعت کی قیادت فرمائی آپؐ کے صحابہ نے خلیفہ الرسول کی قیادت میں پیغام خداوندی چار دانگ عالم میں پہنچایا۔ تاریخ اس قیادت کو خلفائے راشدین کا دور کہتی ہے اور یہی امیر المومنین سیدنا، آسمان خلافت کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں، جن کی روشنی میں حضرت عمر بن عبد العزیز، ناصر الدین محمود اور اورنگزیب عالمگیر جیسے انسان مسلم امامت و سیاست کی پیشانی کا جھومر بنے۔ جو اس رستہ پر استقامت دکھاتا ہے اور سر مو انحراف نہیں کرتا وہ اللہ کا ولی بن جاتا ہے۔

الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔ مسلمانوں کے ہاں دو دنیاؤں کا تصور ملتا ہے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہ ایک مقررہ وقت تک قائم ہے اس کا مقدر ختم ہونا ہے۔ دنیا میں

Marfat.com

ہر شخص اپنے افعال کا ذمہ دار ہے یوم الحساب کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری کا حساب ہو گا۔ دنیا میں انبیا علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر زندگی گزرانے والے کامیاب قرار دیئے جائیں گے اور نا فرمانی و حکم عدولی کرنے والے ناکام ہو جائیں گے۔ یوں کامیاب ہونے والے جنت میں، ناکام رہنے والے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ بنی السلام علی خمسۃ ...... الخ۔ کلمہ، نماز روزہ، حج، زکوۃ: کلمہ (ایمان) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، میں تمام دیوتاؤں ''GODS'' کی نفی کرتے ہوئے صرف اللہ واحد کو اللہ قرار دینا اور محمد رسول اللہ کو اللہ کا آخری نبی قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں دنیا اور آخرت کی کامیابی سمجھنا۔ نماز میں ایاک نعبدو ایاک نستعین، میں خداوند تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اپنی عبودیت کا اقرار، آپ ﷺ پر درود و صلوٰۃ اور مسلمان سلف کے لیے دعائے مغفرت، زکوٰۃ: اپنے مال کو پاک کرنے اور اپنے بھائیوں کی اعانت اور حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لیے اندوختہ کا اڑھائی فی صد بیت المال میں جمع کرانا، طہارت نفس اور روح کی پاکیزگی کے لیے ایک ماہ کے روزے رکھنا اور اتحاد بین المسلمین کے لیے اور زیارت روضہ اقدس کے لیے فریضہ حج سرانجام دینا۔ یوں مسلمانوں کا مال، جان اور وقت سب پاک و صاف ہو کر اور مکمل زندگی اطاعتِ رسول ﷺ کا نمونہ بن جائے۔

امنت باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الاخر و القدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ و البعث بعد الموت o: ''روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کے لیے توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں۔ نیز ہر شخص کے ایمان میں پختگی اس کے اعمال سے ہویدا رہتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد فی سبیل اللہ ایسے احکام ہیں جن سے انسان فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں بیک وقت خیر و شر کی قدرت ہے اگر یہ اپنی قوت ارادی و اختیار سے کام لے کر صرف خیر پر عمل کرے تو یقیناً اشرف المخلوقات کہلانے کا اسی کو حق حاصل ہو سکتا ہے''۔

فرض نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے جس میں حی علی الصلوٰۃ کی صدا، خدوند تعالیٰ کی بڑائی اور پیغمبر ﷺ کی رسالت کا اعلان ہے۔

مسلمان سال میں دو عیدیں جنھیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا نام دیتے ہیں۔

Marfat.com

عیدالفطر، فطرانے کی مناسبت سے ہے۔ یہ ماہ صیام پورا کرنے کے بعد خداوند تعالےٰ کی حمدوثناء چھے تکبیرات دو رکعت کے ساتھ اور بعد میں خطبہ مسنونہ پڑھا جاتا ہے۔ مسلمان گھرانے تمام افراد کی طرف سے فطرانہ مساکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ دوسری عیدالاضحیٰ ہے اس میں مسلمان حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں اور کسی حلال جانور کی قربانی دیتے ہیں۔ پھر سب مسلمان عیدہ گاہ میں جمع ہو کر نماز عید ادا کرتے ہیں۔

لیلۃ القدر اور شب معراج دو راتیں بھی مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ لیلۃ القدر ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں کوئی رات ہے۔ شب معراج وہ یادگار رات ہے جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے پر اظہار تشکر کرتے ہیں۔

اس رات کے علاوہ شب برات بھی اپنے جلو میں رحمت خداوندی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن رکھتی ہے۔ مسلمان رحمت ایزدی کو متوجہ کرنے کے لیے نظرانہ عقیدت اور شکرانہ عبودیت بجالانے کے لیے اپنی پیشانیاں سجدہ میں رکھ دیتے ہیں۔ شب قدر کو کچھ الہڑ نوجوان گولہ بارود بھی چلاتے ہیں۔ اگرچہ اسلام میں ان خرافات کی سخت ممانعت ہے پھر بھی مستی کے چھلکتے جام آخر چھلک ہی پڑتے ہیں۔ اسلام میں خوشی کا اظہار اور خوشی کے تہوار الحمد للہ عبادت اور شکرانہ خداوندی کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔

مسلمان جب کسی ملک کے حکمران ہوتے ہیں تو مسلم رعایا اڑھائی فیصد اپنے مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی کرتی ہے نیز بمطابق شریعت عشر بھی ادا کرتی ہے۔ غیر مسلم رعایا جو ذمی کہلاتی ہے اس کے ذمہ جزیہ کی ادائیگی ہے۔ اسلام کے قانون وراثت کی رو سے وراثت میں ماں باپ، بہن بھائی، میاں بیوی اور عزیز اقارب سب شامل ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان بیٹی کو جہیز کی صورت میں مال و متاع دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حق وراثت ادا کر دیا جب کہ اسلام کے قانون وراثت میں لڑکی کو لڑکے حصہ سے نصف ملتا ہے۔

مسلمان ہمیشہ صلح و آشتی کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن جب اس کے دین کی آزادی اور ثقافت پر آنچ آتی ہے تو وہ برسر پیکار نظر آتا ہے۔ مسلمان مسکینی، بزدلی اور

Marfat.com

ضعیفی کی زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ باعزت، باوقار اور بہادری کی زندگی کو پسند کرتا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدو ط ان اللہ لایحب المعتدین O جہاد فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ تجاوز کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جب اسلام کے نام پر حرف آنے لگے تو مسلمان اسلام کے ناموس کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیتا ہے''۔ حق و باطل دو متضاد قوتیں ہیں، ان میں پیدائش آدم کے وقت سے تصادم ہی جاری ہے۔ باطل کی قوتیں حق پرستوں کو ستانے اور مٹانے کے درپے رہتی ہیں اس لیے ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہنا چاہیے''۔

جائز ذرائع آمدنی مسلمانوں کے لیے حلال اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت حرام ہے۔ اسلام میں جوا اور شراب کی آمدنی حرام ہے۔

مسلمانوں کے ذرائع آمدنی زراعت، تجارت، مزدوری اور ملازمت ہیں۔

انما الخمر والمیسر والازلام رجس، من عمل الشیطان فاجتنبوہ اس طرح رشوت اور ملاوٹ کو لعنت قرار دیا گیا ہے۔ الراشی و المرتشی کلاھما فی النار، من غش فلیس منا O مسلمان نہ تو مرتشی نہ شرابی، جواری اور ملاوٹ کر کے دھوکا دینے والا ہوتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو لین دین میں حسن معاملت کا حکم دیا گیا ہے۔

مسلمان اپنی تاریخ کے سنہری ادوار پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ ''دنیا میں بہت سے پیغمبر آئے، ہادی اور معلم پیدا ہوئے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی کو اپنی زندگی میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی نبی عربی ﷺ کو ہوئی۔'' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص 13۔ مسلمانوں کی تاریخ کی ابتدا بھی پیغمبر آخرالزماں کی بعثت سے ہوتی ہے آپ ﷺ کی آمد سے ظلمت کی دھند چھٹ گئی اور حق کے لیے مطلع صاف ہو گیا۔ انسانیت قعرِ مذلت سے نکل کر پھر سے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہوئی۔ پوری انسانیت آپ ﷺ پر بجا طور پر فخر و ناز کر سکتی ہے۔

مسلمان رنگ و نسل کے اعتبار سے اپنی تاریخ کا انتخاب نہیں کرتے بلکہ ان کی تاریخ میں وہی شامل ہوگا جو مسلمان ہوگا۔ برعظیم میں مسلمانوں کی تاریخ محمد بن قاسم سے شروع ہوتی ہے۔ یہ نوجوان 712ء میں ہندوستان میں وارد ہوا''۔ محمد بن قاسم چھ ہزار سوار لے کر خشکی کے راستے 712ء کے موسم خزاں میں دیبل پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر

Marfat.com

لیا۔

اس کے بعد برعظیم میں محمود غزنوی، خاندان غلاماں، خاندان خلجی، خاندان تغلق، سادات، لودھی اور خاندان مغلیہ حکمران رہے۔ اس طرح برعظیم کے مسلمانوں کے روابط ایران، ترکستان، افغانستان اور عرب سے قائم رہے اور مسلمانان برعظیم کی تاریخ پھیل کر مسلمانان عالم کی تاریخ میں ضم ہوتی چلی گئی۔ آج برعظیم کے مسلمان، مسلمانان عالم کی تاریخ کا جزو لاینفک ہیں۔

مسلمانوں کے منابع اسلام، قرآن وحدیث ہیں، دونوں کی زبان عربی ہے۔ قرآن کلام الہی ہے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود رب العزت نے لیا ہے۔ احادیث زبان عربی میں آقائے نامدار، فخر انسانیت جناب محمد ﷺ کی پیاری پیاری باتیں ہیں جو قرآن کی تشریح اور پند ونصائح کی باتیں ہیں جن کے محفوظ کرنے میں محدثین اور محققین نے سند اور حسن انتخاب کا ثبوت دیا ہے۔ اس انتخاب کی صحت ونقد پر تاریخ بھی انگشت بدنداں ہے اتنی صحت اور کاوش سے دنیا میں آج تک کسی کی احادیث جمع ہوئی ہوں دنیائے عالم کی تاریخ مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

"دنیا کی کسی قوم نے اپنے کسی محترم سے محترم رہنما کے اقوال وافعال اور احوال وسیر کو محفوظ کرنے، اپنی زندگی میں انھیں جاری وساری کرنے اور آئندہ نسلوں تک کما حقہ پہنچانے میں وہ مستعدی، وہ جوش وخروش، وہ ہوشیاری وبیداری اور وہ ذوق وشوق ہرگز نہیں دکھایا جو صحابۂ رسول ﷺ نے آپ ﷺ میں دکھایا ہے"۔

قرآن وحدیث کی زبان عربی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی، ثقافتی اور رابطہ اسلامی کی زبان عربی ہے۔ اور عربی ہی اہل جنت کی زبان ہوگی۔ جس طرح مادری زبان سیکھنے میں مشکل در پیش نہیں آتی اس طرح اہل جنت فطری انداز میں عربی مادری زبان کی طرح بولنے لگ جائیں گے۔ دنیا کے نقشہ میں دیکھیں تو مسلمانان عالم دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہیں اور مختلف ہی ان کی زبانیں ہیں تاہم عبادات ہر جگہ عربی میں ادا ہوتی ہیں اور وعظ ونصیحت وامور ریاست اپنی قومی زبان میں سرانجام پاتے ہیں۔

عہد مغلیہ میں برعظیم کی زبانیں فارسی، بنگالی، سندھی، پنجابی، ہندی اور سنسکرت زیادہ بولی جاتی تھی۔ سرکاری زبان فارسی تھی۔ حکومت کے سارے معاملات اسی زبان

Marfat.com

میں طے پاتے تھے باقی زبانیں مخصوص خطوں اور طبقوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ عہد مغلیہ میں اسی باہمی اختلاط سے ایک نئی زبان نے جنم لیا یہ دیکھتے ہی دیکھتے اتنی مقبول ہوگئی کہ باقی زبانیں اس کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ اس زبان میں کشش وانجذاب کی بڑی خاصیت ہے یہ ہر زبان کے الفاظ کو اپنا کر اپنا سرمایہ بنالیتی ہے۔ جلد ہی اس کا دامن ذخیرہ الفاظ اور وسعت معلومات سے مالا مال ہوگیا۔ یہ زبان ابتدا میں ریختہ اور بعد میں اُردو کے معروف نام سے مشہور ہوئی۔ اگرچہ برعظیم کی یہ مشترکہ زبان تھی لیکن عربی، فارسی، ترکی، پنجابی اور سندھی کے الفاظ کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں کی زبان قرار پائی۔

1867ء میں تنازعہ زبان میں ہندی، اُردو کی مدمقابل بن کر ہندوؤں کی زبان کی حیثیت سے ابھرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہندوؤں نے اُردو کو بیخ و بن سے اکھاڑنے اور ملک بدر کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ نتیجتاً اُردو مسلمانوں کی اور ہندی ہندوؤں کی زبان قرار پائی۔ اُردو سے ہندی الفاظ خود بخود متروک ہونے لگے اور ان کی جگہ عربی، فارسی کے الفاظ جگہ لینے لگے۔ اس وقت اُردو دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔

اُردو میں ہر مضمون کو بیان کرنے کی قدرت تامہ موجود ہے۔ سائنسی مضمون ہوں یا فنی، تاریخی ہوں یا ادبی مذہبی ہوں یا معاشرتی سب کے لطیف سے لطیف انداز کو بھی پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اب یہ ایک علمی اور ادبی زبان ہے جو دنیا کی امیر ترین زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔

قوم کی ثقافت کا ریکارڈ اس کا لٹریچر ہوتا ہے۔ لٹریچر میں شاعری، ادب، تاریخ اور وہ سب کچھ شامل ہے جو قوم ایک دور میں اپنے پیچھے تحریری ریکارڈ چھوڑتی ہے۔ برعظیم کی مشترکہ زبان اُردو ہے۔ شاعری اور ادب کمال پر ہے۔ شاعری میں ہر صنف سخن موجود ہے اور ادب میں ہر اسٹائل دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اسلام میں مذموم شاعری کی مذمت آئی ہے تاہم تعمیری اور اخلاقی شاعری کی اجازت ہے۔ اُردو شاعری کا ایک حصہ حمد، نعت اور مرثیہ پر مشتمل ہے۔ جب کہ غزل فارسی شاعری کی تقلید میں ہر دور میں نہ صرف موجود رہی ہے بلکہ شاعری کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ غزل میں فکر وفلسفہ کے مضامین بھی ہر دور میں رہے ہیں تاہم آج کل ان کی بھرمار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سودا اور مرزا مظہر نے غزل کو صوفی بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان صوفی شعراء کے ہاں المجاز قنطرۃ

Marfat.com

الحقیقت کی شاعری ملتی ہے۔ انھوں نے فلسفہ اور تصوف کے مضامین کو بڑی خوش اسلوبی سے تغزل کا رنگ دیا ہے، اکثر شعرا عشق مجازی سے آگے بڑھنے نہیں پائے۔ اُردو شاعری کا دامن مجاز، حقیقت عقل و معرفت اور واردات قلبی سے مالا مال ہے۔

موسیقی جذبات کو ابھارتی ہے۔ شاعری اور موسیقی دونوں جڑواں نہیں ہیں۔ شاعری لطیف جذبات کو پیش کرنے کا ذریعہ ہے تو موسیقی جذبات میں ڈوب جانے کا وسیلہ ہے۔ انسان تو دل جیسے جذبات کی آماجگاہ رکھتا ہے۔ موسیقی سے تو جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ موسیقی جنسیت کو ابھارتی ہے اسی لیے اسلام اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ برعظیم میں یہ فن مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ صوفیا موسیقی سے جی بہلاتے رہے ہیں۔ تان سین موسیقی کا باوا آدم مسلمان ہی تھا۔

مساجد اور خانقاہیں مسلمانوں کے دو علمی و تعلیمی ادارے ہیں۔ مساجد نماز کی ادائی کا مرکز ہوتی ہیں۔ اس کا محراب قبلہ کی طرف اور مسلم فن تعمیر کا نادر نمونہ ہوتی ہیں۔ چھت پر بلند مینار مسلمانوں کی عظمت اور اسلام کی شان و شوکت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ مینار کی ساخت اور رخ رب واحد کی شہادت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جس طرح نمازی شہادت کی انگلی اٹھا کر رب واحد کی وحدت کا اقرار کرتا ہے اسی طرح مسجد ہمیشہ اپنے مینار بلند کر کے توحید کی تصویر بن جاتی ہے۔ مساجد جہاں روحانیت و عبادات کی جگہ ہیں وہاں مسلمانوں کے فن تعمیر سے لگاؤ کا مظہر بھی ہیں۔ مساجد کشادہ، ہوادار اور صاف ستھری ہوتی ہیں ان کی کشادگی مسلمانوں کی کشادہ دلی اور اسلام میں ہر فرد کے داخل ہونے کے امکانات کو ظاہر کرتی ہیں۔

خانقاہیں مسلمانوں کی تعلیمی اور علمی ادارے رہ چکی ہیں۔ آج کل کے مدرسہ کو اس وقت خانقاہ کا نام دیا جاتا تھا۔ امام غزالیؒ نے ایک خانقاہ (درویش طلبہ کے رہنے کی جگہ) قائم کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں خانقاہ کے اساتذہ کی قبریں بھی بطور اعتراف خدمات صحن مدرسہ میں بنائی جانے لگیں تا کہ اس جگہ کو وقف کر دیا جائے۔ مسلمان حکمران خانقاہوں کے لیے جاگیریں وقف کیا کرتے تھے تا کہ اساتذہ اور طلبہ کی باعزت گزران ہو سکے۔

خانقاہوں سے طلبہ غائب ہو گیے اور اساتذہ مزاروں کے متولی بن گیے۔ ایسے ایسے من گھڑت قصے منسوب ہوئے کہ لوگ ان میں خدائی صفات ماننے لگے۔ پہلے

Marfat.com

امرا کے تحائف اور وقف کی آمدنی نادار طلبہ پر صرف ہوتی تھی۔اب وہ نذر و نیاز میں تبدیل ہوکران کی اپنی ذات پر خرچ ہونے لگی۔نوبت ایں جا رسید، کہ جو کام ہندو اپنے بتوں سے منسوب کرتے تھے۔مسلمان اپنی خانقاہوں سے کرنے لگے۔خانقاہ کا تصور بدل گیا اور جب یہ تصور بدلا تو علم و عرفان کے متلاشی بھی غائب ہو گئے۔اب وہاں تصوف (سمجھ میں نہ آنے والی باتیں) اور کیف و مستی کے جام چلنے لگے اور لوگوں سے تعویذ اور پھونک کے عوض نذرانے وصول ہونے لگے:

نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن (اقبال)

عمل کی جگہ بے عملی کا درس دیا جانے لگا۔خدا سے نا اُمیدی اور نا خدا سے امید کے چراغ جلنے لگے۔لوگ مزاروں پر چراغ روشن کر کے اپنا دل سیاہ کرنے لگے۔جو نظریں اٹھ کر خانہ کعبہ اور روضہ رسول ﷺ پر رکھتی تھیں اب ان کا حدنظر مزار اور اس کے متولی ہو کر رہ گیے اور بزرگ بھی جلال میں آکر ''انا الحق'' کی بانگ بلند کرنے لگے۔

اسلام میں رنگ و نسل، امیر و غریب اور عربی و عجمی کی کوئی تفریق نہیں جو بھی لَا اِلٰهَ اِلا اللّٰه مُحمد رُسول اللّٰه پڑھ لیتا ہے وہ ملت محمدیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسلام میں رنگ و نسل وجہ امتیاز نہیں، بلکہ تقویٰ و پرہیز گاری شرف انسانیت ہے۔ مسلمانوں میں ذات پات جیسی بندشیں نہیں ہیں۔تاہم تعارف و شناخت کے لیے قبیلوں کا وجود ہے۔لیکن یہ قبائل ملت اسلامیہ میں مدغم ہو کر اپنا وجود کھو دیتے ہیں۔

''اگرچہ مسلمانوں میں بالاتفاق قریشیوں کو سب پر فضیلت ہے مگر پھر بھی ہندوستان میں چار قومیں سید، شیخ، مغل اور پٹھان مشہور ہیں۔'' (رسوم ہند ص 260)

''جو لوگ حضرت محمد ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوئے وہ سید کے نام سے معروف ہوئے۔مغل لوگ یافث ابن نوحؑ کی چھٹی پشت سے ہیں۔ان میں ایک مغل نامی شخص تھا۔افغان، سلیمان ابن داؤدؑ کے وقت میں ایک شخص تھا اس کی اولاد افغان نامزد ہوئی۔حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں قیس نامی ایک شخص ستر آدمیوں سمیت افغانستان سے حاضر خدمت ہوا۔لوگوں میں بتان یعنی جہاز کے نیچے کا تختہ جس سے جہاز کی پائیداری ہوتی ہے۔اسلام کی پائیداری قیسؓ سے ہوئی اسی لیے وہ بتان کہلانے لگے بعد میں یہ لفظ بگڑتے بگڑتے پٹھان بن گیا۔'' (رسوم ہند ص 260)

Marfat.com

شیخ کے معانی بزرگ کے ہیں۔ اسلام میں ہر نومسلم کو بھی عزت کے لیے شیخ کہتے ہیں۔ ہندوؤں سے مسلمان ہونے والی قومیں شیخ کہلائیں۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں میں شیخ، سید، مغل اور پٹھان اپنا الگ الگ شناختی وتعارفی امتیاز قائم رکھ سکے۔ علامہ اقبال نے ان قوموں کو مخاطب کر کے کیا خوب فرمایا ہے۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلماں بھی ہو

اب مسلمان اپنی شخصیت کو چھوڑ کر دوبارہ اسلام لانے سے قبل والے قبلیوں پر فخر کرنے لگے ہیں۔ وہی جاہلیت کی قومیت کا غرور اور نخوت پھر عود کر آیا ہے۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حسب ونسبت کے بت کو پاش پاش کر دیا تھا آج پھر اسے جوڑنے کو کوششیں ہو رہی ہیں۔ تمکنت کے پندار کو قومیت کا جھوٹا سہارا دے کر پدرم سلطان بود" کا نعرہ الاپ رہے ہیں۔" ہم مسلمانوں میں ایک نیا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ جس کو اسلاف پرستی کہتے ہیں۔" (نواب عمادالملک)

(موجِ کوثر، ص282)

سلف کا تذکرہ جو ہمت و غربت کا ہے افسوں
ہمارے حق میں وہ سرمایہ خواب پریشاں ہے

(علامہ شبلی نعمانی) موجِ کوثر ص282)

اسلاف پرستی سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم اسلاف کے مشن کو آگے بڑھانے کے بجائے تمام تر توجہ ذات پر مرکوز کر دیں اور اس سے ہمارے اندر ضعف اور کمزوری کے ساتھ ساتھ بے عملی پیدا ہو جائے۔ قد آور شخصیات کا ادب واحترام اور اس کے پروگرام سے والہانہ لگاؤ ہی منزل تک پہنچنے کا سبب بنتا ہے۔ "گزشتہ اور موجودہ عظیم شخصیتوں کا ادب واحترام ضروری ہے۔ اس طرح ہم گزشتہ شخصیتوں کے اعلیٰ افکار اور بلند کارناموں سے رہنمائی اور ولولہ حاصل کر سکتے ہیں اور اسی طرح موجودہ شخصیتوں کے بڑے کارناموں میں ان کے ساتھی بن سکتے ہیں۔

(نور بصیرت، میاں عبدالرشید، نوائے وقت یکم نومبر 84ء)

بڑی شخصیت عدد "ایک" کی مانند ہے جب عوام کسی بڑی شخصیت کے دائیں جانب لگ جاتے ہیں تو وہ ایک سے سو، ہزار، لاکھ، کروڑ اور ارب بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

مسلم ثقافت اور ہندی مسلم کی زندگی:

مہد سے لے کر لحد تک ایک مسلمان کی زندگی کا مختصر جائزہ یوں لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان کے گھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان: اللہ اکبر اللہ اکبر اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان محمد رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، دی جاتی ہے اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ ''تھوڑے عرصے کے بعد فیض الدین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اسی وقت قریب کی رشتہ دار عورتیں وہاں آ کر جمع ہوئیں سب طرف سے مبارک باد کی آواز آنے لگی۔ دائی کو بہت سا انعام دیا۔ کرتہ، ٹوپی پہلے ہی سے سیا ہوا رکھا تھا۔ بچے کو نہلا کر کرتہ اس کے گلے میں ڈال دیا اور ٹوپی سر پہ پہنا دی۔ پھر دائیں کان میں اذان دی اور پھر بائیں کان میں اقامت کہی گئی۔ اور کچھ شیرینی چبا کر اس کے تالو کو لگا دی گئی۔ پیٹ صاف کرنے کے واسطے کچھ دوائیں مقرر ہوتی ہیں جن کو مرکب کر کے گھٹی کہتے ہیں وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بچے کو پلاتے رہے۔ ناتوانی دور اور دودھ بڑھنے کے لیے حریرے اور سٹھورے اور قوت دار اشیاء زچہ کو کھلاتے رہے''۔ (رسوم ہند ص 288)

دو سال تک ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے اور سب سے پہلا لفظ ''اللہ'' ماں بچے کو سکھاتی ہے اور سب سے پہلا جملہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ پیدائش کے چند سالوں میں ختنہ اور عقیقہ کرتے ہیں۔ عقیقہ دو جانور ذبح کر کے غربا، مساکین، خویش و اقارب کو کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں۔ سات سال کا بچہ تعلیم حاصل کرنے لگتا ہے اور دس سال کی عمر میں وہ نماز سیکھ لیتا ہے اور قرآن مجید پڑھ لیتا ہے۔ اسی طرح 18-20 سال تک تحصیل علوم و فنون کرتا ہے اس کے بعد اس کی شادی ہوتی ہے۔ گھر والے مل کر رشتہ طے کرتے ہیں ایک دن مقرر کرتے ہیں اور اس مقررہ دن پر لڑکے بارات لے کر دلھن کے گھر جاتے ہیں۔ کچھ زیوار اور کپڑے لے جاتے ہیں اور دلھن کو پہنا دیے جاتے ہیں۔

لڑکی کا وارث ولی کہلاتا ہے۔ دو گواہ اور دلھا دلھن کے رکھ کر دونوں کا نکاح پڑھا دیا جاتا ہے۔ (سنت نکاح مسجد میں ادا کرنی چاہئے) بارات کی خاطر تواضع لڑکے

Marfat.com

والوں کے ذمہ ہونی چاہئے۔ اب تو بارات میں بینڈ باجے اور دیگر غیر اسلامی رسوم کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ بلکہ پوری شادی ہی غیر اسلامی رسوم کا مرقع ہو کر رہ گئی ہے۔ دلہا دلھن کو حق مہر ادا کرتا ہے جو لڑکے اور لڑکی کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے۔ نکاح کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے جس میں نکاح کی فضیلت اور رشتہ زوجیت پر قرآن و سنت کی رو سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ نکاح پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے، دلھن والے مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور اپنی حیثیت کے مطابق دلھن کو جہیز دے کر رخصت کر دیتے ہیں۔ واپسی میں دلہا کے گھر دعوت ولیمہ ہوتی ہے بعض مسلمان بڑی دھوم دھام سے بارات لے جاتے ہیں اور سنجیدگی کو بالائے طاق رکھ کر جوش و مستی کا اظہار کرتے ہیں اور ڈھول دھماکے اور بھنگڑے سے بارات لے جاتے ہیں۔ دلھن کے ہاں گاتی کوستی عورتیں ان کا استقبال کرتی ہیں اور ان کی خوب درگت بناتی ہیں۔ ایسی شادیوں میں مسلم روایات کے ساتھ ساتھ بہت سی ہندی رسوم بھی شامل کر لی جاتی ہیں۔

لڑکے کے جوان ہونے کی علامت، جب مسیں بھیگیں اور لڑکی کو حیض آنے لگے ویسئلونک عن المحیض ط قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا یطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ الخ اس دوران حائضہ سے وظیفہ زوجیت منع ہے لیکن اس دوران حائضہ نہ تو مقدس مقام پر فائز ہوتی ہے اور نہ ہی ملعون اور حقیر مخلوق جان کر اسے بستی سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔

جوان اور کنوارا لڑکا یا نا کتخدا لڑکی زنا کا ارتکاب کریں تو انھیں سنگسار کرنے کے بجائے انھیں کوڑوں کی سزا دی جائے جبکہ شادی شدہ زنا کے مرتکب مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے تا کہ دوسرے عبرت پکڑیں۔

اسلام حدود قائم کرنے سے پہلے انسانی ضروریات کی تکمیل ضروری سمجھتا ہے جب حد قائم کرنا ریاست کے اختیار میں ہے تو بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ جب جائز بات میسر ہو تو مستی اور حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو سخت سزا دی جائے۔ معاشرہ کی طہارت کے لیے زنا کی سخت سزا رکھی گئی ہے۔ ”لا تقربوا الزنیٰ انہٗ کان فاحشۃً و مقتاً وساء سبیلاO اور اگر کوئی تہمت لگائے تو اسے بھی سخت سزا دی جاتی ہے تا کہ معاشرہ میں امن وامان اور پاکیزگی کا دور دورہ رہے۔

Marfat.com

معاشرے کے سکون کو تباہ کرنے والی چیز قتل ہے۔ اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے کوئی فرد واحد خود قصاص لینے کا مجاز نہیں بلکہ عدالت میں اس پر فرد جرم عائد کر کے اور ثابت کر کے قاتل کو سزا دیتی ہے۔ قتل کا بدلہ قتل عین انصاف ہے۔

ولكم فى القصاص حيوة يا اولى الالباب لعلكم تتقون o اسلام میں انسان کی جان بڑی قیمتی ہے، ایک انسان کا قاتل بنی نوع انسان کا قاتل قرار دیا جاتا ہے لیکن جوش انتقام میں قانون کو ہاتھ میں لے کر فرد واحد یا ایک کے بدلہ میں زیادہ افراد کو قتل کرنا جرم ہے۔

معاشرے کے سکون کو غارت کرنے والی دوسری چیز میاں بیوی کی جدائی ہے یعنی طلاق، جو دو خاندانوں میں اور بعض اوقات قبیلوں میں جدائی اور لڑائی کا باعث بنتی ہے۔ طلاق جائز ہے مگر حضور اکرم ﷺ کے نزدیک طلاق جائز ہوتے ہوئے بھی سب سے زیادہ ناپسند فعل ہے۔ ''اہل قرآن واسلام سے ارشاد ہے کہ نکاح وطلاق کا مسئلہ بہت سنگین ہے اس میں انتہائی احتیاط سے کام لو۔ عورت کی زندگی کو پوری اہمیت دو حدیث نبوی ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم کچھ یوں ہے: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں سنجیدگی ہی سنجیدگی ہے، مذاق میں بھی سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ یعنی نکاح، طلاق اور رجعت۔ ان معاملات میں ہنسی مذاق کی بات کو بھی قانوناً سنجیدہ مانا جاتا ہے''۔ (توضیح القرآن، ص 135)

طلاق کی صورت میں حق مہر واپس نہیں لیا جائے گا۔ ہاں اگر قربت کی نوبت نہیں آتی تو نصف حق مہر واپس لیا جاسکتا ہے۔ اگر عورت طلاق لینا چاہئے تو اس کا عوضانہ یا فدیہ دینا روا ہے۔

دس سال کے لڑکے پر نماز فرض، بالغ ہونے پر روزے، صاحب نصاب ہونے پر زکوٰۃ اور صاحب قدرت ہو جانے پر حج فرض ہو جاتا ہے فرائض کی بجا آوری اسے ساری عمر کرنا پڑتی ہے اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ لا رہبانیت فی الاسلام، کہ تارک دنیا ہو کر حقوق اللہ اور حقوق العباد سے پہلوتہی کی جا سکے۔ اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے علاوہ اپنے جسم اور روح کے تقاضے بھی پورے کرنے کا حکم ہے۔ روح کی پرورش کے لیے جسم کو اذیت دینا روا نہیں اور جسم کی آسودگی کے لیے روح کو نظر انداز کرنا بھی جائز نہیں، روح امر ربی ہے جو جسم کے لیے ناگزیر ہے اور جسم روح کے لیے لابدی ہے۔ **یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ الخ**

Marfat.com

ہر عاقل و بالغ مرد اور عورت پر اسلامی شعائر کی پابندی فرض و واجب ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کی تخصیص کے بغیر موت تک ایک مسلمان کسی لمحہ بھی فرائض کی بجا آوری سے سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ موت دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر کے ایک دوسری ابدی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ مسلمان کی موت اور تجہیز و تکفین۔ ''جب ناصر الدین کی موت کا وقت قریب آیا اور نزع کی حالت میں اس کا منہ خشک ہونے لگا تو اس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا، تھوڑا سا شربت پلایا گیا۔ اس کے بیٹے جمیل الدین نے جو حافظ قرآن بھی تھا باپ کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ سورۃ یٰسین پڑھنے لگا۔ باقی جو لوگ وہاں موجود تھے، کلمہ پڑھنے لگے وہ بھی خود کلمہ پڑھنے لگے اور اسی حالت میں اس کی جان نکل گئی۔ سب نے قرآن کی ایک آیت انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، پڑھی۔

جب مردے کو نہلا چکے تو اس کے بدن کو کپڑے سے پونچھ کر صندل اور کافور ملا کر اس کی پیشانی ہاتھوں، گھٹنوں اور دونوں پاؤں (وہ تمام اعضا جو سجدے میں زمین پر پڑ سکتے ہیں) پر لگا دیا اور یہی خوشبو کفن کے کپڑوں پر بھی چھڑک دی، چارپائی پر جو کفن رکھا تھا اس میں مردے کو لا کر لٹا دیا۔ کفنی کے چاک میں سے اس کا سر نکال کر باقی کفن کو اس کے اوپر پھیلا دیا۔ اس کے بعد ازار بند اور پھر لفافے کو لپیٹ دیا۔ سر، کمر اور پاؤں کے پاس نئے کپڑے کی دھجیوں کے تین بند باندھ دیئے تاکہ ہوا سے نہ اڑے۔ کفن جو مردے کے ساتھ قبر میں جاتا ہے۔ تین کپڑوں کا ہوتا ہے''۔ (رسوم ہند، ص270)

جنگل میں ایک اچھا سا میدان دیکھ کر جنازے کی نماز کے لیے ٹھہرے۔ وہاں ایک کنوئیں پر لوگوں نے وضو کیا پھر جنازے کا سر شمال کی طرف اور پاؤں جنوب کی طرف کر کے سب لوگ صفیں باندھ کر نماز جنازہ کے واسطے کھڑے ہو گئے۔ ناصر الدین کے بیٹے جمیل الدین کو جو ولی (میراث میں زیادہ قریب) تھا۔ امام بنایا گیا۔ اس نے نماز جنازہ پڑھائی جو چار تکبیریں کہہ کر ختم کی گئی۔ پہلی تکبیر کے بعد خدا کی حمد و ثنا۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد مردے کی مغفرت اور ایمان کی دعا پڑھی اور چوتھی تکبیر پر دائیں اور پھر بائیں سلام کہہ کر نماز قائم کی''۔ (رسوم ہند، ص270)

قبر پہلے سے ہی تیار تھی جو بشکل مستطیل چوکھونٹی کھدی ہوئی تھی اس کا طول شمال اور جنوبی اور عرض شرقی و غربی سمت میں تھا اور مغرب کی طرف مردے کے رکھنے کے واسطے ایک لحد بنی ہوئی تھی، وہاں لے کر جا کر جنازے کو قبر کے پاس رکھ دیا۔ پھر اس

Marfat.com

کے اوپر کی چادر اٹھائی اور مردے کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتار کر لحد میں داخل کیا اور اس کا چہرہ قبلے کی طرف مائل کیا۔ اس کے گورکنوں نے قبر کو پٹوا دیا۔ (رسوم ہند، ص 272)

اس کے بعد رشتہ دار عزیز و اقارب ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرتے رہے۔ تین دن تک ایسا رہا۔ پھر مرد اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ البتہ بیوہ نے 4 ماہ 10 دن عدت وفات میں گزارے۔

یـذرون ازواجاً یتربصن بالنفسهن اربعة اشهرٍ و عشراً o جب یقین ہو جائے کہ مرحوم کا نطفہ قرار نہیں پایا تو بیوہ کو عقدِ ثانی کی اجازت ہے۔ اسے عدت کہا جاتا ہے۔ اسلام میں صدقہ جاریہ کا تصور ہے کہ مرحوم کے اعمال اس کی وجہ منقطع نہیں ہوتے کہ وہ رفاہ عامہ کا کام خلوص نیت سے کر گیا، جب تک اس کے فعل کا اثر باقی رہے اس کے اعمال نامہ میں ثواب درج ہوتا رہے گا اور اس طرح اس کے درجات بلند ہوتے رہیں گے۔

برعظیم میں مسلمان حکمران اُن کے عہد کی ثقافت:

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں نے بلوچستان اور سندھ کے ساحل پر قدم رکھا لیکن محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر کے پہلی بار باقاعدہ مسلمان حکومت کی داغ بیل ہندوستان میں ڈالی۔ لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ محمد بن قاسم پہلا مسلمان تھا جس نے سرزمین پاک و ہندو پر قائم رکھا۔ (ریاض التاریخ: ص 587)

عربوں نے یہاں کے باشندوں کی طرز زندگی میں کوئی دخل نہیں دیا۔ انتظام کا کام عام طور پر ہندوؤں کے سپرد ہی رہا۔ مذہبی معاملات میں بھی مطلق دخل نہیں دیا۔ عدالتیں قاضیوں کے سپرد تھیں لیکن ہندوؤں کے جھگڑے طے کرنے کے لیے پنچائتیں تھیں۔ انھوں نے مدرسے بھی کھولے، ملک کی تجارت بڑھی، ہندوؤں اور برہمنوں کی حفاظت ہوتی تھی۔ ہندوؤں پر فوجی خدمات کے بدلے جزیہ لیا جاتا تھا۔ (ریاض التاریخ: ص 588)

محمد بن قاسم کو برعظیم اسلامی حکومت کے فروغ کا زیادہ موقع نہیں ملا، اس لیے وہ یہاں کی ثقافت میں کچھ زیادہ دخیل نہیں ہوا۔ اس نے اسلامی رواداری اور حسن سلوک سے کام لیا۔ ہندوؤں کے تمام معاملات حسب سابق و حسب دستور چلتے رہے۔

Marfat.com

ہندوؤں نے حکمران کی تبدیلی کے سوا اور کوئی جدت محسوس نہیں کی۔

''محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں سرچشمہ فیض بہایا تھا۔ وہ خشک نہ ہوا لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے اور جو نہریں اس چشمہ فیض سے نکلی تھیں وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہو گئیں، پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آب یاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے اور انھیں بھی یہاں پہنچتے ایک زمانہ لگا''۔ (آب کوثر: ص 55)

عمر بن عبدالعزیز نے سندھ میں اشاعت اسلام پر توجہ دی۔ آپ کی کوششوں سے بہت سے راجاؤں اور امرا نے اسلام قبول کرلیا۔ ''ان کی اس دعوت پر جو سندھی امرا مشرف باسلام ہوئے، ان میں راجا داہر کا فرزند جے سنگھ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔'' (نظریہ پاکستان: ص 91)

محمود غزنوی 997-1030ء غزنی کا حکمران رہا۔ اس نے برعظیم پر 17 حملے کئے۔ 1025ء میں سومنات کا مندر فتح کیا اور ہندوؤں کی مرکزی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ اگرچہ اس نے یہاں اسلامی حکومت قائم نہیں کی۔ تاہم جو مسلمان ساتھ آئے تھے ان میں سے جنھوں نے برعظیم میں رہنا پسند کیا انھیں اس نے اجازت دے دی۔ یہاں بسنے کے لیے انھیں زمین اور مالی امداد دی۔ اس طرح وہ خوشحال زندگی بسر کرنے لگے اور اسلام کی اشاعت ہوئی۔ محمود غزنوی برعظیم میں ہندوؤں کی کمر توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ 1175ء میں شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کرکے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ شہاب الدین محمد غوری کا تعلق افغانستان سے تھا۔ اس نے قطب الدین ایبک کو برعظیم میں اپنا نائب مقرر کیا۔ محمد غوری 1206ء میں قتل ہوا اس وقت تک سارے شمالی ہند پر اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ حضرت علی ہجویری 1015ء میں لاہور میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے پنجاب میں چشمہ ہدایت جاری فرمایا اور لکھوکھا ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔

''حضرت داتا گنج بخشؒ بھی محمود غزنوی کے تیرہویں حملہ کے وقت ساتھ آئے اور دریائے راوی کے کنارے قیام پذیر ہوئے''۔ (پوٹھوہار: ص 14)

آپ کی توجہ سے لاہور کا ایک نامی گرامی جوگی اپنے چیلوں سمیت مشرف بہ اسلام ہوا۔ آپ نے لاہور میں ہی کشف المحجوب قلم بند فرمائی۔ جو تصوف کے موضوع پر فارسی

Marfat.com

زبان میں اولین کتاب ہے۔

علامہ ابوریحان البیرونی بعہد محمود غزنوی، خوارزم سے ہندوستان آئے تھے اور مشہور زمانہ کتاب ''کتاب الہند'' لکھی۔

''محمود غزنوی نے محمد بن قاسم سے تقریباً 300 سال بعد ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور فتح ونصرت کے گھوڑے دور دور تک دوڑائے لیکن محمود کی نگاہ کو بت کدوں کے زرو جواہر نے خیرہ کر رکھا تھا اس نے اپنے شاندار کارناموں اور فتوحات سے سوائے جمع اموال کے کوئی ٹھوس فائدہ نہ اٹھایا اور گجرات، کچھ، قنوج، کالنجر اور کانگڑہ کے راجاؤں کو پامال کرنے کے باوجود شمالی ہندوستان میں وسیع اسلامی حکومت کی داغ بیل نہ ڈالی۔ (آب کوثر ص 86)

محمد غوری کے بعد ہندوستان میں تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہاں سلاطین دہلی 1206ء۔1536ء جس میں پانچ خاندان غلاماں، خلجی، تغلق، سید اور لودھی یکے بعد دیگرے تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوئے، ان میں التمش، بلبن (خاندان غلاماں 1206ء۔1290ء) علاؤ الدین خلجی (1200ء۔1320ء) محمد تغلق، فیروز شاہ تغلق (تغلق خاندان (1320ء۔1414ء) خضر خاں، مبارک شاہ (خاندان سادات 1414ء۔1451ء) بہلول لودھی، سکندر لودھی، ابراہیم لودھی (خاندان لودھی (1451ء۔1526ء) مشہور حکمران ہوئے جو اپنی فہم وفراست اور قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے سلاطین دہلی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اگرچہ بادشاہ خود شرعی قوانین کی بخوبی پابندی کرتے تھے لیکن ان کی حکومت عین اسلامی حکومت نہیں کہی جاسکتی۔

''صرف ناصر الدین نے ملکی خزانے پر عوام کے حق کو تسلیم کیا اور اس میں سے اپنی ذات کے لیے کوئی پیسا نہ لیا، ورنہ تمام سلاطین اسے اپنی ذات کے لیے ہی تصور کرتے تھے''۔ (ریاض التاریخ ص 611)

سلاطین دہلی کے عہد میں نئی طرز کی بے شمار عمارات تعمیر ہوئیں ان کی عمارتیں کشادہ، ہوادار اور دیدہ زیب ہوتی تھیں ان میں گنبد، محراب اور مینار کو بھی رواج دیا۔ مساجد کے محراب، گنبد اور مینار مسلم ثقافت کی منہ بولتی تصویر تھے۔

''اس سے قبل ہندو محراب والی عمارتوں سے ناواقف تھے''۔ (ریاض التاریخ

Marfat.com

ص616)

مینار تو خالص مسلم عمارات کی علامت ہیں اور مسلم ثقافت کا جزو ہیں۔ قطب الدین ایبک نے اجمیر کی مسجد، مسجد قبۃ اسلام، اور قطب مینار جیسی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ التمش نے مسجد قبۃ الاسلام کو وسیع کیا اور قطب مینار کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس نے اپنے بیٹے ناصر الدین غازی کا مقبرہ بھی بنوایا۔

تغلق خاندان کے عہد میں غیاث الدین بلبن دہلی شہر کی فصیل اور مسجد بیگم پوری مشہور ہیں، سادات اور لودھی خاندان نے پانچ کونوں والے مقبرے تعمیر کئے اور ہر ایک کونے پر ایک برجی کھڑی کروائی اور مقبرے کے گرد برآمدے ہیں۔ مبارک شاہ، محمد شاہ اور سکندر لودھی کے مقبرے اپنی پائیداری اور خوبصورتی میں لاثانی تھے۔

سلاطین دہلی کے عہد میں امیر خسرو نے کئی راگ اور ساز ایجاد کئے۔ اس دور میں ہندی فارسی اور عربی کے امتزاج سے ایک نئی موسیقی نے جنم لیا۔

عوام میں مذہبی رواداری بہت زیادہ تھی اور وہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ مسلمان مستورات میں پردہ کا رواج تھا۔ ہندو عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں تاہم مسلمان عورتوں کی دیکھا دیکھی ہندو امرا کی عورتوں میں بھی پردے کا رواج ہونے لگا۔

سلاطین دہلی مذہبی علوم کی اشاعت میں گہری دل چسپی لیتے تھے۔ مساجد تعمیر کراتے اور ان میں امام مقرر کر کے بھاری تنخواہیں دیتے تھے۔ شب برات کے موقعہ پر خوب آتش بازی ہوتی۔ فیروز شاہ تغلق خود وسیع پیمانے پر آتش بازی کا اہتمام کرتا۔ ہندو اسے مقدس آگ سمجھ کر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

مذہبی امور میں علماء کو کافی اہمیت تھی۔ سلاطین دہلی کے عہد میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن شافعی اور مالکی علما بھی موجود تھے ان میں مذہبی چپقلش کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ علما کو سیاست سے الگ رکھا جاتا تھا۔

''ابن بطوطہ جس کو محمد تغلق نے دہلی کا قاضی بنایا تھا مذہباً مالکی تھا اس زمانے کے مسلمان علما اس اختلاف کو برداشت کر لیتے تھے۔'' (ریاض التاریخ ص620)

ہندوؤں کی طبیعت رہبانیت کی طرف مائل ہے اس لیے وہ صوفیائے کرام کی طرف بڑھ جاتے تھے۔ ''بعض لوگ مسلمان پیروں اور شہیدوں کی قبروں کی پوجا کرتے

Marfat.com

تھے۔'' (رسوم ہند ص 19)

قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حمید الدین ناگوریؒ، شیخ بدرالدین غزنویؒ، بابا فریدالدین گنج شکرؒ، نظام الدینؒ اولیا، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، شیخ جمال الدین تبریزیؒ، حضرت نور قطب عالمؒ اور خواجہ گیسو درازؒ جیسے صاحب کرامت بزرگوں نے سلاطین دہلی کے دور میں غیر مسلموں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور لوگوں کو جوق در جوق مسلمان کیا۔ اگرچہ عوام پر صوفیائے کرام کا اچھا اثر تھا لیکن کبھی انھوں نے سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

مغل گاہے گاہے برعظیم میں یورش کرتے رہتے تھے۔ 1298ء میں دہلی میں تقریباً دولاکھ مغل اپنے سردار قتلغ خواجہ کی سرکردگی میں آپہنچے۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے انھیں عبرتناک شکست دی۔ مغلپورہ کے تمام مغلوں کو قتل کروادیا۔ کیونکہ وہ مغل حملہ آوروں کی امداد کرتے تھے۔ محمد تغلق کے عہد میں مغلوں نے بھرپور حملہ کیا اور دہلی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ محمود تغلق نے ہتھیار ڈال دیئے اور انھیں بہت سارو پیادے کر لوٹا دیا۔ محمود تغلق کے دور میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا اور محمود تغلق کو شکست دے کر دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ چند روز قیام کے بعد بہت سامال و دولت لے کر اپنے ملک سمرقند واپس چلا گیا۔ ظہیر الدین بابر نے پانی پت کا میدان مارا۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ بابر بھی مغل حملہ آوروں کی طرح واپس لوٹ جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔

راجپوتوں نے جب مغلوں کو پاؤں پسارتے دیکھا تو راناسانگا 80 ہزار فوج لے کر کنواہہ کے میدان میں اتر پڑا۔ بابر کی 10 ہزار فوج نے لشکر جرار کو شکست فاش دی اور وہ شمالی ہندوستان کا مالک بن گیا۔ بابر کے بعد ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اورنگزیب 1526ء۔ 1707ء یکے بعد دیگرے دہلی کے تخت پر متمکن ہوئے۔ 1707ء۔ 1857ء تک جنگ تخت نشینی، عیش و عشرت اور کس مپرسی کے عالم کے بعد آخر 1857ء مغلیہ سلطنت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔

مغلیہ دور میں عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ شہنشاہ دیوان عام میں لوگوں کی عرضیاں دیکھتا اور فریادیں سنتا۔ دیوان خاص میں امرا اور وزرا شریک ہوتے۔

''اورنگزیب 90 سال کی عمر میں بھی دربار لگایا کرتا تھا''۔ (ریاض التاریخ ص 678)

ہندوؤں کے مقدمات ان کے اپنے رسم و رواج کے مطابق طے کیے جاتے تھے۔

Marfat.com

مغل اہل فن وعلم کے قدر دان تھے، خود بھی اہل علم وادب تھے۔ ایران وتوران سے ہرفن کے کاملین ان کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے۔ مغل امرا بھی اہل علم کے قدر دان تھے، خان خاناں اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

''عہد مغلیہ میں علم وفن کی فراوانی اور قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ مغل شہزادیاں بھی زیورِ علم سے آراستہ اور اہل قلم تھیں۔ ہمایوں کی بہن گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ لکھا، اورنگزیب کی بیٹی زیب النساء فارسی کی بے نظیر شاعرہ تھی''۔ (ریاض التاریخ ص686)

مغلوں کے دور میں فن تاریخ نویسی نے ترقی کی۔ اکبر نامہ، آئین اکبری ابوالفضل نے سوانح اکبری، امیر حیدر حسینی، تاریخ الفی، ملا احمد، منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی طبقات اکبری، نظام الدین احمد، اکبر نامہ، فیض احمد سرہندی، ماثر رحیمی، عبدالباقی، یہ عہد اکبری کی فارسی یادگاریں ہیں۔

مہا بھارت اور رامائن کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ جہانگیر کے عہد میں، تزک جہانگیری، اقبال نامہ جہانگیری، محمد شریف خاں، مآثر جہانگیری، مرزا کامکار حسینی نے لکھی۔ شاہ جہان کے زمانے میں ملا عبدالحمید نے بادشاہ نامہ اور مرزا محمد طاہر آشنا نے شاہ جہان نامہ لکھا۔ داراشکوہ نے تصوف پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ بھگوت گیتا کا ترجمہ بھی کیا گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ برعظیم میں مغل خاندان کے موسس اعلیٰ ظہیر الدین بابر نے ادب ان کی گھٹی میں رکھا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ تزکِ بابری لکھ کر بابر نے ادب کی ڈول ڈال دی۔

اونگ زیب نے فتاوی عالمگیری، فقہ کی مستند کتاب مرتب کرائی۔ اس کے عہد میں محمد ساقی مستعد خاں نے مآثر عالمگیری، میر محمد ہاشمی خوافی خاں نے منتخب اللباب، میر غلام حسین نے سیر المتاخرین تحریر کی۔ ہندی کا مشہور شاعر تلسی داس بھی مغلیہ دور کا شاعر ہے، بہادر شاہ ظفر خود قادر الکلام شاعر تھا۔ اُردو میں شعر کہتا تھا۔

اودھے پور کی رانی میراں بائی مشہور شاعرہ تھی اور ساتھ ہی باکمال مغنیہ بھی تھی۔ اکبر خود بھی موسیقی کا شیفتہ تھا دربار میں گانے والیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ میاں تان سین گوالیاری اکبر کے دور کا سب سے بڑا گویا تھا۔ تان سین پہلے ہندو تھا بعد میں مسلمان ہوگیا۔ جہانگیر بھی موسیقی کا بہت دلدادہ تھا۔ اس کے دربار میں پرویز داد، لکھو حمزہ

Marfat.com

اور جہانگیر دار چوٹی کے فنکار تھے۔محمد شاہ رنگیلے کے عہد کا سدا رنگ درباری فنکار تھا۔

مغلوں کے فن تعمیر کا جواب نہیں تھا۔ دہلی کا لال قلعہ، موتی مسجد، آگرے کا تاج محل، لاہور کا قلعہ اور شاہی مسجد، شالا مار باغ لاہور مغلوں کی تعمیر کا شاہکار ہیں۔

''اسلامی ہندوستان کا فن تعمیر مغلوں کے عہد میں کمال کو پہنچا (ریاض التاریخ ص 691، عبدالمجید سالک)

دور مغلیہ میں لوگ آسودہ حال تھے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ہندو ذات پات کے پابند تھے۔ ان میں ستی اور کم عمری میں شادی کا رواج تھا۔ مسلمانوں کی اخوت، رواداری اور حسن سلوک سے ہندو کافی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ یعقوب کشمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، ملا عبدالقادر بدایوانیؒ، شیخ نورالحقؒ، ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مرزا مظہر جانجاناںؒ جیسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے ان کی وجہ سے نہ صرف اکبر کی دستبرد سے اسلام محفوظ رہا۔ بل کہ لاتعداد ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

مسلمان عورتوں میں پردے کا رواج تھا۔ ہندو عورتوں نے بھی مسلمان عورتوں کی طرح پردہ کرنا شروع کر دیا۔ اکبر نے اپنے دور میں ہندو مسلم اتحاد اور رواداری کے لیے دین الٰہی ایجاد کیا۔ اس سے ہندو مسلم اتحاد کے بجائے اثر معکوس ہوا۔

> ''ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن کی تشکیل وتوسیع کا انتظام کیا لیکن افسوس کہ اس نے اپنے دائرہ عمل کو چھوڑ کر مذہبی معاملات میں دخل دیا اور خوشامدی درباریوں کی واہ واہ میں بعض ایسی ابوالفضولیوں کا مرتکب ہوا کہ آج اس کے سیاسی احسانات بھی فراموش ہو گیے ہیں۔''

جنوبی ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر زیادہ عرصہ مصروف جہاد رہا۔ اس کے انتقال کے بعد مغلوں میں کوئی لائق حکمران نہیں گزرا جو سلطنت مغلیہ کو زوال پذیر ہونے سے روک سکتا۔ انگریزوں کا تاجر بن کر آنا اور تجارت کے ساتھ ساتھ برعظیم کی سیاست میں عمل دخل مغلیہ سلطنت کو تیزی سے زوال کی طرف لے گیا۔ انگریزوں نے ہندوؤں کی پشت پناہی کی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔

☆☆

Marfat.com

تیسرا باب

ہندو ثقافت

آرین برعظیم میں فاتح کی حیثیت سے وارد ہوئے اور انھوں نے دفاع اور تجارت پر قبضہ کرلیا۔ بعد ازاں آرین مذہبی لبادہ اوڑھ کر ہر حیلے بہانے سے حکومت کرنے لگے۔ چوں کہ آرین اپنی عورتوں کو ساتھ نہیں لائے تھے، اس لیے انھوں نے مقامی عورتوں سے بیاہ کرلیا۔ اس طرح مقامی آبادی کا کچھ حصہ ان کی رشتہ داریوں میں منسلک ہو کر ان کے کام میں شریک ہو گیا اور ویش طبقہ وجود میں آگیا۔ باقی آبادی مردود ہو کر شودر کہلانے لگے۔

برہمن بڑی دیدہ ور قوم ہے اس نے ایک نیا فلسفہ تشکیل دیا اور برعظیم کو طبقات میں تقسیم کرنے کا اک نیا تصور دیا۔

'ہندو کی سب سے پرانی کتاب رگ وید میں لکھا ہے کہ برہمن لوگ برہما جی کا منہ، چھتری ان کے بازو اور ویش ان کی رانیں ہیں۔ اور شودر ان کے پاؤں سے نکلے ہیں۔ منہ سے مراد ''بولنے والا'' یعنی اچھا بُرا بتانے والا، بازو سے مراد لڑنے والا اور پاؤں سے خدمت مراد ہے یعنی شودر (خدمت کرنے والا) (رسوم ہند: ص 1)

اس سے پتا چلا کہ برہما جی کی شکل وصورت انسان کی سی ہے بل کہ وہ انسان ہی ہیں اور وہ برہمن کے جدامجد ہی کہے جاسکتے ہیں۔

''کوئی شخص دیوتا کا روپ دھار لیتا ہے اور وہ اپنی ثقافت میں نیا پر لگا لیتا ہے۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان: ص 79)

مہاتما گاندھی ہمارے زمانہ کے ایسی ہی شخصیت تھے۔

آریا نے برعظیم کو تسخیر کرلیا تھا یہاں ان کی نسل چل نکلی۔ برعظیم میں ایک زرخیز خطہ ان کے زیر تسلط تھا اور وہ یہیں کے باشندے ہو گیے تھے اور پھر ان کی فوجی قوت بھی

Marfat.com

روز افزوں زوال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس میں کچھ دخل آب و ہوا اور یہاں کی عورتیں، جن سے بیاہ رچا کر نسل پیدا کی تھی۔

''ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے باشندے نہیں ہیں بل کہ کسی زمانے میں پچھم کی طرف سے آئے تھے اور انھوں نے آہستہ آہستہ سارے ملک کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا پھر ان لوگوں کے جو پہلے سے اس ملک میں رہتے تھے اپنا فرمانبردار بنا کر ان کا نام شودر یعنی خدمتگار رکھا''

چاروں ذاتیں اقتدار میں ایک دوسرے سے خائف رہتی تھیں انھوں نے کاموں کی تقسیم کر لی۔ مذہب جو عقائد، جذبات و احساسات سے متعلق ہے۔ برہمن کے فرائض میں فوجی خدمات کھشتری، تجارت اور کھیتی باڑی ویش اور خدمت گزاری شودر کے حصہ میں آئی۔

دھرم شاستر جو نو سو برس قبل مسیح کی تصنیف کہی جاتی ہے، میں ہے کہ'' برہمنوں کو اور ذات کے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا منع نہیں ہے''۔ لیکن ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا اب دستور ہے ویسا ہی منو جی کے زمانہ میں بھی چاروں ذاتیں کھانے میں شریک نہ تھیں۔ (رسوم ہند: ص 54)

ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں اور پھر اپنی نسل کی طہارت اور خالص ہونے پر مصر رہتے ہیں۔'' آج کل اگرچہ آزاد جنسی تعلقات مختلف قوموں اور نسلوں کے افراد کھلم کھلا قائم کر لیتے ہیں۔ پھر بھی ہم بے باکی وڈھٹائی سے ''خالص نسل'' نسلی طہارت کے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان: ص 23)

دور جدید کے ہندوؤں نے ذات پات کے بندھن کچھ ڈھیلے کئے ہیں۔ 1946ء کے انتخابات میں نہرو نے اچھوتوں کو ووٹوں کے لیے بھائی قرار دیا۔ انھوں نے بھی اقتصادی حالت مضبوط کر کے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے اور ڈاکٹر امبید کر جیسے لیڈر بھی میسر تھے۔ بعض شودر فقیروں کا روپ دھار کر دوسرے علاقوں میں چلے جاتے اور ٹونے ٹوٹکے سے برہمن کے وقار کو کم کرنے لگے۔

''ان ذاتوں کے علاوہ ایک اور نئی ذات ایسی نکلی ہے کہ جس نے برہمنوں کی

Marfat.com

بزرگی میں خلل ڈالا ہے اس ذات میں فقیروں اور گسائیوں کے طرح طرح کے فرقے شامل ہیں۔'' (رسوم ہند ص 5)

''پرانوں کے موافق سب ہندو جانتے ہیں کہ خدا ایک ہے جیسے نارائن یا بھگوان کہتے ہیں لیکن اس کی پوجا کوئی نہیں کرتا اور بھگوانوں کے تینوں سروپوں برہماجی (پیدا کرنے والا) وشن جی (پالنے والا) اور شوجی (مارنے والا) کو مانتے ہیں۔ مگر ان میں وشن جی اور شوجی کو پوجتے ہیں۔ (رسوم ہند ص 5)

بدھ مت کے سایہ میں ایسی حکومت قائم ہوئی جس میں اوتاروں کی بھرمار اور مورت پرستی کا دور دورہ دکھائی دینے لگا۔ سنگھوں کی فضا بدل رہی ہے اس میں بدعتیں اور جدتیں یکے بعد دیگرے نظر آرہی تھیں۔ (ہندوستانی تمدن، ایشوراٹوپا)

ہندو ضعیف الاعتقاد ہے وہ ہر طاقت کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اس میں بیچارے کی اس زندگی کا دخل ہے جو شائد روز آفرینش سے محکومی کا شکار ہے۔ آرین کی آمد سے لے کر تقسیم ہند تک ہندو ہمیشہ غلامی اور محکومی کی زندگی بسر کرتا رہا اس لیے وہ ہر طاقت کے سامنے گردن نہادن سیکھ گیا ہے۔ اس نے طاقت کو پوجا اور عبادت میں شامل کر لیا ہے۔ ہندو کی ظاہری زندگی پر طاقتیں اتنی مسلط رہی ہیں کہ ان کا پرتو باطنی زندگی میں بھی رچ بس گیا ہے۔

> ''طلوع اسلام کے وقت بھی ستاروں، سیاروں، پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، حیوانوں، سانپوں، پتھروں اور شرمگاہوں کی پرستش ملک ہندوستان میں رائج تھی''۔ سندھ کے راجاؤں میں ایسی مثالیں موجود تھیں کہ حقیقی بہنوں سے انھوں نے شادیاں کیں، جب راجاؤں اور حکمرانوں کی حالت یہ تھی تو عوام کی بدتمیزیاں اس سے بھی آگے ہوں گی۔'' (تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ص 70)

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی تعداد چار ہے جن کو وید کہتے ہیں ان کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہوا، آگ، پانی، زمین، سورج، چاند، ستارے اور بعض نیکیاں مثلاً انصاف، حکمت سب کے سب دیوتا ہیں۔ ان کی پوجا کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں''۔ (رسوم ہند ص 7)

Marfat.com

حکمران طبقے نے ہندو کو اس قدر دبایا کہ وہ انسانیت کے وقار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسے فلسفہ گوسفندی کا درس دیا گیا۔ مسکینی اور کمزوری اس کی طبیعت کا جزو بن گئی اب وہ حکمرانوں کی پوجا پر بھی تیار ہو گیا۔ ان کی زندگی میں ڈرتے تو تھے ہی، مرنے پر بھی دور نہ ہوا۔ مغل حکمرانوں نے بھی ہندو کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور جھروکے میں بیٹھ کر درشن دیتے رہے اور ہندو بیچارا دولونوں سے نہا کر درشن لیتا رہا۔

''اکثر گاؤں والے ان مردوں کو جو زندگی کی حالت میں ان کے گاؤں میں زبردست تھے۔ اپنے گاؤں کے نگہبان جان کر پوجتے تھے''۔ (رسوم ہند ص 19)

ہندو نے غلامی اور زبردستی کی زندگی بسر کی تھی اس لیے وہ سب سے زیادہ خائف حضرت انسان سے ہے۔ اسی کو جبار و قہار اور علیٰ کل شی قدیر، خیال کرنے لگا ہے۔ خدا کو بھی انسانی شکل کے مشابہ فرض کر لیا ہے۔ کیوں کہ بعض عورتیں مردوں سے بھی قوت میں بڑھی ہوتی ہیں اور وہ مردوں پر بھی حکومت کر چکی ہیں، حسن ایک قوت ہے اس کی کرشمہ سازی نے گل کھلائے ہیں لیکن بہت سی عورتیں ملکہ حسن ہونے کے ساتھ ساتھ قوت یا زور کا لوہا بھی منوا چکی ہیں۔ ہندوؤں نے رضیہ سلطانہ، نور جہاں، چاند بی بی اور رانی جھانسی کا حسن اور قوت دونوں دیکھے تھے۔ ہندو اس صنف کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس کی پوجا کی اور عقیدت سے اپنا سر اس کے پاؤں میں رکھ دیا۔

''اکثر ہندو بعض دیوتاؤں کی استریوں کی پوجا بھی کرتے ہیں مثلاً لچھمی جی۔ سرسوتی جی اور پاروتی جی، جو کہ وشن جی، برہما جی اور شو جی کی استریاں ہیں۔ پاروتی جی اکثر دیوی بھوانی اور درگا بھی کہلاتی ہے''۔ (رسوم ص 19)

ہندو دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے پوجا پاٹ اور پن بھی کرتا ہے۔ اپنے عقائد و رسوم کے تحفظ کے لیے مندر اور دھرم شالے بھی تعمیر کرتا ہے۔ مندر اکثر تنگ و تاریک تعمیر کیے جاتے ہیں۔ شائد اس سے مراد ہندو ازم کو فروغ دینا نہیں بل کہ اس کا دفاع اور تحفظ ہے۔

ہندو کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا کبھی ختم نہیں ہوگی۔ بل کہ یہ ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور انسان بھی جون تبدیل کرتا رہتا ہے جو اس جنم میں پن کرتا ہے۔ وہ اگلے جنم میں اچھی جون پائے گا، اس طرح جونیں بدلنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہ اس جنم

Marfat.com

کی سزا اور جزا کچھ عرصہ پا کر دوسری جون اپنا کر اس جہانِ آب و گل میں آموجود ہوتا ہے۔ ''منو جی کے دھرم شاستر کے موافق پرانوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدمی مرنے کے بعد سورگ یا نرگ میں جاتا ہے وہاں آرام یا تکلیف اٹھا کر جونیں بدلتا ہے اور دھرم شاستر یا پرانوں کے موافق تمام ہندو اس بات کو مانتے ہیں کہ دنیا بار بار پیدا ہو کر فنا ہوتی ہے۔'' (رسوم ہند ص 19)

حیات بعد الممات سے خیر و شر کا تصور جنم لیتا ہے ہندو برہما جی کو چھوڑ کر وشن جی اور شو جی کی پوجا کرتے ہیں ان کی زندگی کی اقدار جس طرح پیچیدہ ہیں اسی طرح نظریہ خیر و شر میں بھی گنجلک ہے۔ کبھی پتھر کے بنے ہوئے گادوں میں دیوتاؤں کے حضور رقص پیش کر کے نروان حاصل کرتے ہیں تو کبھی عورت اور مرد کی شرمگاہ کے سامنے جھکتے ہیں۔

''ہندوستان کے اندر ایک ایسا مذہب پیدا ہو گیا تھا جو صرف خواہشات نفسانی پر مبنی تھا جس میں شراب کی پوجا کی جاتی اور ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اس کو مہادیو کہ کر، اور ایک ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر اس مرد اور عورت کی پوجا کی جاتی''۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس ۴ ص 378، و مسلم ثقافت ہندوستان میں ص 16 عبد المجید سالک)

کبھی لچھمی جی، سرسوتی جی اور پاروتی جی کے چرنوں میں دودھ چڑھاتے ہیں اور انھیں دودھ سے غسل دیتے ہیں کبھی ایک لنگوٹی سے گیان اور نروان حاصل کرتے ہیں جس طرح وہ خدا، زندگی، طاقت اور سرچشمہ طاقت کا صحیح تعین نہیں کر سکے بعینہٖ وہ خیر و شر میں بھی آواگون ہیں۔ ''خیر و شر کے بارے میں اس کے ذاتی تصورات اس کی ثقافت کی مخصوص رسم و روایات سے تعلق ضرور رکھیں گے۔'' (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 13)

ہندو کی زندگی مسکینی اور دغل و فریب کی زندگی ہے وہ ہمیشہ داؤ پر رہتا ہے اور چھپ کر وار کرتا ہے۔ محاورہ ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' تو ضرب المثل بن کر رہ گیا ہے۔ ہندو مذہب میں جہاد کا تصور نہیں بل کہ بعض ہندو تو کیڑوں کی زندگی کے تقدس کے بھی قائل ہیں۔ غلامی کی زندگی کا ہندو خوگر ہو چکا ہے کیوں کہ وہ عزت کی زندگی سے ناواقف ہے اس لیے باوقار زندگی اور آزادی کے لیے زندگی کا نذرانہ پیش کرنے

Marfat.com

سے قاصر ہے۔ (تقسیم سے قبل فوج میں مسلمانوں کا تناسب 56% تھا جب کہ آبادی کا تناسب 26% تھا)۔

ہندو بنیا مسلمانوں کے پورے گاؤں کا ساہوکار ہوتا تھا اپنی چرب زبانی اور مکر وفریب سے مسلمانوں کو سود در سود کے گرداب میں پھنسائے رکھتا تھا۔ سودی کاروبار جائز ہی نہیں بل کہ مسلمانوں سے سود در سود وصول کرنا عین پن سمجھتا تھا۔ ہندو تجارت کے گر سے واقف ہے وہ ہر حیلہ بہانہ روا رکھتا ہے۔ اس طرح ناجائز کمائی سے دھرم شالے اور مندر بنا کر اپنی آتما کی تسکین کرتا ہے۔

> ''بدھ مت اور برہمنیت کے مذاہب نے آخر کار مادیت اور لادینیت کے سامنے سپر ڈال دی اور زندگی سے کنارا کش ہو کر عبادت گاہوں اور تیرتھ گاہوں میں پناہ لی اور رسوم و عادات اور ظاہری اشکال میں محصور ہو کر رہ گئے''۔
>
> (تاریخ دعوت وعزیمت: مولانا سید ابوالحسن ندوی ص 35)

ہندو پروہتوں کی حیلہ سازیوں کا ماتم کرتے تھے، چھوٹے مندر اپنی کس مپرسی کا رونا روتے تھے تو بڑے مندر عیاشی کے اڈے بن کر رہ گئے تھے۔ ناکتخدا دوشیزائیں مندروں کی نظر ہونے لگیں وہ نہ صرف اس لیے پنڈتوں کو سونپ دی جاتی تھیں کہ ان کے والدین دوسری جون میں بہتر مخلوق میں پیدا ہو سکیں، مندروں میں بھجن کا دور چلتا۔ حسن و شباب کے جام چلتے تو شراب کی مخموری اور شباب کی مستی سے بوڑھا پروہت بھی جھوم جاتا۔ باکرہ اس انتظار میں رہتی کہ آج رحمت سے رنگی جائے۔ آخر ایک ایک کر کے داسیاں مقدس ہاتھوں کی بھینٹ چڑھ جاتیں اور سورگ میں جانے کا اور والدین کو بھی ساتھ لے جانے کا پرمٹ حاصل کر لیتیں۔

پروہتوں کے ہاتھ نہ صرف چھلکتی جوانیوں تک پہنچتے بل کہ ان کے قدم سیم و زر پر پڑتے اور وہ غریب حسن کی دیویوں کو مال و دولت سے نہال کر دیتے۔ ہاں البتہ عصمت کا نگینہ ہمیشہ کے لیے چکنا چور ہو جاتا لیکن جب اسے پن خیال کیا جائے تو کسی کو انگشت نمائی کی جسارت نہیں ہوتی۔ غریب کی بیٹی تو کبھی کبھی شرفِ قبولیت پاتی۔ کیوں کہ ان میں حسن و رعنائی اور تمازت تو ہوتی۔ مگر وہ شوخیاں، وہ چونچال اور سرمستیاں جو حسن کا خاصہ ہیں وہ کہاں۔ یہ بے چاریاں حسن وصورت کی بے حس مورتیاں ہاتھ

Marfat.com

جوڑے پروہت جی کے چرنوں میں بیٹھی اپنی جوانی سرد کر لیتی تھیں۔

''ایک چینی سیاح لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ایک بھی گھر قسم کھانے کو بتوں خالی نہ تھا۔ بام راگیوں کے پلید اور حیا سوز مسلک نے ملک کے ہر حصہ میں مقبولیت ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ زنا کاری کے لیے مصریوں کی طرح اصول و قواعد مقرر داخل مذہب کر لیے تھے۔'' (تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص70)

مندر کے خاص کمروں میں حسیناؤں کے جھرمٹ میں پروہت اپنی ظاہر اور پرہیزگاری کا لبادہ اتار کے عصمت کی پرنیاں تار تار کر دیتا۔ ان لڑکیوں کے لیے راہ فرار نہ تھی۔ بڑے بڑے راجے اور مہاراجے نہ صرف دولت کے انبار پروہت کے کرتے بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی دیوی کے چرنوں کی بھینٹ چڑھا دیتے۔ دھرم کی آڑ میں پنڈت عشق و مستی کی ہولی کھیل رہے تھے اور ہندو آنکھیں موندے سب کچھ مذہب کے نام پر قربان کر رہے تھے۔

یہاں سیم و زر کی مورتیاں بن رہی تھیں اور حسن کے پیکر ان بے روح مورتیوں پر قربان ہو رہے تھے۔ خدا کا گیان دینے والے اور معرفت و روحانیت کی منازل طے کرانے والے سیم تنوں کی قیمت لگا رہے تھے۔ شراب میں مدہوش لڑکیاں پروہت جی کے گرد رقص کرتے ہوئے معرفت اور رمزیہ گفت گو کرتیں۔ حاضرین اسے پنڈت جی کی دیا کی تعریف کرتے۔ ''روح سے فیض''۔ ''یہ ایک ایسی وجدانی کیفیت (سکتہ یا حال) ہے جو کمزور مردوں پر بالعموم اور حسین عورتوں پر بالخصوص بیک نازل ہوتی ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص60)

لچھمی جی، سرسوتی جی، درگا جی کی مورتیوں میں حسین دوشیزائیں بیٹھ کر اپنی مسحور کن آواز سے فریاد رسی کرتیں اور شکستہ دلوں پر رسیلی آواز سے مسیحائی بکھیرتیں۔ سومنات کا مندر تو راجا اِندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔

شو جی کے ماننے والے جا بجا ان کے لنگ (عضو مخصوص) کی پوجا کر رہے تھے۔ خود سومنات کے مندر میں بھی لنگ ہی نصب تھا (اور اب تک نصب ہے) تمام مندروں میں ہزاروں دیوداسیاں رقص و سرود میں مصروف رہتیں۔ یہ سب مندر فحش کاری کے اڈے بنے ہوئے تھے۔'' (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص60)

برعظیم کی دولت سمٹ کر یہاں آتی تھی۔ یہ مندر راجاؤں کو مالی امداد اور حسن کی

Marfat.com

یا کرتے تھے۔ ہندوستان میں ایک سومنات نہیں، جگہ جگہ یہی ورد وظیفہ جاری تھا اور یک جگہ پروہت کی دیادشت حسن و جمال پر اور ہاتھ سیم وزر تک پہنچ رہا تھا۔ ناچ کے تام پر جب پروہت اور پجاری وہاں سے چلے گئے تو رُوپ متی کے اُستاد نے اس سے کہا۔ ''آج پروہت جی تم سے بہت خوش تھے مجھے یقین ہے کہ وہ کامنی کے بعد تم کو ر کی دیوی بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں''۔ (آخری معرکہ، ص376)

''روپ متی! مندر کی دیویاں جیتے جی مہادیو کے چرنوں میں کیسے پہنچ تی ہیں؟ رام ناتھ نے پوچھا! رام ناتھ ایسی باتیں سوچنا پاپ ہے''۔ (آخری رکہ، ص378)

''اگلی رات کے تیسرے پہر مندر میں ناقوس اور گھنٹیوں کی صدائیں اور ریوں کے بھجن اس بات کا اعلان کر رہے تھے کہ مندر کی دیوی مہادیو کے چرنوں میں چ چکی ہے''۔ (آخری معرکہ، ص380)

''کیسی گستاخی! تم مندر کی دیوی ہو اور میں تمھاری سیوا کے لیے ہوں، ہت نے یہ کہ کر دروازہ بند کر دیا اور کنڈی چڑھا دی۔ (آخری معرکہ، ص376)

ایسے واقعات ہر مندر ہیں روزمرہ کا معمول بن چکے تھے مندر کی دیوی بننے ے لیے ان مراحل سے گزرنا ضروری تھا۔ رقص و سرود سے پروہت کے جذبات ھارنے، کیف و مستی میں اپنے حسین و سڈول جسم کو پیش کرنا، اپنے نازک ہاتھوں سے ریں جام ہتھیلی پر رکھ کر مسکرانا، سینہ سے لگ کر نازک سے لب پروہت کے موٹے ٹے ہونٹوں پر رکھ کر اپنے آپ کو مہادیو کے چرنوں میں نچھاور کر دینا سعادت سمجھی تی تھی۔

''اس میں شک نہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لیے اپنی ندگی کو وقف کیے ہوئے تھیں۔ خاص کر شو جی کے مندروں میں یہ رسم عام تھی اور راجے ن مندروں سے خاصی آمدنی حاصل کرتے تھے۔'' (البیرونی) (مسلم ثقافت ہندوستان ں ص38)

گنگا اور جمنا اپنی روانی میں برعظیم میں اپنا جواب آپ ہیں۔ ہندو گنگا میں نہا کر اپنے پاپ دھوتے ہیں۔ دریاؤں میں گنگا جی اوّل درجے پر ہیں۔ جمنا دوسرے رجے پر۔ اور ''ہندو لوگ ان دونوں کو عورت کی صورت میں خیال کرتے ہیں۔ (رسوم

Marfat.com

ہند)

جس طرح ماں، بیوی، بہن اور بیٹی سراپا رحمت ہوتی ہیں۔ بعینہٖ گنگا
گنہگاروں کو اپنی گود میں لے کر نہلا دھلا کر، کنگھی کر کے گناہوں سے پاک کر دیتی ہے
بقول شخصے ہندوؤں نے گنگا سے بڑا دریا نہیں دیکھا اگر نیل وفرات دیکھ لیتے تو گنگا جی
تقدس بھول جاتے۔ ہندو گنگا جی کی دھرتی چھوڑنا گناہ خیال کرتے تھے لیکن انگریزوں
کے عہد میں سات سمندر پار کا سفر کرنے لگے۔ سمندر میں قدم شاید اس لیے نہیں رکھے
تھے کہ اس میں گنگا اور جمنا جی کا مقدس پانی ملا ہوا تھا۔

''پہلے گیان چند سجان سنگھ کو سب سے بڑے مندر میں لے گیا۔ وہاں دروازے کے سامنے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور ان میں سے سب سے اونچی سیڑھی پر رام چندر جی اور ان کے بھائی لچھمن جی اور استری سیتا جی کی مورتیں جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں اچھے اچھے کپڑے اور گہنا پہنے ہوئے رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری سیڑھی پر کرشن جی کے بچپن کی کئی پیتل کی مورتیاں دھری تھیں اور تیسری پر کالے پتھر جو کسی دریا سے نکلتے ہیں اور جن کو وشن جی کا اوتار جان کر سالگ رام کہتے ہیں، رکھے تھے۔ دائیں ہاتھ کی طرف ایک کوٹھڑی میں مہادیو کی پرنما دھری تھی۔ وہاں کے درشن کر کے گیان چند نے سجان سنگھ کو سب مندروں کے درشن کرائے۔ ایک میں بلدیو جی اور ان کی استری کی مورت تھی دوسرے میں گنگا جی کی، تیسرے میں کرشن جی اور رادھا جی کی، چوتھے میں لچھمی نارائن جی، جو وشن جی کے اوتار بدری ناتھ جی، چھٹے میں مہادیو جی کے اوتار کدار ناتھ جی، ساتویں میں ہنومان جی کی مورتیاں تھیں۔ ان بڑی بڑی مورتیوں کے علاوہ ہر ایک مندر میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مورتیں بھی تھیں اور کہیں کہیں تصویریں بھی لگی ہوئی تھیں اور بعض مندر شیشوں سے جگمگا رہے تھے''۔ (رسوم ہند ص 45)

ایک دوشیزہ اپنے دھنی سے ملنے کے لیے گنگا مائی سے مراد مانگ رہی ہے۔ کیوں کہ اس کا تعلق صنف نازک سے ہے اس لیے اسے دوشیزہ کے جذبات کی قدر ہے۔ ''ہے گنگا مائی! جو میرا دھنی آجاوے تو میں سو من دودھ کی دھار چڑھاؤں''۔ (رسوم ہند ص 51)

''جب کسی کے اولاد نہیں ہوتی یا ہو کر مر جائے ہے تو وہ کہتا ہے کہ جواب کہ میرا لڑکا ہو کہ جئے گا تو گنگا ماہی پر چڑھاؤں گا۔ سو یہ لوگ اپنے بیٹوں کو گنگا ماہی پر چڑھانے

Marfat.com

آتے ہیں۔ گنگا جی ایسی ہے جہاں سب آویں ہیں۔ دیکھ جب کسی عورت کا مالک مرجائے تو جب تک وہ اپنے رنڈاپے کے کپڑے گنگا جی میں نہیں ڈالتی تب تک پوتر نہیں ہوتی جس کے ماں باپ مرجائیں وہ بھی گنگا جی اشنان کرنے آوے ہے اور یہاں آن کر بھدر ہووے ہے اور پنددان کرے ہے اور بیٹی کا بیاہ کر کے بھی لوگ گنگا جی کے اشنان کرتے ہیں''۔ (رسوم ہند ص 57)

ہندوؤں کے تہواروں کی فہرست خاصی ہے ایک مختصر فہرست اور چند ایک کی تفصیل یوں ہے:

1۔ لوہڑی: موسم کی تبدیلی پر پورے بھارت میں منائی جاتی ہے۔

2۔ گنیش جنم چوتھ: اس دن گنیش جی کا جنم آدھی رات گزرنے پر چوتھ میں ہوا تھا۔

3۔ بسنت پنچمی: اس دن سرسوتی اور وشنو بھگوان کی پوجا ہوتی ہے۔

4۔ سیتا جنم اشٹمی: اس دن سیتا جی کا جنم جنک پوری میں ہوا تھا۔ استریوں کو پتی برت دھرم ملتا ہے۔

5۔ ہولی: موسم کی تبدیلی

6۔ بساکھی: اسدن گنگا اشنان کا بڑا مہاتم ہے۔

7۔ پرشرام جینتی: اس دن پراشرم کا جنم ہوا تھا اور اس کا پوجن ہوتا ہے۔

8۔ شنکراچاریہ جینتی: اس دن شنکراچاریہ جی نے اوتار دھارن کیا تھا۔

9۔ گنگا جنم ستمی: یہ دن گنگا جی کے جنم دھارن کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

10۔ کورم جیفتی: اس دن وشنو بھگوان نے کچھوے کا اوتار دھارن کیا تھا۔

11۔ گوتم جینتی: اس دن گوتم جی کا جنم ہوا تھا اور اسی دن ان کا پرلوگ گمن ہوا تھا۔

12۔ گنگا جنم دسمی: بدھ وار پچھتر میں گنگا جی سورگ لوک سے پرتھوی پر آئے تھے۔

13۔ بیاس پوجا: اس دن بیاس دیوی کا جنم ہوا تھا۔ گورو اور برہمن کا پوجن ہوتا ہے۔

14۔ ناگ پنچمی: اس دن ناگ (سرپ) کی پوجا ہوتی ہے۔

15۔ رادھا اشٹمی: یہ دن رادھا جی کے جنم دن پر منایا جاتا ہے۔

16۔ شری ہنومان جنم: منگل وار سلواتی پچھتر میکھ لگن میں انجنی کے گربھ سے پون پتر ہنومان کا جنم ہوا تھا۔

17۔ گوپ اشٹمی: اس دن شام کے وقت پھول کا ہار گئو ماتا کے گلے میں ڈال کراتے

Marfat.com

مٹھائی کھلاتے ہیں۔

''ہولی ماتا کیا ہووے ہے۔ ایک راچھش تھا، ہرناکس اس کا پوت ہرلاد سدا سدا رام رام جپا کرتے تھے۔ پر باپ یہ چاہے تھا کہ وہ رام کا نام نہ لیا کرے اور اس نے اپنی ساری نگری میں یہ ڈھنڈورا پھیر دیا تھا کہ کوئی رام کا نام لے گا اس پر بہت ساڈنڈ ڈالا جائے گا۔ تو جانے ہی ہے ٹھاٹرے کا راج سر پر، سب مان گئے پر اس کے پوت نے جو رام کا نام تھا نہ مانا۔ پھر تو راچھش کو کرودھ آیا اور من میں بچارا، جو یہ کسی طرح مر جائے تو اچھا ہے۔ پہلے تو اسے ایک پہاڑ سے نیچے ڈال دیا، پر وہ نہ مرا۔ پھر اور اپائے کیے پر کچھ نہ ہوا۔ نران اس کی بہن بولی، لاؤ میں اس کو آگ میں لے کر بیٹھ جاؤں، میں تو بجر کی ہوں یہ جل جائے گا۔ میں نہیں جلنے کی۔ پر بھئی! رام کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تو جل گئی اور رام نے ہرلاد کو بچالیا۔ تب سے لوگ ہولی کو پوجتے ہیں۔ جب ہولی پھک چکی اور آگ میں سے شعلے اٹھنے بند ہو گئے تو ایک شخص جلتا ہوا اُپلا اپنے ہاتھ میں لے کر کسی کوئیں کی طرف دوڑا اور ایک سانس میں وہاں ڈال کر الٹا چلا آیا اور آتے جاتے کہیں دم نہ لیا۔ اس عمل سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح یہ جلتا ہوا اپلا ٹھنڈا ہوا ہے اسی طرح ہم بھی ٹھنڈے رہیں۔ بعض آدمیوں نے ان ہاروں کی راکھ جو لڑکوں نے ہولی پر چڑھائے تھے۔ تبرک سمجھ کر اس غرض سے اپنے پاس رکھ چھوڑی کہ جب کسی کے سر میں درد ہو تو وہ اس کے ماتھے پر لگا دیں اور جو بالیں جاٹوں نے ہولی کی آگ پر بھونی تھیں ان کے دانے ہر ایک شخص نے اناج کی کوٹھی میں ڈال دیئے کہ کسی طرح اس کی کمی نہ ہو۔'' عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر ہو بیٹھیں اور جو شخص ان کے مکان کے نیچے ہو کر گزرا اس پر رنگ ڈال دیا۔ بل کہ کیچڑ اور گوبر بھی خوب پھینکا۔'' (رسوم ہند ص 116-117)

ناگ پنچمی کا دن منانے کے لیے عورتیں اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتی ہیں اور گھر میں طرح طرح کے پکوان بنا کر جشن مناتی ہیں۔ ناگ پنچمی کو دن بھر برت رکھ کر شام کو بھوجن کیا جاتا ہے۔ اس دن گھر کی دہلیز کے دونوں طرف گوبر کا سانپ بنا کر گھی، دہی، دودھ، شہد، دھوپ، سپاری، دوروا سے ناگ پوجا کرنے سے سانپ وغیرہ کا خوف نہیں رہتا ہے۔

بدھ وار کیم تھتی کو آن کوٹ کے روز صبح تیل مل کر اشنان کریں۔ گئیو کا پوجن اور اپنی حیثیت کے مطابق پکوان بنا کر شری کرشن جی کی پوجا کرنی چاہیے۔ شام کو بلی پوجا کر

Marfat.com

کے دیپ دان کرنے کا ودھان ہے۔ دوج کو بھائی، بہن جمنا یا ندی پر جا کر اشنان کر کے سیم پوجا کریں، پھر بھائی بہن سے ٹیکا لگوا کر بہن کے یہاں چاول کھائے۔ بھوجن کے بعد بھائی بہن کو کپڑے گہنے دے کر خوش کرے۔

''بھر دیں چکر'' کے موقع پر مرد، عورت ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شرب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو، کوئی کسی دوسرے کی لڑکی کو اور کوئی کسی کی یا اپنی ماں، بہن، بہو وغیرہ کو پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کرتا۔''
(ستیارتھ پرکاش سوامی دیانند۔ گیارہواں سمولاس)

ہندو جس چیز میں کوئی خوبی دیکھتا ہے اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ گائے دودھ دیتی ہے اس سے بچے پلتے ہیں لہٰذا گائے ماتا ہے۔ دھرتی جس پر ہمارا بسیرا ہے یہ بھی ماتا ہے۔ پیپل کا درخت اور اس کی چھاؤں انسانی صحت کے لیے مفید ہے، لہٰذا وہ بھی مقدس ہے۔ ہندو کی فطرت طبیعت کی ضد ہے۔

''ہم نے کسی ہندو لڑکے کو جو اسلامی ملکوں میں نیا آیا ہو اور اس ملک والوں کے طریقے کا مشتاق نہ ہو، ایسا نہیں پایا جو اپنے آقا کے سامنے ہمیشہ کھڑاؤں کو اس کی اصلی وضع کے خلاف یعنی دائیں پاؤں والی کو بائیں کے لیے نہ رکھتا ہو۔ کپڑا الٹا نہ تہ کرتا ہو، فرش الٹا نہ بچھاتا ہو اور اسی قسم کی باتیں، جس کا سبب یہی ہے کہ اس کی فطرت میں طبیعت کی مخالفت ہے''۔ (البرونی، کتاب الہند ص ۱)

ہندو کی مذہبی اور ادبی زبان سنسکرت اور ہندی ہے اسی میں ان کے بھجن، ادب اور شاعری ہے، ہندوؤں کی اپنی تاریخ ہے جس میں انسانیت کا شجرہ ہنومان سے ملتا ہے ہنومان بندر کی شکل کا ہے۔ موجودہ انسانیت ہنومان کی نسل سے ہے۔

یہ سرو قد لالہ رخ اس کی نسل سے ہیں
کوئی ذی عقل بتائے ہم اس کی اصل سے ہیں
تشنہ

ہندوؤں کی اپنی تاریخ ہی پیچیدہ ہے جتنا کہ ان کا دھرم، ان کی تاریخ کا ہیرو وہ ہے جو اپنی مسکینی اور رہبانیت چھوڑ کر طاقت سے ٹکر لے لے۔ ہر غیر ہندو فاتح اور حکمران ان کا دشمن ہے جو ان سے بھڑ جائے وہ ان کی تاریخ کا اہم کردار ہے ان کی

Marfat.com

تاریخی شخصیات رانا سانگا، سیواجی اور میدانی راؤ وغیرہ ہیں۔

ہندو کے ماہ و سال کا شمار مسلمانوں سے الگ ہے ان کا سن بکرمی ہے جب کہ مسلمانوں کا سن ہجری ہے۔" یہاں کے مہینے چاند کے وسط سے شروع ہوتے ہیں ان کے نام یہ ہیں: چیت، بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں، کوار، کاتک، اگن، پوس، ماگ، پھاگن۔ (تزک بابری ص 202)

ہندو جب آپس میں ملتے ہیں تو نمستے اور رام رام کہتے ہیں جب کہ مسلمان السلام علیکم کہتے ہیں۔

ہندوؤں کا ایک پروٹسٹنٹ فرقہ سکھوں کا ہے جنھوں نے دیوتاؤں کے خلاف نعرہ بلند کیا۔ انھوں نے مسلم ثقافت اور ہندو ثقافت کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ "گویا گورو نانک کا دِلی ارادہ یہ تھا کہ تمام جہان میں ایک مذہب جاری ہو جائے اور فرقوں کا مذہبی اختلاف بالکل نہ رہے"۔ رسوم ہند ص 24

لیکن گرو گوبند سنگھ کے عہد میں سکھ صرف کنگھی، کرپان، کڑا، کیس، کچھا کے اسیر ہو کے رہ گئے ان کے خون میں پنجاب کی بہادری رچی بسی ہے۔" گرو چیلہ کھیڈن داؤ دا۔" کے مصداق ان کے مذہبی رنگ میں حرص و ہوا نے گھر کر لیا ہے۔

"بدھ مت کے اکثر آدمی ہندوؤں کے دیوتاؤں کو مانتے ہیں لیکن ان کا درجہ بدھ سے کم جانتے ہیں۔" جین اس مذہب کے لوگوں کا بھی بدھ کے مطابق یہ قول ہے، کہ خدا کچھ چیز نہیں اور اگر ہے تو اسے دنیا کے کاموں میں کچھ داخل نہیں"۔ (رسوم ہند ص 24)

خدا کی واحدانیت کا تصور ویدوں میں موجود ہے لیکن یہ ہندوؤں کی زندگی کا جزو لاینفک نہ بن سکا۔ وہ ہر طاقت کے سامنے سر جھکاتا رہا اور کس و ناکس کو اپنا ملجا و ماویٰ بناتا رہا۔

شرک سے کوئی ہندو محفوظ نہیں، سولھویں صدی میں مسلم آئیڈیالوجی رنگ لائی اور گورو نانک نے صوفیا کی زندگی کا روپ دھار لیا اور توحید کا پرچار کیا۔ اس طرح ہندوؤں کی کچھ تعداد خدائے واحد کو ماننے لگی لیکن رسالت کے مقدس مقام سے بے خبر رہ کر یہ بھی ہندو تاریخ کا ایک ورق ٹھہرے۔ ان کی بغاوت ہندوؤں کے پرپیچ تصورات اور پنڈتوں کے پرفریب اعتقادات کے خلاف تھی لیکن ان کی زندگی میں بھی شخصیت

Marfat.com

پرستی ہندوؤں سے کسی طرح کم نہیں۔ ان کی زندگی عبادت اور آخرت کا کوئی جوڑ نہیں ان کا خمیر ہندومت سے اٹھا ہے۔ انھوں نے ہندو تصورات سے سرکشی تو کر لی مگر دیوتاؤں سے کبھی بھی چھٹکارا نہ پا سکے۔ آج تک کسی سکھ نے پتھر کی مورتی کا کان پکڑ کر یہ نہیں کہا کہ تو صرف ایک پتھر ہے جسے پنڈت کی حیلہ گری نے اس بلند مقام پر پہنچا کر انسان کو اُس کے قدموں میں جھکا کر انسانیت کی توہین کی ہے۔

ہندو رُسوم پیدائش سے موت تک

ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے اسے مجوسی، آتش پرست اور ہندو وغیرہ بنانے میں والدین کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ثقافت اس پر اپنا رنگ چڑھاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے رسوم کی بیڑیوں میں گرفتار ہو کہ ایک مخصوص ثقافت کا رکن بن جاتا ہے۔ انسان رسوم کے زیر اثر ہوتا ہے اور یہ انسانی طرز معاشرت اور اظہار عمل کا نمونہ بن جاتا ہے۔

''رسم ساری دنیا میں اپنی پوری جزیات وتفاصیل کے ساتھ طرزِ عمل کا ایک مجموعہ ہے اس کا خاص اور اہم کردار عقائد و اعمال میں ادا کرتی ہے اور وہ لاتعداد شکلیں اور صورتیں ہیں جن میں یہ اپنا آپ ظاہر کرتی ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 12)

پیدائش سے ہی انسان رسوم کے جال میں جکڑا جاتا ہے اور ان کا نفوذ و اثر انسانی زندگی میں غیر ارادی طور پر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر یہ زندگی کا جز ولاینفک بن جاتا ہے۔ ''لمحہ ولادت ہی سے رسوم، جن میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے تجربے اور طرز عمل کی تشکیل کرنے لگتی ہے جب وہ بولنا شروع کرتا ہے تو اس وقت ثقافت کی پروُردہ ایک ننھی سی مخلوق بن چکا ہوتا ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 12)

ہر فرد ایک مخصوص ثقافت کا پروردہ ہوتا ہے جس میں رہ کر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ اپنی ثقافت سے فرار ہونے والا فرد ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ ''اپنی نوع کے افراد سے میل جول رکھنے سے ہی انسان کی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور کوئی واضح شکل اختیار کرتی ہیں''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 13)

انسان من حیث القوم اپنی ثقافت سے پہچانا جاتا ہے۔ ''جو چیز انسانوں کو حقیقی طور پر ایک دوسرے سے مربوط و تعلق رکھتی ہے وہ ان کی ثقافت ہے''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 25)

رسوم، ثقافت میں رگ وریشہ کا کام کرتا ہے۔ ثقافت کی تنظیم وارتباط سے ہی

Marfat.com

ممکن ہوتی ہے۔ رسوم کا عمل دخل انسانی زندگی میں پیدائش سے لے کر موت تک جاری و ساری رہتا ہے۔ روسو کہتا ہے: ''انسان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کپڑوں میں، جوان ہوتے ہی رسومات میں اور مرنے پر تابوت میں پابند کر دیا جاتا ہے۔''

ہندو لڑکے کی پیدائش پر اس لیے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ اس نے پہلے جنم میں ستم سہے، فاقہ کشی کی، رہبانیت کی زندگی بسر کی اور گیان دھیان میں وقت گزرا۔ اس لیے برہما جی نے خوش ہو کر اسے اس جُون میں پیدا کیا۔ لڑکی کی پیدائش پر اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ اس نے پہلے جنم میں ستم ڈھائے۔ رہبانیت کی زندگی بسر نہیں کی، اب اسے ستم سہنے، بچے جننے، مرد کی سخت سست برداشت کرنے، دنیا کی کلفتوں، کوفتوں کو برداشت کرنے کے واسطے صنفِ نازک کے روپ میں پیدا کیا۔

''آخر بہت دیر کے بعد لڑکا ہوا۔ اسی وقت ایک عورت زچہ خانے کے پاس جا کر تھالی بجائی۔ تا کہ آئندہ لڑکا کسی بھاری آواز سے نہ ڈرا کرے اتنے میں ایک عورت نے گوبر کی بہائی بنا کر زچہ خانہ میں رکھ دی'' (رسوم ہند ص 103-104)

اس کی شکل زچہ خانے میں اس طور سے بناتے ہیں کہ گوبر کے دو متقاطع خط بنا کران کے اوپر کے سروں پر آنکھوں کی شبیہ کے لیے دو کوڑیاں لگا دیتے ہیں۔ صورت کے بنانے اور اس کے پوجنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ دیبی بچوں کے کانوں میں ہمیشہ خوشی کی باتیں کہے۔ یہ دیبی بچوں کے کان میں کچھ باتیں کہ کر کبھی رلا دیتی ہے اور کبھی ہنسا دیتی ہے۔

عورت زچگی سے تمام گھر والوں کو ناپاک کر دیتی ہے اور ان کی پوجا پاٹ موقوف ہو جاتی ہے۔ 40 دن تک زچہ کسی کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ اور دس روز تک مرد بھی سالگرام جی اور سری کرشن جی سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔

''سالگرام جی اور سری کرشن جی (سے منہ چھپائے) کی مورتیوں کی پوجا جو پہلے 10 دن تک کسی اور کو بلا کر کرا لیا کرتا تھا اب آپ کرنے لگا''۔ (رسوم ہند ص 111-112)

دس دن بعد تین نہان اور ہوئے اور چلے کے نہان کے مونگا کو گنگا جل، گئو موتر اور کئی چیزیں ملا کر پلائیں۔ کیوں کہ ہندوؤں کے اعتقاد میں یہ چیزیں زچہ کو بالکل پاک کر دیتی ہیں۔ پھر تو مونگا گھر کے برتنوں کو ہاتھ لگانے لگی اور روٹی پکانے کے لائق

Marfat.com

بھی ہوگئی۔

بچوں کا ختنہ نہیں کراتے اور ان کے سر کے بال بڑھ کر ''مونڈن'' کراتے ہیں۔ بال گنگا جی کے حوالے کرتے ہیں۔ چیچک اور خسرہ وغیرہ کو ماں ماتا جان کر ان کا احترام کرتے ہیں اگر کوئی بچہ مونڈن سے پہلے مر جائے تو اسے جلاتے نہیں۔ ''لڑکا ستیلا سے مرا تھا اور اس کا مونڈن نہیں ہوا تھا اس واسطے اسے پھونکا نہیں۔ مرگھٹ میں جا کر دفن کرایا۔'' (رسوم ہندص 39)

ہندوؤں میں بیاہ کم عمری میں ہوتا ہے۔ بیاہ کے موقع پر بڑی شادی دکھاتے ہیں۔ ڈھول باجوں سے بارات لڑکی والوں کے گھر جاتی ہے۔ عورتیں ڈھولک پر گیت گاتی ہیں جو لڑکی کے حسن و جمال اور اس کے میکے والوں کی جود وسخا اور لڑکے والوں کی تضحیک اور لڑکے کی بدصورتی پر منحصر ہوتے ہیں۔ بارات کو خوش آمدید کہنے کے لیے عورتیں پیار و محبت کے پھکو سناتی ہیں۔ گوبر رنگ سے باراتیوں کے کپڑے لت پت کر دیتی ہیں۔ لڑکے دلھا کی وہ پٹائی کرتے ہیں کہ وہ ہفتوں اس کی ٹیس محسوس کرتا ہے۔

''اس نے آتے ہی چوک لپوایا اور اس پر ایک طرف آٹے سے نو خانے بنا کر ان میں چاول رکھ دیئے اور ایک مٹی کی ڈلی لے کر اس پر کلاوہ لپیٹا، پھر دلھا، دلھن کو دو پٹروں پر بٹھایا اور اس مٹی کی ڈلی کو گنیش اور نو خانوں کو نوگرہ قرار دے کر پوجا کرائی اور رولی، چاول، پھول، پان، بتاشے اور پیسے ان پر چڑھا دیئے۔ پھر گیان چند نے لڑکے کے دوپٹے اور لڑکی کی اوڑھنی کا ایک سرا لے کر دونوں کو ملایا اور اس میں چھالیہ کی ڈلی، چاول اور ٹکا رکھ کر گرہ باندھ دی۔ اس کے بعد پٹا پھیر کی رسم ہوئی۔ پاربتی کہنے لگی۔ ''دیکھ رے یہ پٹڑے آپس میں ٹکراویں نہیں جو ایسا ہوا تو من سکھی اور جیجا میں سدا کھٹا پٹی رہے گی''۔ (رسوم ہندص 31-32)

''ایک مکان کی دیوار کو ایک جگہ سے لپوا کر اس پر گیرو پھیرا اور پھر اس کے خشک ہوتے ہی ایک عورت نے ہلدی میں اپنا ہاتھ رنگ کر اس پر پنجے کا نشان کر دیا اور سب عورتوں نے اس کی پوجا کی۔ اس کو تھاپے کی رسم کہتے ہیں'' (رسوم ہندص 147)

''اس کے بعد وید کی کچھ عبارت پڑھ کر کروڑی مل سے گنیش اور نوگرہ کی پوجا کرائی۔ لڑکی کے ہاتھ پیلے کرائے، لڑکے کو انگوٹھی پہنائی۔ دلھن کی طرف پنڈت نے سنسکرت میں ایک عبارت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جہاں میں سب سے بڑی زمین

Marfat.com

ہے اور زمین سے بڑا سمندر ہے جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور اس سے بڑا اگت منی، جو سمندر کو پی گئے اور گت منی سے بڑا آسمان ہے جس میں وہ جگنو کی طرح چمکتے ہیں۔ ان سے بڑے وشن جی، جن کے ایک قدم کے برابر آسمان ہے اور وشن جی تھارے ہردے میں ہے تو سب سے بڑے تم ہی ہو"۔ (رسوم ہند ص 152)

عورت جس کا خاوند، اس کی زندگی میں مر جائے اس کو خصم کھائی، خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے خاوند کی موت پر ستی ہونا پڑتا ہے اگر وہ ستی نہ ہونا چاہے تو مسکینی اور بیوگی میں ساری عمر بسر کرے۔ اسے ہر ایک کی جھڑکیاں، طعن و تشنیع اور سخت سست سننا پڑتا ہے جس سے جان وبال بن جاتی ہے اور وہ ایسی زندگی سے ستی ہونے کو ترجیح دیتی ہے۔ مغلیہ دور میں عہد انگلشیہ میں ستی کو قانوناً ممنوع قرار دیا۔ لیکن بیوہ کی زندگی میں خوشی کے گل نہ کھل سکے اور وہ زندہ در گور ہی رہی۔ ہندوؤں کے رسم ورواج کے بارے میں البیرونی کتاب الہند میں رقمطراز ہیں کہ "ہمیشہ شادیاں کم عمری میں ہوتی ہیں مرد کو کثرتِ ازدواج کا اختیار ہے طلاق کی اجازت نہیں، نکاح بیوگان بھی ممنوع ہے۔" (آب کوثر ص 69)

جب ایک عورت کا خاوند مر جائے تو یا اسے تمام عمر بیوہ رہنا پڑتا ہے یا زندہ جل جانا۔ بالعموم وہ زندہ جل جانے کو ترجیح دیتی ہے کیوں کہ بیوگی کی حالت میں اس سے تمام عمر بدسلوکی ہوتی ہے۔

"من سکھی مر گئی تو انھوں نے جلدی سے اس کے منہ میں تھوڑا سا سونا اور گنگا جل ڈال دیا۔ کیوں کہ ہندوؤں کے اعتقاد میں اس عمل کے کرنے سے مردہ سیدھا سورگ میں چلا جاتا ہے۔" چنیری، کھاردا، تین بانس، ایک پولا، ستلی، رولی، کلاوہ، مہندی، چوڑی، مسی، کاجل کشا، ایک کوری ٹھلیا، جو کا آٹا، تل، دھوتی، انگوچھا اور ضروری چیزیں لایا اور اپنے ساتھ اچارج کو بھی لیتا آیا۔ وہاں آکر بانسوں کی آرتھی بنائی۔ اس کے اوپر پولا بچھا کر لال کپڑا ڈال دیا۔ لاش کو نہلا کر نیا جوڑا پہنایا۔ آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں مسی لگائی۔ سر میں تیل ڈال کر بال گوندھے، ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائیں اور ساری رسمیں جو سہاگن عورت کے مرنے پر کی جاتی ہیں پوری کیں اس کے بعد لاش کو ارتھی پہ لٹا دیا۔ پھر اس پر چنیری ڈال کر ستلی اور کلاوے سے باندھ دیا۔ اور پان، رولی اور پھول چنیری کے اوپر رکھے، لاش کو اٹھا کر رام رام ست ہے، کہتے ہوئے وہاں سے لے

Marfat.com

چلے، لاش کو لکڑیوں پر رکھا، اور اس کے اوپر سے چنیری اتار کر اچارج نے لے لی۔ اس کے بعد لاش کا منہ کھول کر اسے روشن کے درشن کرائے اور ارتھی کو آگ لگا دی۔ کھوپڑی پر آب خورہ گھی کا ڈالا۔ جب لاش جل کر راکھ ہوگئی تو ہڈیاں گنگا میں ڈال دیں"۔ (رسوم ہنود ص 76-77-78)

"دسویں روز اچارج نے آکر دس پنڈ واں کرائے اور پانچ رس یعنی گڑ، گھی، تیل، روئی اور نمک پنڈوں پر چڑھائے"۔ (رسوم ہنود ص 84)

ہندوؤں میں سرادھ کی رسم بڑی مشہور ہے۔ "ہندوؤں میں جب کسی کے ماں باپ مر جاتے ہیں تو وہ ہر مہینے ان کے نام پر ایک پنڈ دان کراتا ہے یعنی چاول، گھی، شہد، دودھ اور اس قسم کا چیزوں کا ایک لڈو بنا کر آگے رکھتا ہے اور منتر کے زور سے اپنے مرے ہوئے بڑوں کو بلا کر ان سے اس نذر کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے پھر برہمنوں کو بھوجن کراتا ہے اور اسی رسم کو سرادھ کہتے ہیں"۔ (رسوم ہنود ص 14)

"بوڑھے کی ارتھی یوں اٹھتی ہے۔ جب سب تیاری ہو چکی تو ہیرا اور مونگا نے مردے کے پاؤں پر ایک ناریل اور کچھ پیسے رکھ کر پوجا کی تا کہ اس کے قدموں کی برکت ان کے گھر سے نہ جائے"۔ (رسوم ہنود ص 121)

جب شام ہوئی تو چارج نے آکر اس مقام پر جہاں نہال چند مرا تھا۔ ایک بڑا چراغ جلایا اور گھر والوں سے کہا۔ اس دیئے کو دیکھتے رہنا یہ بجھنے نہ پاوے۔ اتنے میں ایک عورت نے پوچھا۔ مشر جی یہ دیا کیوں جلایا کرے ہیں؟ اچارج نے جواب دیا، جب پران یہاں سے نکل جاتا ہے تو اس کو اندھیرے سے جنگل میں جانا پڑتا ہے جو اس کے پاس دیا نہ ہو تو وہ رستہ ٹٹولتا ہی مر جائے"۔ (رسوم ہنود ص 124)

دس دن کے بعد "جب اس شریر میں سے جب پران نکل جائے ہے تو اس کا کوئی شریر نہیں رہتا اس لیے دس دن تک پنڈ دان کر کے اس کا ایک شریر بناتے ہیں۔ پر پورا شریر اس کو دسویں دن ملے ہے جب شریر بنا تو اس کو سب ہی چیزیں چاہئیں۔ اس واسطے گیارہویں دن اس کے نام پر یہ سب اسباب لحاف، توشک، پلنگ، نئے کپڑے، چاندی کا حقہ پالکی اور بہت سی چیزیں اچارج کو دی جاتی ہیں تا کہ اس کو پہنچ جاوے اور وہ کچھ دکھ نہ پاوے"۔ (رسوم ہنود ص 126)

ہندو اعتقاداً جونیں بدلنے کے قائل ہیں۔ لیکن عملاً مردے کو جلا کر اس کی بقا کو

Marfat.com

ختم کرتے ہیں۔ مردے کو جلا کر راکھ کر دیا جائے اور پھر اس کو گنگا جی میں بہا دیا جائے اور وہ سمندر کی تہ میں پہنچ جائے۔

وقالواء اذ ضللنا فی الراض ء انا لفی خلق جدید o

اور وہ بولے جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے۔

وہ سوچتے ہیں: من یحی العظام وھی رمیم o بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے یہ ان کی خام خیالی اور کم عقلی ہے وہ اپنے مردوں کو جلا کر راکھ پانی میں بہا دیتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ قادر مطلق دوبارہ زندگی بخشنے پر قادر ہے۔

وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ o اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

''منو جی کے دھرم شاستر کے موافق پرانوں میں یہ لکھا ہے کہ آدمی مرنے کے بعد سورگ یا نرگ میں جاتا ہے اور وہاں آرام یا تکلیف پا کر جونین بدلتا ہے''۔ (رسوم ہند ص 14)

............☆☆............

Marfat.com

چوتھا باب

ہندو مسلم ثقافت کا تقابلی جائزہ

گزشتہ باب میں ہندو مسلم ثقافت کا الگ الگ جائزہ لیا گیا ہے دونوں میں بعد المشرقین ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ 'ہندو اور مسلم تہذیبوں میں تضاد ہے اور ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔'' (آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان ص 56)

دونوں ثقافتوں کے دھارے ایک ساتھ بہتے ہوئے بھی ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوئے جب سے ہندوستان میں اسلامی ثقافت پہنچنے لگی اس وقت سے ہندو ثقافت نے اپنی مدافعت کے لیے قلعہ بندی شروع کر دی۔

محمد بن قاسم کی آمد سے جنگ آزادی (712ء۔ 1857ء) برعظیم کو سیاسی وحدت دینے کی بھرپور کوششیں ہوئیں۔ مگر معاشرتی طور پر کبھی یکجا نہ ہو سکے۔ سلطان محمود غزنوی کا درباری مؤرخ البرونی اپنی تصنیف ''کتاب الہند'' میں لکھتا ہے کہ:

ہندوؤں کا مذہبی جنون ان لوگوں کے خلاف ہے جنھیں وہ بیگانہ (مسلمان) سمجھتے ہیں۔ ان کے وجود کو وہ ناپاک تصور کرتے ہیں اور ان سے معاشرتی میل جول عام طور پر مذہبی تقاضوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس غیر جمہوری طریقہ بود و باش نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل کر دی ہے۔'' (دو قومی نظریہ ص 101)

دونوں قوموں کی ثقافت سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دونوں قوموں کے مذہب، فنون لطیفہ، لباس، خوراک، ظروف، طرز بود و باش، انداز گفتگو، سلام دعا، رسوم و رواج، زبان، شاعری، ادب، محاوارت وضرب الامثال، تاریخ، قانون، روایت وغیرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ''ہمارا مذہب، ثقافت، تاریخ، روایات، ادب، اقتصادی نظام، قوانین وراثت اور شادی کی رسوم وغیرہ ہندوؤں سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ یہ نمایاں امتیازات اور تفریقیں محض بڑے اصولوں تک محدود نہیں ہیں بل کہ زندگی کے جزوی تفصیلات میں بھی ان کا اثر غالب ہے۔ ہندو مسلمان اکٹھے بیٹھ کر کھانا نہیں

Marfat.com

کھاتے اور نہ ان میں باہمی ازدواجی تعلقات ہی قائم ہوتے ہیں۔ ہماری ملی رسوم، ہمارے سال و مہینے، دن حتیٰ کہ ہماری خوراک، لباس ایک دوسرے سے علاحدہ اور مختلف ہیں۔ ان ناقابل تردید حقائق کی موجودگی میں ہمیں سیاسی یا جغرافیائی حیثیت سے متحد کرنے کی کوششیں ہماری عظیم بربادی کا پیش خیمہ ہے۔" (تبصرہ ص 46)

ترکی کی محترمہ خالدہ ادیب خانم نے چودھری رحمت علی کا ایک :تریوا پنی ایک کتاب Inside India میں رقم کیا ہے۔

"ایک سرسری نگاہ بھی دونوں قوموں کے افراد میں تمیز کر سکتی ہے۔ لباس خوراک، ظروف، خانہ داری، طرز رہائش، انداز گفت گو، سلام دعا کے الفاظ، نشست و برخاست، اشارے کنائے، الغرض ان کی ہر بات ایک دوسرے سے مختلف ہے"۔ (ظہور پاکستان ص 9-10)

مسلمان خداوند تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان اور خدا کا پیغمبر مانتے ہیں۔ خیر البشر، سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں۔ قرآن و حدیث دو منابع اسلام ہیں جب کہ ہندو 33 کروڑ دیویوں اور دیوتاؤں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہنومان کو جد امجد خیال کرتے ہیں۔ بکرماجی، کرشن جی اور منوجی ان کے مذہبی راہ نما اور پیشوا گزرے ہیں۔ چار ویدان کی مذہبی کتابیں ہیں جو سنسکرت زبان میں ہیں۔

"روح انسان کو اللہ کا عطا کیا ہوا ایک ناقابل ادراک جوہر ہے۔"

جس سے یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ انسان کا حسب نسب حیوانات سے ملتا ہے" (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 14)

فنِ تعمیر کے لحاظ سے دونوں قوموں کی تعمیرات اپنی اپنی ثقافت کا نمونہ ہیں۔ مسلمانوں کی مساجد کشادہ، ہوادار ہوتی ہیں۔ محراب اور گنبد ان کی ثقافت کے علمبردار ہیں۔ ہندو کے مندر تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ برج ان کی ثقافت کی علامت ہیں۔

"گوالیار کے بت خانہ کی بڑی شہرت سنی تھی اس کی بھی سیر کی۔ بت خانہ دوہرے اور تہرے دالانوں پر مشتمل تھی۔ جس کے اندر مجسم بت کندہ کیے گئے ہیں۔ وسط میں ایک بڑا برج ہے جس کے کمرے بھی مدرسوں ایسے ہیں۔ ہر کمرے کے اوپر سے تراشی ہوئی برجیاں نصب ہیں ان برجیوں کے نیچے پتھروں سے تراشے ہوئے بت رکھے ہیں۔" (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 14)

Marfat.com

مسلمان، لباس اور خوراک کے اعتبار سے مختلف ہیں مسلمان گوشت کھاتے
ہیں۔ بقرعید پر گائے، اونٹ اور دنبہ وغیرہ کی قربانی دے کر سنت ابراہیمؑ کو تازہ کرتے
ہیں۔ جب کہ بہت سے ہندو گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ بل کہ گائے کی پوجا کرتے
ہیں۔ "جانوروں میں گائے، اس طرح مقدس ہے جس طرح انسان میں برہمن"۔
(تزک بابری ص 257)

مسلمان گائے کا گوشت کھائے اور ہندو گائے کی پوجا کرے۔ کوئی ہندو یہ
کیوں کر برداشت کرے گا کہ مسلمان اس کی ماں ماتا کی گردن پر چھری رکھے اور پھر
چٹخارے لے لے کر اس کا گوشت کھائے۔

"ہم ہندو اور مسلمان ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ہم مذہب
میں، تہذیب وتمدن، تاریخ میں، زبان میں، طرز تعمیر میں، موسیقی میں، قانون اور اصول
قانون میں، کھانے پینے میں، معاشرت میں، لباس میں، غرضے کہ ہر چیز میں ایک
دوسرے سے مختلف ہیں"۔ (ظہور پاکستان ص 10)

مسلمان جب ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں۔ الحمدللہ، سبحان
اللہ، اللہ اکبر کے جملے شکر، ثنا اور حمد کے طور بولتے ہیں اور ہندو جب ایک دوسرے کو ملتے
ہیں تو رام رام، رام کی جے اور رام کی کرپا وغیرہ بولتے ہیں۔

ہندو مسلم رسوم و روایات میں بڑا فرق ہے۔ ہندو اپنے تہوار بکرمی سالوں کے
حساب سے مناتے ہیں اور ان کے تہوار بسنت، ہولی، دیوالی وغیرہ ہیں، مسلمان اپنے
تہوار اسلامی سالوں کے شمار سے مناتے ہیں مسلمانوں کے تہوار شب قدر، عیدالفطر،
بقرعید وشب معراج ہیں۔

بیاہ کی رسوم ہوں یا تجہیز و تکفین کا معاملہ ہو، دونوں قوموں کے طور طریقے جدا
جدا ہیں۔ مسلمان بیاہ میں حق مہر کی رقم مخصوص کرتے ہیں خطبہ عربی زبان میں ہوتا ہے۔
مرگ ہونے پر مسلمان مرد اور عورت ہر دو صنف کو لحد میں دفناتے ہیں۔ ہندو اپنے
مردوں کو ارتھی پر جلاتے اور راکھ کو گنگا جی کے سپرد کرتے ہیں۔ بیاہ میں دلھا کے دوپٹے
اور دلھن کی اوڑھنی کو گرہ دے کر سنسکرت زبان میں وید پڑھتے ہیں۔

"اگر کوئی اجنبی شخص کسی عورت کے شوہر کی رضا مندی سے اس عورت کے
ساتھ مجامعت کرتا ہے اور اس سے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بچہ شوہر کا تسلیم کیا جاتا ہے
کیوں کہ عورت زمین ہے اور زمین کا مالک اس کا شوہر ہے زمین میں بیج کوئی بھی

Marfat.com

ڈالے، پیداوار پر حق تو مالک ہی کا ہوگا۔'' (البیرونی)

(مسلم ثقافت ہندوستان میں ص 27

ماتم کی رسوم ہوں یا بیاہ کی، جنسی خواہشات کی تکمیل ہو یا پیدائش کی رسوم، ہن
مسلم دو الگ ثقافتوں سے وجدان پاتے ہیں۔ مسلمان بچہ پیدا ہوتے ہی اذان کی آوا
بچے کے کان میں پہنچاتے ہیں۔ ختنہ کراتے اور عقیقہ کے بکروں کا گوشت تقسیم کر
ہیں۔ ہندو بچہ پیدا ہوتے ہی کٹورا بجاتے ہیں، ختنہ نہیں کراتے اور عقیقہ کے نام کی کو
قربانی ان کے ہاں نہیں ہے۔

عبادت کے طریقے بھی مختلف ہیں مسلمان عبادت کے لیے اذان کی صد
لگاتے ہیں جس میں اللہ اکبر اور محمد رسول اللہ کی گواہی کے ساتھ ساتھ حی علیٰ الصلوٰۃ، حی علی
الفلاح کی آواز لگائی جاتی ہے۔ نماز سے قبل وضو کیا جاتا ہے۔ وضو کا ایک خاص طریقہ
ہے نماز میں قیام، رکوع اور سجود کیے جاتے ہیں۔ عبادات سنت رسول ﷺ اور فرمان
خداوندی (قرآن مجید) عربی میں ہیں۔ یہی مسلمانوں کو جسد واحد اور سیسہ پلائی ہوئی
دیوار بناتے ہیں۔

''وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی
طرح ہیں، وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس
سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی
کتاب عظیم قرآن کریم ہے''۔ (حکومت اور سیاست ص 12) قائد اعظم 1943ء

ہندو مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ مندر میں بلانے کے لیے ناقوس
اور گھنٹیاں بجتی ہیں، بھجن گاتے ہیں۔

مسلمان عربی زبان کو مقدس جانتے ہیں کیوں کہ یہ قرآن و حدیث کی زبان
ہے۔ مغل شاہجہانی دور میں اُردو نے جنم لیا یہ زبان مغل لشکر میں بولی جاتی تھی۔ لشکر میں
ترکی، ایرانی، افغانی سب مل کر رہتے تھے اور باہمی افہام و تفہیم کے لیے جو مشترکہ زبان
بولتے تھے، وہ اردو کہلائی۔ جس نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور آج دنیائے عالم
میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں تیسرے درجے پر ہے۔

ہندو کی مقدس زبان سنسکرت ہے ہندی برعظیم میں ہندوؤں کی زبان ہے۔
جس طرح ہندو ذات پات کا نظام سختی سے قائم رکھتے ہیں اور غیر ہندو اچھوت کہلاتا ہے۔
اسی طرح ہندی زبان میں بھی دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے اور اپنانے کی کم ہی

Marfat.com

لاحیت ہے۔

''ہندو سماج کے دائرہ سے باہر پیدا ہونے والا حقیقی معنوں میں ایک اچھوت
ہوتا ہے۔اس لیے یہ بات کسی صورت باعث حیرت نہیں کہ ہندومت میں غیر کو جذب
کرنے کی کوئی خاص کوشش روانہیں رکھی جاتی'' (ظہور پاکستان ص 11)

ادب ہو یا شاعری، دونوں کی تخلیقی پرواز اپنی ثقافت کی روح اور مزاج سے
فیض لیتی نظر آتی ہے مسلمانوں کی مذہبی شاعری حمد،نعت اور مرثیہ،امام حسینؓ شہید کربلا پر
مشتمل ہے۔ہندوؤں کو ایسی اصناف سخن سے کوئی علاقہ نہیں۔

''یہ لوگ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے
تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بل کہ اکثر متصادم ہوتے
رہتے ہیں۔(حکومت اور سیاست ص 50)

(قائداعظمؒ مارچ 1940)

برعظیم کے مسلمانوں کی ترجمانی کا حق اُردو زبان نے ہی ادا کیا ہے۔اس میں
تمام اصناف سخن مسلمانوں نے سمونے کی کوشش کی ہے۔ برعظیم کے مسلمانوں کی مفسر
زبان اُردو ہے۔

''اُردو کو تحریک پاکستان میں بنیادی اہمیت حاصل تھی بل کہ سچ تو یہ ہے کہ
سب سے پہلے اُردو کی بدولت ہی اسلامیان ہند کو یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ متحد ہندوستان
میں ان کی ثقافت اور جداگانہ قومیت محفوظ نہیں ہے۔اُردو کے بارے میں ہندوؤں کے
معاندانہ رویے نے سرسید کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ برعظیم میں ایک قوم نہیں بل کہ دو
قومیں بستی ہیں اور ان کے راستے الگ ہیں''۔(''مقتدرہ قومی زبان'' روزنامہ جنگ
کراچی)

تقسیم بنگال اور اُردو ہندی نزاع نے ہندو تعصب طشت از بام کر دیا۔'' یہ
وقت ہندو قومیت کا ممنون ہے کہ اس نے مسلمان کے گال پر تھپڑ مار کر اسے چونکا دیا''۔
(تاریخ مسلم لیگ ص 99)

یوں ہندی ہندوؤں اور اردو مسلمان کی زبان قرار پا کر دو مختلف مزاجوں کے
تحت پروان چڑھنے لگیں۔ 1867ء کے بعد پہلے بہار میں اور پھر یوپی اور دہلی میں زور
پکڑتا رہا کہ سرکاری دفتروں سے اُردو کو خارج کیا جائے''۔(مارشل لا سے مارشل لا
تک)

Marfat.com

حالاں کہ اُردو نے اس سے قبل مسلمان ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا تھا جس طرح ہندوؤں نے مسلم ہند کو پاکستان بنا دیا اس طرح اُردو کو بھی مسلم زبان قرار دے اور اسی زبان کشی رویے نے ہندو مسلم یک جہتی کو ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دیا۔ اُردو ابتداءً لشکر سے ہوئی اور لشکری زبان اُردو کہلائی۔ لشکر میں کئی بولیاں بولنے والے تھے ا شاہ جہانی کے عہد کی یہ رابطہ کی زبان ایک جاندار زبان بن کر سب زبانوں پر چھا گئی۔

''مسلمان ہر ایک حق تلفی اور زیادتی کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے لیکن دو باتیں ان کی برداشت سے باہر ہو گئیں۔ ایک شدھی سنگھٹن تحریک کے ذریعے تبدیلی مذہب پر مجبور کیا جانا اور دوسرے اُردو زبان کا ختم کیا جانا جو اسلامی علوم وفنون او ثقافت کی امین اور قومی تشخص کا نشان تھی''۔ (قرارداد پاکستان کا تعلیمی اور ثقافتی پس منظ (نوائے وقت کراچی)

فتح ونصرت کی خواہش انسانی زندگی کو ایک عزم اور حوصلہ دیتی ہے۔ تاریخ اقوام کو ان کے آبا واجداد کے کارناموں، ثقافت اور تصورات سے آگاہ کرتی ہے او قوموں میں جینے کا سلیقہ اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔

''ثقافت کے پیچھے طویل و یکساں تاریخ ہے اور اس تاریخ کے علم کی خاص ضرورت اس لیے ہے کہ دونوں کی ثقافتی زندگی بالکل مختلف ہے''۔ (حکومت او سیاست ص50)

حیات وممات کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات وتصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں ان کے تاریخی ماخذ مختلف ہیں۔ دونوں کی رزمیہ نظمیں، اسلاف کے قابل فخر تاریخی کارنامے، سب جدا اور الگ ہیں اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔

''قوموں کو تاریخ وجود میں لاتی ہے نہ کہ نسل یا قبیلہ''۔ قائداعظم

قانون وراثت ہو یا تحفظ روایات ہو، دونوں قومیں مختلف سرچشمہ حیات سے فیض پاتی ہیں۔ مسلمانوں میں لڑکے اور لڑکی کا ورثات کا 1:2 کا تناسب ہے لیکن ہندوؤں میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں۔ مسلمان بیوہ وراثت اور ترکہ سے اپنا حصہ پاتی ہے لیکن ہندوؤں میں بیوہ کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے۔'' حال ہی میں بھارتیہ قومی اسمبلی

Marfat.com

نے لڑکے اور لڑکی کو وراثت میں برابر کا حصے دار قرار دیا ہے۔''
''مسلمانوں نے ہمیشہ اس احتیاط کو ملحوظ رکھا کہ فکر و نظر کا اساسی نظام نو وارد عناصر سے مسخ نہ ہونے پائے تا کہ اسلامی نظام فکر کی ہیئت ترکیبی اپنے بنیادی ماخذ اور منابع سے سرتابی نہ کرتے ہوئے اپنی ملی ملحوظ کو برقرار رکھ سکے''۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں ص 22)

دونوں قوموں کے ثقافتی تقابلی جائزہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ دونوں قومیں الگ ثقافت کی الگ الگ مالک تھیں اور دونوں میں کوئی وجہ اشتراک نہ تھی۔ اس ثقافت نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ ابتداء سے ہی اپنے محلے الگ بنائیں اور وہاں اپنی ثقافت کو محفوظ رکھیں۔ بڑے شہروں کے یہ محلے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے فطری انداز سے اپنی ثقافت کی حفاظت کی اور ہر شہر میں اپنا قومی تشخص قائم رکھا۔ ان محلوں کی تہذیب، ان کا اشتراک عمل اور تعاون یہ ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں بھی کئی پاکستان الگ الگ خطوں میں قائم کر رکھے تھے جو 1947ء میں پاک سرزمین میں منتقل ہوگئے۔

ہندو مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے اس نے نہ صرف اپنی ثقافت کو فاتحین کی دست بُرد سے بچائے رکھا بل کہ جنگ آزادی کے بعد مسلم ثقافت کو زک دینے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ہندو کھل کر اس وقت سامنے آیا جب مسلمانوں سے اقتدار چھن چکا تھا اور وہ بے بسی اور مجبوری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔
''شدھی سنگھٹن تحریک کے ذریعے تبدیلی مذہب پر مجبور کیا جانے لگا''۔ (نوائے وقت (سید الطاف بریلوی)

مسلم عروج کے زمانے میں ہندوؤں نے تعصبات میں شدت پیدا کی اور عہد زوال میں مسلم ثقافت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔
''ہندو طبعاً دشمن اسلام ہے اس کی سرگرمیاں مسلمانوں کے خلاف ابتدا سے تند و تیز ہیں، جیسے جیسے برعظیم میں مسلمانوں کی حیثیت مستحکم ہوتی گئی، ہندوؤں کے مذہبی تعصبات بھی شدت اختیار کرتے گئے۔'' (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں۔ ص 99)

ہندو ذہنیت کی بہترین عکاسی کرنے والا مشہور ہندو صحافی فراد چودھری اپنی کتاب میں لکھتا ہے:
''ہم ابھی لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے کہ ہمیں یہ بتلایا جاتا تھا کہ مسلمانوں

Marfat.com

نے ہم پر حکومت کی تھی اور ہم پر بے حد مظالم ڈھائے تھے انھوں نے اپنے مذہب کو ایک ہاتھ پر قرآن رکھ کر اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر پھیلایا ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے ہماری عورتوں کو اغوا کیا اور ہمارے مندروں کو منہدم کیا اور ہماری مذہبی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی۔"

"The Autabiography an unknown indian"

ہندومت ایک مذہب ہے لیکن اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر شعبہ میں زندگی گزارنے کے لیے ایک مخصوص ضابطہ (Code) اور لائحہ عمل بخشتا ہے اور اس مین نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ساتھ ساتھ سیاست و معیشت، عدل و عمرانیات، روزمرہ زندگی کے معاملات و لین دین سب ہی شامل ہیں"۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں۔ ص 99)

"دونوں قوموں کے اسلوبِ زندگی میں فرق ہے۔ مسلمانٌ خوش لباس اور طہارت کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ مسلمانوں کی خوراک میں گوشت اہم جزو کی حیثیت سے شامل ہے لیکن ہندو جسم کی طہارت اور خوراک کے معاملے میں مسلمانوں کی ضد ہے اس کا خیال ہے کہ گوشت کھانے اور موئے زہار دور کرنے سے شہوت بڑھ جاتی ہے۔ بقول کسے! اگر شہوت خوراک اور طہارت سے بڑھ جاتی ہے تو شیر گوشت خور ہے اور سال میں ایک بار اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے جب کہ چڑا چڑیا ایک ہی صحبت میں کئی بار ملاپ کرتے ہیں۔"

"یہ لوگ اپنے جسم کے کسی حصے کے بال نہیں تراشتے۔ ابتدا میں گرمی کی شدت کے باعث بالکل ننگے رہتے تھے اور سر کے بال اس لیے نہ تراشتے تھے کہ لو لگنے سے محفوظ رکھیں وہ اپنی مونچھوں کو ایک ایک لٹ میں تقسیم کرتے ہیں تا کہ وہ محفوظ اور برقرار رہیں۔ موئے زہار دور نہ کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کو مونڈنے سے شہوت بڑھ جاتی ہے وہ ناخنوں کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتے بل کہ مزے سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ان ناخنوں سے اپنے سروں کو کھجاتے ہیں اور بالوں سے جوئیں نکالتے ہیں"۔ (البیرونی مسلم ثقافت ہندوستان میں ص 35)

..........☆☆..........

Marfat.com

پانچواں باب

قومیت اور قوم

برعظیم میں مسلم قوم کا مزاج اپنا ہے تو ہندو قوم کی اجتماعی زندگی کی روح اس سے بالکل مختلف ہے۔

''ایک طرف حقیقت مطلقہ، سچے مومن، وحی والہام اور خدا کے وجود کا مسئلہ تھا تو دوسری طرف گناہ کبیرہ، فرضی اساطیر، خبیث ارواح اور شیطان کا۔ ان دو مختلف و متضاد گروہوں کے رویوں میں کسی طرح مساوات قائم کی ہی نہ جاسکتی تھی''۔ (قدیم تہذیب اور جدید انسان ص 19)

جب سے مسلمانوں نے برعظیم میں قدم رکھا ہے ہندوؤں نے اپنی ثقافت کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے چھوت چھات کی پابندیوں کو سخت کر دیا تاکہ مسلمانوں سے ان کا تعلق کم سے کم تر ہو جائے۔ مسلمانوں کو اچھوت اور بھرشٹ قرار دے کر ہندو قومیت کے ڈانڈے متعین کر لیے۔

''کھانے پینے کی جس شے کو مسلمانوں کا ہاتھ چھو جاتا وہ بھرشٹ ہو جاتی۔''

''ذات پات کے عادی ہندوں کے لیے غیروں سے امتیازی سلوک ویسا ہی فطری عمل ہے جیسا کہ ہوا میں سانس لینا''۔ (ظہور پاکستان ص 13-16)

مسلمان برعظیم میں فاتح کی حیثیت سے آئے تھے ان میں عرب، افغان، ترک، فارس، تاتار اور مغل شامل تھے۔

"The Muslems community in the subcontinent comprised conquerors, immigrants or diverse races and the native consorts"- (Praching of Islam, P-256)

کیوں کہ یہ سب ایک اللہ کو مانتے تھے اور آخری نبی ﷺ کے امتی تھے اس لیے ان میں رنگ و نسل کا امتیاز مسلم قومیت بننے میں مانع نہیں ہوا۔ مسلمان بے شک

Marfat.com

حکمران تھے لیکن برعظیم میں ہمیشہ اقلیت ہی میں رہے۔

''مسلمان برعظیم میں فاتحین کی حیثیت سے آئے تھے۔لیکن ہندوؤں کے مقابلہ میں ہمیشہ ایک اقلیت میں رہے۔اپنے تحفظ کے لیے انھیں ہر وقت بیدار رہنا پڑا۔اس بیداری نے سماجی سطح پر مسلمانوں کو زندہ سلامت رکھا۔'' (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں ص99)

مفتوح اور فاتح قومیں ایک دوسرے سے پہلو بچاتی رہیں۔مفتوح قوم نے اپنی ثقافت کا دامن سمیٹ لیا تو فاتح قوم نے اپنی ثقاف کی حفاظت کا حق ادا کیا۔اس طرح برسوں کی قربت نے بھی دونوں کو ایک تمدن کا رکن نہ بنایا۔

برعظیم میں ہندوؤں کی قومیت کی تاریخ آریا قوم سے شروع ہوتی ہے جنھوں نے حملہ کر کے مقامی باشندوں کو اچھوت بنایا۔ان کے نزدیک فاتح قوم خدائی صفات کی مالک تھی۔پے در پے فاتحین کے حملوں نے انھیں طبقات میں تقسیم کر دیا۔

"The main thing in their life was caste system upon which their whole system of Philosophical, Theological and cultural value and thought was based." (Two Nation Theory P.256)

مسلمان مختلف قبیلوں سے تعلق اور نسلوں سے روابط رکھتے ہیں۔

"Islam is neither nationalism nor imperialism but a lerague of nations. (The Reconstraction of Religions. P.224)

جو بھی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیتا ہے وہ اس ملت میں شامل ہو جاتا ہے۔ہندو مسلم قلوب مختلف جذبات و کیفیات سے دھڑکتے ہیں اس لیے ان کا ایک قوم بن کر رہنا محال تھا۔قوم بننے کے لیے سوچ کے دھارے یکساں سمت میں بہنے ضروری ہیں۔جے۔اے روز،قوم کی تعریف یوں کرتے ہیں:

A union of Hearts once made never unmade. (Two Nation theory. P.48)

قومیت کی پیدائش تعمیر اور بقا کے لیے مندرجہ ذیل عناصر ضروری سمجھے گئے ہیں:

Marfat.com

ا: مادی عناصر: نسل، وطن، سلطنت، اقتصادی حالت
ب: غیر مادی عناصر: زبان، مذہب، قومی ادب، روایات، تعلیم، تمدن و تہذیب، قانون، علم، قوم بننے کی خواہش' (آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان، ص26)

اسلام کی دعوت بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اس میں رنگ و نسل، قبیلہ، زبان اور جغرافیائی حدود و قیود کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ علامہ اقبالؒ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر یوں ڈالتے ہیں:

''مسلمان اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی۔ بل کہ ہم لوگ اس برداری میں ہیں جو جناب رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمائی ہے''۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، ص48)

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
(اقبالؒ)

ہندو اپنی قومیت کا خمیر ہندوستان سے اٹھاتا ہے اس کے نزدیک ایک خطہ میں پیدا ہونے والے سب افراد ایک قوم ہوتے ہیں۔

''ایک نیک کام میں مسلمانوں کی مدد کرنا، ہندوستان کی خدمت کرنا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان اور ہندو ایک ہی خون سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ ایک ہی ماں (بھارت ماتا) کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں''۔ (ینگ انڈیا) گاندھی جی 28 جولائی 1921ء) (حکومت اور سیاست ص17)

گاندھی جی ہندو مسلم اشتراک ''بھارت ماتا'' بتاتے ہیں۔ حالاں کہ اچھوتوں کا برعظیم کی دھرتی میں پیدا ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اگر ہندو کو مسلم مخالفت نہ کرنا ہوتی تو آج تک اچھوت ہندو کا بھائی نہ بنتا۔ ''ہندو سوسائٹی میں مسلمانوں کے تمدنی اثر کی بدولت ذات پات کے بندھن ڈھیلے پڑے''۔ (تاریخ مسلمانان عالم ص659)

ذات پات کے پجاری پنڈتوں نے کبھی بھی انھیں ہندوؤں میں شامل نہیں

Marfat.com

سمجھا علامہ اقبال نے فرمایا: ''مسٹر گاندھی کا اچھوتوں کو یہ پیغام ہے کہ ہندو دھرم کو مت چھوڑو، ہندو مت میں رہو، لیکن ہندو بننے کی کوشش نہ کرو''۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی (دوقومی نظریہ)

ہندو کی یہ چال تھی وگرنہ جو اچھوت کو ہندو قوم میں شامل نہ سمجھے وہ مسلمانوں کو کب اپنی قومیت کا رکن ماننے کو تیار تھا۔ ''محض ایک ہی ملک یا خطے میں رہنا قوم بننے کے لیے کافی نہیں''۔ (قوم اور قومیت ص 12)

ہندو اور مسلم قوم خارجی حالات اور داخلی و روحانی خصوصیات کے اعتبار سے قطعاً مختلف ہیں۔ ان کا داخلی اور روحانی فرق ان کی ثقافت میں جھلکتا نظر آتا ہے اور یہی فرق ان کو دو مختلف قومیں جُدا کرتا ہے۔ اسلام وحدتِ انسانی کو روح انسانی میں تلاش کرتا ہے جب کہ ہندو گوشت پوست اور مخصوص خطہ ارضی میں تلاش کرتا ہے۔ برعظیم سے باہر پیدا ہونے والی بنی نوع انسان سے اسے کوئی سروکار نہیں اسی نے ہندو کو متعصب اور تنگ نظر کر دیا ہے۔

''کائنات میں انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے''۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، ص 67)

مسلمان سب کے سب ہندوستان کے قدیم باشندے نہیں ہیں۔

"16th years after the Demise of Prophet (SAW) an arab expeoition was sent in to sind." (Preaching of Islam, P.256)

اور جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ بھی ہندی ثقافت سے کٹ کر مسلم قومیت کے رکن بن گئے ہیں۔

محمد بن قاسم سے لے کر تقسیم ہند تک دونوں قومیں اپنی انفرادیت میں منفرد و یگانہ رہیں۔ دور انگلشیہ میں دونوں قوموں کو من حیث القوم سوچنے کا موقعہ ملا اور دونوں کے اختلاف وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے اور سرسید احمد خاں یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

''اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی، ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔'' (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص 6)

Marfat.com

مسلم قوم کو قومیت کا شعور برعظیم میں قدم رکھتے ہی شدت سے ہو گیا تھا۔ اسے ایک جذبہ اور احساس میں منظم کرنے والے برعظیم میں سرسید احمد خاں ہیں اور اسے مسلمانوں کی استحسانی قوت میں داخل کرنے والے علامہ اقبالؒ کی شخصیت ہے:

ہندوستان میں سب سے پہلے یہ خیال سرسید کے افق ذہن سے ابھرا کہ اس ملک میں الگ الگ نظریہ حیات کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دیر تک اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ کچھ عرصہ بعد حقیقت شناس اقبالؒ نے ان ہی خیالات کا اظہار کیا''۔ (نظریہ پاکستان ص 1)

برعظیم کے مسلمانوں میں سوائے خطہ ارضی کے اشتراک کے کوئی وحدت و یک رنگی نظر نہیں آتی۔

''قدیم الایام سے اقوام ''اوطان'' کی طرف ''اوطان'' اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں، ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں۔ ہم سب کرۂ ارض کے اس حصے میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی ایرانی وغیرہ وطن کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے''۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں ص 89)

دونوں قوموں کی الگ الگ ثقافت ہے۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ دونوں ثقافتوں کے پنپنے کے لیے دو خطے مخصوص ہو جاتے، تا کہ دونوں ثقافتیں آزادانہ ماحول میں پروان چڑھتیں ...... ''مسلمانوں کو جو چیز متحدہ ہندوستانی قومیت سے بار بار الگ کھینچتی ہے اس میں جہاں شخصی خود غرضیاں، تنگ نظری اور اس کے مستقبل کا صحیح تصور نہ قائم کر سکنے کو دخل ہے وہاں اس شدید شبہ کا بھی بڑا حصہ ہے کہ قومی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کو اپنی ہستی کے فنا ہونے کا ڈر ہے۔ مسلمان کسی حال میں بھی یہ قیمت ادا کرنے پر راضی نہیں اور میں بحیثیت مسلمان ہی نہیں بل کہ ہندوستانی کی حیثیت سے بھی اس پر خوش ہوں کہ مسلمان اس قیمت کے ادا کرنے پر تیار نہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کو جو نقصان ہوگا، سو ہوگا ہی، خود ہندوستان کا تمدن پستی میں کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔''

(آئینہ ادب 1964، ص 310)

(خواجہ غلام السیدین)

دونوں قوموں میں نظریاتی، اخلاقی، سماجی اور اقتصادی وحدت موجود نہیں تھی تو

Marfat.com

ملکی اور سیاسی وحدت سے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے اکثریت کا غلام بننا منظور نہیں تھا۔ مسلمان جنھوں نے ساڑھے گیارہ سو سال برعظیم پر حکومت کی جن کا شاندار ماضی ہے اب جمہوریت سے اپنی بقا کا سودا نہیں کر سکتے تھے۔

''حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور وہ اپنی قومی وحدت کا سودا متحدہ قومیت کے پیش کردہ تحفظات سے کبھی نہ کریں گے وہ ایک مستقل قوم ہیں اور ہندوستان میں ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہیں گے''۔
(سرگزشت پاکستان ص 66)(قائداعظمؒ)

ہندو مسلم الگ الگ عقائد و تصورات نے دو قومی نظریہ کو جنم دیا اور مسلمانوں نے اپنے دین، تاریخ اور مخصوص روایات کے پیش نظر پاکستان کا مطالبہ کیا۔

''اسلام کو بحیثیت دین نافذ العمل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس خطہ ارضی میں ایک قطعۂ زمین ایسا حاصل کیا جائے جہاں اس سائنسی اور مادی دور میں اسلام کو دین کی حیثیت سے نافذ العمل کیا جا سکے''۔

جذبہ قومیت:

یہودیوں نے جذبہ قومیت کو اتحاد کی علامت قرار دے کر نظریہ صیہونیت وضع کیا اور صیہون کو مرکز قرار دے کر دنیا بھر سے یہودی کھنچا چلا آیا۔ صیہون، اتحاد و تنظیم کا نشان قرار پایا۔ یہ وہی پہاڑی ہے کہ جس پر حضرت سلیمانؑ نے دسویں صدی قبل مسیح ہیکل سلیمانی تعمیر کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہودی ہر ملک میں ہیں لیکن ان کی روح صیہون میں بند ہے۔

عرب مسلمانوں نے اتحاد، تنظیم اور آفاقیت کو چھوڑ کر جغرافیائی اکائیوں میں بند ہونے کی کوششیں کیں۔ نیتجتاً عرب طاقت تقسیم ہوتی چلی گئی اور یہودیت وحدت کی صورت اختیار کرتی چلی گئی۔ 1897ء میں یہودیوں نے سوئٹزرلینڈ میں ایک کانفرنس منعقد کی اور دنیا بھر کی یہودی تنظیموں سے فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام کی کوششیں تیز تر کرنے پر زور دیا گیا۔ اس وقت عبدالحمید خلیفۃ المسلمین اور ترکی کا سلطان تھا، اس نے یہودیوں کی علیحدہ ریاست کے قیام کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ یہودیوں نے نوجوان ترک کی قومی اور انقلابی تحریک کو مالی امداد دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا۔ 1909ء

Marfat.com

میں سلطان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

''سلطان کوئی عرب تھا یا غیر عرب وہ اسلامی برادری کا فرد تھا''۔ (ندا کراتی، عبداللہ ابن حسین)

اور نئی وزرات میں تین یہودی وزرا کو بھی شامل کیا گیا جنھوں نے ایک قانون منظور کروا کر فلسطین میں یہودیوں کو جائدادیں خریدنے کا حق دلایا۔ اس طرح یہودیوں کو پہلی مرتبہ مسلمانوں کی خلافت سے اجازت نامہ ملا۔

''کوئی کہے کہ ترک اب (قومی جمہوریت اختیار کر کے) پہلے سے زیادہ قومی اور دیرپا، جدید قوم بن گئے ہیں (میں کہوں گا) کہ ان کی وہ شہرت واحترام کہاں ہے جو کل تک تھا جب کہ ان کا سلطان، امیر المومنین اور خلیفۃ الرسول ﷺ تھا۔ حقیقت میں آج وہ کمزور اور چھوٹے ہو گئے ہیں جب کہ کل بڑے اور طاقتور تھے کوئی چیز بھی جب اپنی اصل چھوڑ دیتی ہے۔ صحیح وسالم نہیں رہتی۔'' (ندا کراتی: ''عبداللہ حسین'')

عربوں کو بیسویں صدی کے آغاز میں قومیت کا تصور دیا گیا۔ ترکی اس وقت مشرق وسطیٰ کا خلیفہ تھا۔ ترکوں نے بھی عرب کی تعمیر وترقی پر کوئی توجہ نہ دی اور انگریزوں نے عربوں میں جذبہ قومیت کو خوب ہوا دی۔ یہاں بھی دو وحدتیں ایک وحدت میں، ایک نظریہ کے تحت آباد ہیں وہاں مسلمانوں کو توڑنے کے لیے قومیت کا نعرہ بڑا کارگر رہا ہے۔ مشرقی پاکستان بھی اسی نعرہ سے ٹوٹ کر پاکستان سے الگ ہو گیا۔ عوام نے کیا پایا؟ یقیناً ان کی زندگیوں میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہیں آئی۔ وہی حکمران اور سیاست کے وہی حیلے بہانے ہیں۔

ترکوں سے گلو خلاصی کرانے کے لیے شریف، حسین (گورنر حسین) نے عرب قومی پرستی کا ڈھونگ رچا کر عربوں کو ترکوں سے متنفر کر دیا۔ ''اگر چہ حسین نے عرب قوم پرستوں سے قول وقرار کرنے کے بعد ہی عثمانی حکومت سے جون 1916ء میں انحراف کا اقدام کیا تھا۔ لیکن حسین کی حکمت عملی کا غور سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت عرب قوم پرستی کی اس نے کبھی وکالت نہیں کی۔ وہ عثمانی سلطنت کے دائرے میں رہ کر اپنے مفاد کی طرف سے اطمینان چاہتا تھا۔ اس میں ناکام ہو جانے پر ہی اس نے عرب قوم پرستوں کے ساتھ مل کر مخالفت کا علم بغاوت بلند کیا تھا''۔ (ندا کراتی: ''عبداللہ بن حسین'')

Marfat.com

قوم پرستی کا نعرہ بڑا پرکشش نعرہ ہے اس میں نوجوانوں کے لیے بڑی کشش ہے۔ اس کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں ان کا کھوج لگانے سے نوجوان قاصر ہیں۔ وہ نوجوانوں کے مخلصانہ جذبات جن میں ملاوٹ اور کھوٹ نہیں ہوتی، ان سے کام لے کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور جب ان کی قربانی رنگ لانی ہے تو وہی حیلہ گر آگے بڑھ کر ان کی قوم پرستی کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ آزادی کی آواز بند کر دیتا ہے اور ملک دولخت ہو کر کمزور حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور ہر حصہ ہمیشہ لے لیے روگی بن جاتا ہے۔

نظریہ پاکستان

افحسبتم انما خلقنکم عبثاً ہ جس طرح انسانی تخلیق کے پیچھے ایک مقصد کارفرما ہے اسی طرح انسان اپنی زندگی کو بامقصد بنانے کے لیے ایک نصب العین کا تعین کرتا ہے۔ اگر افراد کا مقصد حیات پر اتفاق ہو جائے تو اپنے لیے ان کی زندگیوں میں ایک نظریہ کارفرما نظر آتا ہے۔ یہی نظریہ افراد کو ایک رشتہ کے اندر پرو کر ملت یا قوم بناتا ہے۔

''وہ کون سا رشتہ ہے؟ جس سے منسلک ہو کر تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، وہ کون سی چٹان ہے؟ جس پر ان کی ملت استوار ہے وہ کون سا لنگر ہے؟ جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب عظیم قرآن حکیم ہے''۔ (قائداعظم 1943ء)

یہ قومی نظریہ قوموں کی اٹھان کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی سے تنگ و تازِ زندگی اور بحیثیت قوم ابھرنے کی آرزو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی تمنا بیدار ہوتی ہے۔ یہی نظریہ قوموں کے اندر شیرازہ بندی اور اتحاد و تنظیم کی علامت قرار پاتا ہے۔ اسی نظریہ سے قومیں قوت، خود اعتمادی، اخوت، مساوات کا درس لیتی ہیں؟ گویا یہی نظریہ قوموں کا نظریہ حیات بن جاتا ہے۔

نظریہ حیات پورے نظام زندگی پر محیط نظر آتا ہے۔ اسی نظریہ سے قوموں کے اندر یک رنگی، یکسانیت اور عدل و انصاف کا دور دورہ نظر آتا ہے۔

انسان مدنی الطبع ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کے لیے طبعاً مجبور ہے۔ اس کی ضروریات و احتیاجات کا تقاضا ہے کہ وہ مل جل کر رہے۔ اس کی یہی

Marfat.com

معاشرتی زندگی اسے اجتماعی زندگی کی طرف لے جاتی ہے اور جب اس کے اندر نظریہ حیات شامل ہو جاتا ہے تو وہیں سے قومی زندگی جنم لیتی ہے اور وہ افراد ایک قوم بن کر اُبھرتے ہیں۔

اس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی نظریہ کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر بہت سے افراد کی زندگیوں میں ایک ہی نظریہ کارفرما ہو تو انھیں رہنے کے لیے ایک ہی خطہ میسر ہو تو وہ اس نظریہ کے مطابق ایک معاشرے کو جنم دیتے ہیں اور اس معاشرے کی بقا کے لیے وہ زندگی کے اصول وضع کر لیتے ہیں اور ان اصولوں کا منبع و سرچشمہ کوئی قد آور شخصیت یا کوئی صحیفہ ہوتا ہے۔

''ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول ﷺ، ایک اُمت یہی ہمارا نعرہ ہے''۔
(قائداعظم: 1943ء)

نظریہ پاکستان کے پیچھے ایک قوم کا نظریہ حیات کارفرما ہے۔ اس قوم کے بارے میں قرآن کریم میں کنتم خیر امۃ (تم بہترین امت ہو) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس قوم کے ہر فرد کی زندگی میں ایک ہی نظریہ حیات رچا بسا ہے۔ قائداعظم نے ایک بار فرمایا تھا:

''پاکستان اسی روز قائم ہو گیا تھا جب پہلے مسلمان نے برعظیم کی سرزمین پر قدم رکھا اور جب پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا''۔

برعظیم میں جب پہلے مسلمان نے قدم رکھا تو وہ ایک منفرد نظریہ حیات اپنے ساتھ لایا۔ جن لوگوں نے اس نظریہ کو نظریہ حیات بنا لیا وہ اپنی قوم سے کٹ کر اس قوم کے افراد بن گئے۔

یوں تو محمد بن قاسم سے پہلے بھی مسلمان برعظیم میں آتے رہے کچھ ان میں تاجر تھے اور مبلغ بھی، اس سے پہلے کچھ مہمیں بھی برعظیم میں بھیجی گئیں لیکن وہ ناکام رہیں۔ محمد بن قاسم پہلا مسلمان سپہ سالار ہے جس نے دیبل کو فتح کر کے مسجد تعمیر کرائی اور 4000 مسلمانوں کو دیبل میں آباد کیا۔ گویا ایک منفرد نظریہ حیات برعظیم میں لانے والا وہ پہلا شخص محمد بن قاسم ہے جس نے سندھ کو باب الاسلام بنا دیا اور پھر اسی دروازے سے یہ نظریہ حیات پورے برعظیم میں پہنچا۔ محمد بن قاسم کی فوج میں نہ صرف اہل سیف بلکہ اہل علم بھی تھے۔ انھوں نے دین اسلام کو اپنے قول و فعل سے پھیلایا۔ خود محمد بن

Marfat.com

قاسم بہترین قاری اور حافظ قرآن تھا۔

محمد بن قاسمؒ سے زوال مغلیہ تک اسلام کی اشاعت صوفیا کرام نے کی۔ کیوں کہ حکمران خواص کے ذریعے حکمرانی کرتے ہیں اس لیے ان کا اثر صرف خواص پر ہوتا ہے۔ صوفیا نے اپنا تکیہ عوام میں رکھا اور عوام کے دلوں سے کفر و شرک کی میل کو دھو ڈالا۔ جو صوفیا اہل علم تھے، انھوں نے کفر کی ظلمت کو مٹا کر دین اسلام کا نور عوام کے دلوں میں بھرا۔ ''قالوا بلیٰ'' کا وعدہ یاد دلا کر فطرت سلیم پر لا کھڑا کیا۔ لیکن جہلا صوفیا نے عوام میں دین اسلام پھیلانے کی بجائے عوام کو بھگت بنا دیا۔ عوام ہندومت سے کٹ تو گئے لیکن اسلام کی تعلیم سے بھی بے بہرہ رہے۔

اکبر کا دین الٰہی اسی بھگت پن کا نتیجہ تھا۔ ''رحیم'' اور ''رام'' کا امتیاز ختم کر کے ہندو، مسلم کو بھائی بھائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ ''اکبر نے فوج میں غیر مسلموں کی تعداد بڑھا دی۔ اس نے راجپوتوں کو سالاری کے عہدے دینے شروع کیے۔ اور غیر مسلم حکومت میں دخیل ہو گئے۔ ان سے مسلمانوں میں مایوسی اور بد دلی پیدا ہو گئی۔ راجپوتوں نے بھی اپنے ہم قوم ہندوؤں سے دل و جان سے جنگ نہ کی۔'' (نظریہ پاکستان ص 118)

صوفیا کو بھی ہر میں ہر نظر آنے لگا۔ فنا فی اللہ ہو کر صوفیا بھی اوتار بننے لگے۔ ''وحدت الوجود'' ہندو جوگیوں اور مسلم صوفیا کا بھی عقیدہ بن گیا۔ ہندو صوفیا ''دیوی جی درشن دے تو ہے داتی ساڈی، دیوی جی درشن دے''۔ الاپنے لگے۔ مسلم صوفیا بھی ایسے ہی خیالات طریقت میں سمو کر شریعت سے الگ ہونے لگے۔ فنا فی اللہ ہونے کے لیے وہی گیان، وہی دھیان، پاؤں میں لوہے کے کڑے، عورتوں کی طرح بالوں کی لٹیں، ناخن بڑھے ہوئے، لنگوٹ کسے ہوئے، دھونی جل رہی ہے، نفس کو مارا جا رہا ہے نفس کو مار کر روح کو امر کیا جا رہا ہے، کیوں کہ ہر چیز میں خدا ہے، دیوی میں خدا ہے۔ خدا دیوی ہے رحیم مسجد میں ہے، رام مندر میں ہے۔ رحیم اور رام اسی ذات کے نام ہیں جو ہر چیز میں ہے۔

ہر چیز میں اس کی ذات جلوہ فرما ہے۔ آگ، پتھر، درخت، چاند، سورج، سانپ اور انسان سب میں خدا کی ذات موجود ہے لہٰذا ان کی عبادت عین عبادت خداوندی ہوگی۔ بت میں خدا کی ذات جلوہ گر ہوتی ہے اس لیے بت کی پوجا، خدا کی پوجا

Marfat.com

ہوگی۔

انسان کے اندر بھی خدا موجود ہے۔ اللہ اگر دریا ہے تو انسان ایک قطرہ، یہ قطرہ دریا میں ملنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسان خدا سے جدا نہیں ہے۔ اس لیے ریاضت اور نفس کشی سے فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ انا کی نفی اثبات ذات بن جاتی ہے۔ قطرہ دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے۔

وحدت الوجود کے نظریہ نے مسلمانوں میں بے عملی کا بیج بویا۔ مسلم قومی تشخص کو ختم کرنے کے لیے اکبر نے دین الٰہی ایجاد کیا تو صوفیا نے وحدت الوجود کا نظریہ دے کر مسلم قوم کو ہندو قومیت میں ضم کرنے کی سعی کی۔ یہ عقیدہ صوفیا نے ہندو جوگیوں سے لیا ورا سے طریقت کا نام دے کر شریعت سے الگ کر دیا۔ اس سے شریعت کی اہمیت کم ہو گئی۔ شریعت کی اہمیت کو کم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلم قومی تشخص کو دھندلا کر ختم کیا جائے۔ اس میں ہندو جوگیوں کی شعوری اور صوفیا کی غیر شعوری کوششیں شامل تھیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے نہ صرف خواص پر توجہ دی بل کہ عامۃ المسلمین اور صوفیا کی بھی اصلاح کی۔ آپ نے امرا اور اراکین سلطنت کو خطوط لکھے اور انھیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے فرائض کی نشان دہی کی۔ صوفیا کو وحدت الوجود کے غلط عقیدے سے باز رہنے کی تلقین کی اور عقیدہ وحدت الشہود اپنانے کی ترغیب دی جو شریعت سے قریب ترین ہے۔

وحدت الشہود میں آپ نے بتایا کہ خالق ومخلوق کا وجود الگ الگ ہے۔ کائنات خالق حقیقی کے حسن تخلیق کی شاہد ہے۔ اللہ خالق اور بندہ مخلوق ہے۔ اس لیے فنا فی اللہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جن صوفیا نے ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا وہ مقام عبدہ! سے بھی گر گئے۔ حضرت محمد ﷺ، افضل الانبیاء ہونے کے باوجود ''انا عبدہ!'' پر فخر کرتے تھے۔ سنت رسول ﷺ پر استقامت نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلند مقام پر فائز کر دیا۔

وحدت الشہود میں انسان سلوک ومعرفت کے مراحل طے کرتے کرتے فنا فی الطریق رسول اللہ ﷺ ہو جاتا ہے اس طرح مسلمان کی پوری زندگی اسوۂ نبی ﷺ کی مظہر اور پرتو بن جاتی ہے۔ مسلمان کی زندگی میں صحابہ کی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مریدوں نے آپ کے خطوط مغلیہ سلطنت کی حدود کے چار دانگ عالم پھیلا دیئے۔ آپ کی کوششوں سے بدعات ورسوم اور اسلام میں فرق واضح ہوا۔ آپ نے اسلام نتھار کر کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیا۔ احیائے اسلام کی کوشش کی وجہ سے قوم آپ کو مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

''حضرت مجددؒ ہندوستان کی مسلم حکومت کو دوبارہ اسلام کی طرف لے آئے۔'' (حضرت مجدد کا نظریہ توحید ص 19)

اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال 1707ء میں ہوا۔ آپ کے بعد مسلمان نہ صرف سیاسی بل کہ معاشی، سماجی اور دینی تنزل کا بھی شکار ہوئے۔ آپ کے جانشین نااہل ثابت ہوئے۔ تخت نشینی کی کش مکش نے مرکز کو کمزور کر دیا۔ 12 سال میں 8 شہزادے تخت نشین ہوئے۔ 1719ء میں محمد شاہ کے عہد میں نادر شاہ نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ امراعیش پرست تھے عوام کی اخلاقی و مذہبی حالت انتہائی دگرگوں تھی۔

''حسین علی اور عبداللہ نے جو عموماً سید بھائی کہلاتے ہیں۔ خصوصیت سے برعظیم میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر ضرب کاری لگائی۔ وہ 80 سال تک برسر اقتدار رہے اس مدت میں انھوں نے چار مختلف بادشاہوں کو اپنی مرضی سے تخت پر بٹھا دیا اور الگ کر دیا۔ اپنے مفاد کی خاطر انھوں نے مرہٹوں سے ساز باز کی اور شمالی ہند کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے۔ مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے مغلوں کی باقی ماندہ سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ان کی قیمت پر پنجاب، بھرت پور اور دکن میں اپنے پاؤں جما لیے۔ اس مرحلے پر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے مغل سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔

''سیاسی زوال سے زیادہ سنگین مسلم معاشرے کا بگاڑ تھا جو دراصل ان کی کمزوری (سیاست میں) کا بنیادی سبب تھا۔ مختصر یہ کہ اب مسلم معاشرہ ایک بیمار معاشرہ تھا جو کسی بھی وقت اپنی کمزوریوں کے باعث ختم ہو سکتا تھا''۔ (مسلم معاشرہ کا استحکام) پروفیسر محمد اسلم۔

مرہٹے مسلمانوں کی کمزور حکومت کو دیکھ کر ہندو راج قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو برعظیم پر حملہ کی دعوت دی۔ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں پر آفت بن کر ٹوٹ پڑا اور پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ

Marfat.com

کر دیا۔ لیکن مغل حکمران اس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

شاہ ولی اللہ نے احیائے سیاست کے ساتھ ساتھ احیائے دین کے لیے بڑا کام کیا۔ ''شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا۔ جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالیؒ، رازیؒ اور ابن رشدؒ کے کارنامے ماند پڑ گئے۔'' (شبلی نعمانی: تاریخ الکلام ص 109)

آپ نے بیمار معاشرے کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن مجید کو سمجھے بغیر اس روگ کا علاج ممکن نہیں، آپ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

''جب علما کو پتا چلا تو تلواریں کھینچ کر آ گئے کہ یہ کلام پاک کی انتہائی بے ادبی ہے''۔ (رودِ کوثر ص 552)

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بیٹوں نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی اور ساٹھ برس تک مدرسہ رحیمیہ میں رشد و ہدایت کی ضیا پاشی کرتے رہے۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس طرح اس گھرانے نے برعظیم میں قرآن فہمی کا رستہ کھول دیا۔

آپ کے چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنیؒ تھے ان کے بیٹے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے احیائے ریاست کے لیے جہاد کا رستہ اپنایا۔ جس نے برعظیم کے مسلمانوں کو ایک الگ وطن کے حصول کے لیے سرگرم عمل کیا۔ وہ ایک نصب العین پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ اسی نظریہ نے ان میں تگ و تاز اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا اور مسلمانوں نے دولت، شہرت، عزت و ناموس اور متاع عزیز کی قربانی دے کر پاکستان حاصل کر لیا۔

''قومیت بلاشبہ ایک انقلابی قوت رہی ہے اور اس نے سیاسی آزادی کے حصول کے لیے قوموں میں غیر معمولی حرارت پیدا کی ہے''۔ (اسلامی ریاست ایک تاریخی جائزہ، ص 9)

آج نظریہ پاکستان کو غلط معانی میں استعمال کر کے کچھ عناصر پاکستانی قوم کو، جو کہ ایک مسلم قوم ہے، قوموں میں تقسیم کرنے کی سعی کر رہے ہیں جو نہایت افسوسناک اور انتہائی خطرناک ہے۔ ایسے عناصر نے وحدت پاکستان کو اکائیوں میں تقسیم کیا اور پاکستان کے اندر شکوک و شبہات کی فضا پیدا کر کے نفرت و حسد کا بیج بویا جو تن آور درخت بن کر رنگ لایا اور پاکستان کو دولخت کر گیا۔

اس صدی میں رنگ و بو کے پیمانے توڑ کر مختلف رنگ و نسل کے لوگ جغرافیائی

Marfat.com

وحدت کے اندر قوم بن رہے ہیں لیکن ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اقوام میں بٹنے کی
میں ہیں۔ مسلم قوم کو چھوڑ کر برعظیم کی ہندو قوم کے نام پر تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں۔ آ
پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے۔ پون صدی گزر چکی ہے اور اسلام میں داخ
ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں لیکن ہندی مسلمان آج بھی پاکستانی وحدت اور اسلامی شیرا
بندی کو تار تار کرنے کی فکر میں ہے۔

آزادی خداوند تعالیٰ کی دین ہے۔ آزاد قومیں ہی کچھ کر گزرتی ہیں لیکن ج
وطیرہ ہم اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ جو نچلے آزاد قوموں کے پنپنے کے نہیں ہوتے۔ آزاد
کی خاطر عزت و ناموس کی قربانی دینا پڑی اور خون کے سمندر سے گزر کر یہ خطہ مقد
حاصل کیا۔

''دو ایسے واقعات ہیں جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے ان میں سے
ایک، جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے، نیند آنا ہے۔ کوئی شخص آج تک اس خاص لمحہ کا
تعین نہیں کر سکا، جب جاگنے والا سو جاتا ہے۔ دوسرا واقعہ جس کا تعلق قومی زندگی سے
ہے۔ تنزل یا زوال ہے کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کس تاریخ سے شروع ہوا
سب کو اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے کہ جب وہ زور پکڑ جاتا ہے''۔

آزادی کو سہارا دینے کے لیے ہمیں تمام قوتیں بروئے کار لانا ہوں گی اور
آزادی کی لذت کو آنے والی نسلوں کی گھٹی میں رکھنا ہوگی تاکہ وہ زندہ اور آزاد قوموں کی
طرح اقوام عالم میں فخر سے اپنے سر بلند کر سکیں۔

پاکستان میں رہنے والے پاک لوگوں کا دین اسلام ہے جو قومیت، رنگ و نسل
کے تعصب کو ختم کر کے ملت واحد بناتا ہے۔

''اسلام کا تصور ایک عالمگیر قانون کی صورت میں تھا۔ اس کے نزدیک نسل و
وطن اور رنگ و خون کے ساحلوں میں گھری ہوئی جوئے حیات کبھی بیکرانہ انداز میں نہیں بہہ
سکتی اور نہ ہی حسب و نسب کے امتیازات و تعصبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی
انسانیت اس حقیقی زندگی سے آشنا ہو سکتی ہے''۔ (نظریہ پاکستان، ص 4)

پاکستان کی ثقافت مسلمانوں کی برعظیم میں آمد سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے
قبل کی مختلف صوبوں میں کھدائی کے ذریعے کھنڈروں سے اپنی ثقافت تلاش کرنا۔
پاکستان کے لیے سمِ قاتل ہے۔ یہ صوبوں کو اپنی ثقافت سے باہر کھینچتی ہے اور پاکستانی

Marfat.com

ثقافت سے بہت دور لے جاتی ہے۔
''قوم کی تشکیل اور قومی جذبے کی ترقی میں ثقافت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے''۔(فلسفہ اور تعلیم،ص48)
''لیکن'' پاکستانی ثقافت کی اصل روح اسلام کی غیر فانی اقدار ہیں''۔(فلسفہ اور تعلیم،ص50)
اور''اسلام کی روحانی اور مادی روایات کو زندہ کیے بغیر ہم اپنی ثقافت کا مؤثر طور پر تحفظ نہیں کر سکتے۔(فلسفہ اور تعلیم،ص51)

☆

Marfat.com

چھٹا باب

سلطنت مغلیہ کا سیاسی انحطاط

امیر تیمور کی نسل کے ایک نام ور فاتح ظہیر الدین بابر نے پانی پت کی لڑائی (1526) میں لودھی خاندان کے آخری حکمران ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغل خاندان کی بنیاد رکھی۔ مغلیہ خاندان سوا تین سو سال بر سر اقتدار رہا۔ 1526ء سے 1707ء تک اس خاندان کے چھے جلیل القدر حکمران تخت نشین ہوئے۔ یہ جواں ہمت، عزم و شجاعت کے پیکر اور تدبر و سیاست میں یگانہ، عدل و انصاف کے دل دادہ اور علم و فنون کے گرویدہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو "رام راجیا" کا خواب بھول کر اسلامی سلطنت کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے۔ یہ دور مغلیہ خاندان کے طاقت ور حکمرانوں کا دور ہے اور مغلیہ سلطنت کا دورِ عروج ہے۔

(1) ظہیر الدین بابر۔ 1530-1526ء
(2) نصیر الدین ہمایوں۔ 1556-1555ء
(3) جلال الدین اکبر۔ 1605-1556ء
(4) نور الدین جہانگیر۔ 1627-1605ء
(5) شہاب الدین شاہ جہاں۔ 1658-1628ء
(6) محی الدین اورنگزیب عالمگیر۔ 1707-1658ء

اورنگزیب عالمگیر کی وفات (1707ء) کے بعد جنگ آزادی (1857ء) تک گیارہ نا اہل حکمران تخت نشین ہوئے۔ یہ دور مغلیہ کا دور زوال (1857-1707ء) ہے۔ جس میں حدود سلطنت سمٹتی سمٹتی دہلی کے قلعے تک محدود ہو گئی۔ اس عرصے میں ہندو "رام راجیا" کے قیام کے لیے کمر بستہ ہوئے۔ اورنگزیب عالمگیر کے جانشینوں کی نا اہلی، مسلمانوں کی باہمی نا اتفاقی، ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور بیرونی حملہ آوروں نے عظیم مغلیہ سلطنت کے چراغ کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیا

Marfat.com

''اورنگزیب عالمگیر کے بعد مغل حکمران خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔
ایک طرف برعظیم کے غیر مسلم مرہٹے، راجپوت اور سکھ زوال پذیر مسلم حکومت کے خلاف صف آرا تھے تو دوسری طرف یورپی اقوام اس کے خلاف سازشوں کا جال بچھا رہی تھیں''۔

دور ثانی:

1۔ معظم قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول۔ 1712-1707ء
2۔ معزالدین جہاں دار شاہ۔ 1713-1712ء
3۔ فرخ سیر۔ 1719-1713ء
4۔ رفیع الدرجات۔ 1719ء
5۔ رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی۔ 1719ء
6۔ ناصرالدین محمد شاہ روشن اختر۔ 1748-1719ء
7۔ احمد شاہ بہادر۔ 1754-1748ء
8۔ عزیزالدین عالمگیر ثانی۔ 1759-1754ء
9۔ جلال الدین شاہ عالم ثانی عالی گوہر۔ 1806-1759ء
10۔ اکبر شاہ ثانی۔ 1837-1806ء
11۔ سراج الدین بہادر شاہ ظفر۔ 1857-1837ء

اورنگزیب عالمگیر کی وفات 1707ء کے وقت اس کے تین بیٹے معظم، اعظم اور کام بخش زندہ تھے انھوں نے باپ کی وفات کی اطلاع ملتے ہی اپنی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

اورنگزیب عالمگیر کے بیٹوں کے درمیان جنگ تخت نشینی:

شہزادہ معظم شاہ عالم اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور انتظامی امور کا بھی کماحقہ تجربہ رکھتا تھا، وہ دکن کا حکمران رہ چکا تھا اور راجپوتوں کے ساتھ عالمگیر کی لڑائیوں کے دوران میں بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھا چکا تھا۔ وہ اس وقت کابل کے صوبے کا حکمران تھا اور منعم خاں لاہور میں اس کا گورنر تھا۔ شہزادے معظم کو پشاور میں باپ کی وفات کی خبر ملی۔ اس نے وہیں سے دہلی کا رخ کیا۔ جب وہ لاہور پہنچا تو منعم خاں

Marfat.com

نے اس کا شان دار استقبال کیا اور چالیس لاکھ روپے نذرانہ پیش کیا۔ معظم خاں نے اسے وزارت کا منصب بخشا۔ لاہور میں اپنے نام کا سکہ جاری کرایا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معظم خاں بڑھتے بڑھتے دہلی پر قابض ہو گیا۔

شہزادے معظم خاں کا فرزند عظیم الشان بنگال اور بہار کا حاکم تھا۔ وہ بنگال کی چالیس ہزار فوج اور خزانے کے ساتھ آگرے کی طرف بڑھا اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح معظم خاں کا شمالی ہندوستان پر قبضہ ہو گیا۔

دوسرے بھائی، شہزادے اعظم کو احمد نگر کے مقام پر باپ کی وفات کی خبر ملی وہ شاہی خزانے پر قبضہ کرنے کے لیے آگرہ کی طرف بڑھا۔ شہزادہ معظم نے اسے خط لکھا اور باپ کی وصیت کے مطابق سلطنت کو تقسیم کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن شہزادے اعظم نے اس کے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں کی فوجوں میں جون 1707ء میں آگرے سے سولہ کلومیٹر دور ''جاجاؤ'' کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ جس میں شہزادے اعظم کی فوجوں کو شکست ہوئی اور وہ خود میدان جنگ میں کام آیا۔

تیسرا بھائی کام بخش بیجاپور اور گولکنڈہ کا حکمران تھا شہزادہ معظم نے اسے اطاعت کے لیے خط لکھا لیکن اس نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ شہزادہ معظم نے کام بخش کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کی۔ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا اور کام بخش اس جنگ کی نذر ہو گیا۔ اس طرح شہزادے معظم نے سرسٹھ سال کی عمر میں 1707ء میں تخت سنبھالا۔

معظم قطب الدین بہادر شاہ عالم اول 1707-1712ء

بہادر شاہ بلند پایہ حکمران تھا لیکن اس نے فیاضی، نرمی اور لاپرواہی کی وجہ سے حکومت سے غفلت برتی اور حکومت کے معاملات وزیروں کے سپرد کر دیے۔ اس وجہ سے اسے ''شاہ بے خبر'' کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اسے مندرجہ ذیل مشکلات کا سامنا تھا۔

1۔ وزراء کی چپقلش۔
2۔ سیاسی گروہ بندی۔
3۔ مرہٹوں کی تباہ کاریاں۔
4۔ راجپوتوں کی مخالفانہ روش۔

Marfat.com

5۔ سکھوں کی لوٹ مار۔

6۔ یورپین کی ریشہ دوانیاں۔

7۔ خودمختاری اور مرکز گریز رجحان۔

1۔ وزراء کی چپقلش:

لاہور کے حاکم منعم خان نے جنگ تخت نشینی میں بہادر شاہ کی چالیس لاکھ روپے سے مدد کی تھی۔ اس کے عوض بہادر شاہ نے اسے وزیر مال مقرر کیا اور اسد خاں کو وزارت عظمیٰ پر فائز رہنے دیا۔ اس طرح دونوں میں ٹھنی رہی اور انتظامی امور متاثر ہوتے رہے۔

2۔ سیاسی گروہ بندی:

بہادر شاہ کے دربار میں سازشوں نے زور پکڑا۔ تورانی، ایرانی اور ہندوستانی گروہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کی باہمی شکر رنجی اور گڑبڑ نے مغلیہ وقار کو نقصان پہنچایا۔

فوج کی وفاداری بھی مشکوک ہو چکی تھیں۔ خانہ جنگی میں الجھ کر فوج نے اپنا وقار مجروح کر لیا اور اس کی کمزوریوں سے اپنے اور بیگانوں نے فائدہ اٹھایا۔

3۔ مرہٹوں کی تباہ کاریاں:

بہادر شاہ نے سیواجی کے پوتے ساہو کو رہا کر دیا۔ ساہو نے سیواجی ثانی کا لقب اختیار کر کے مرہٹوں کی قیادت سنبھالنا چاہی جب کہ مرہٹے اس کی عدم موجودگی میں ''راجا رام'' کو اپنا سربراہ بنا چکے تھے۔ راجا رام کی موت کے بعد اس کی بیوہ ''تارابائی'' نے ساہو کی قیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے کم سن بیٹے کو سیواجی ثالث کے نام سے مرہٹوں کا پیشوا قرار دیا۔

مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ بہادر شاہ کے عہد میں آپس میں الجھے رہے۔ اس کے نتیجے میں ساہو اپنے برہمن وزیر ''بالاجی وشواناتھ'' کی مدد سے مرہٹوں کی سرداری پر فائز ہو گیا لیکن اصلی اقتدار وزیر کے ہاتھوں میں رہا جسے پیشوا کا لقب دیا گیا۔ اس طرح سیواجی کا خاندان پس منظر میں چلا گیا اور مرہٹوں کی قیادت پیشواؤں کے

Marfat.com

ہاتھوں میں آ گئی۔

4۔راجپوتوں کی مخالفانہ روش:

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد راجپوتوں نے مغلوں کا جوا اُتار پھینکنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بہادر شاہ نے راجپوتوں سے نپٹنے کے لیے راجپوتانہ کا رخ کیا۔اجمیر پہنچنے پر اسے صوبہ لاہور میں ''بندہ بیراگی'' کے ظلم وستم کی اطلاع ملی۔اس نے راجپوتوں سے صلح کر کے میواڑ اور مارواڑ کی خودمختار تسلیم کر لی۔

5۔سکھوں کی لوٹ مار:

پنجاب میں ایک ڈوگرہ راجپوت سنیاسی لچھمن داس عرف بندہ بیراگی نے پنجاب میں سکھوں کی قیادت سنبھالی۔ بندہ بیراگی نے فوجی طاقت مستحکم کرنے کے بعد ''سرہند'' پر حملہ کر دیا۔صوبیدار وزیر خاں نے اس کا مقابلہ کیا مگر وہ مارا گیا۔بندہ بیراگی نے سرہند پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔سکھوں نے ستلج سے جمنا تک وحشت و بربریت کی مثال قائم کر دی اور بڑھتے بڑھتے دہلی کے قریب پہنچ گئے۔ بہادر شاہ خود سکھوں کے مقابلے میں آیا۔مغل فوج نے لوہ گڑھ کے قلعے کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا مگر بندہ بیراگی قلعے سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

6۔یورپین کی ریشہ دوانیاں:

ساحلی علاقوں میں انگریز اور فرانسیسی اپنے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

7۔خودمختاری اور مرکز گریز رجحان:

دور دراز کے صوبے مرکز سے کٹ رہے تھے۔صوبوں پر مرکز کی گرفت کم ہونے کی وجہ سے صوبے دار خودمختار ہو رہے تھے۔منصب دار اور جاگیردار شاہی انداز اپنا رہے تھے۔

Marfat.com

بہادر شاہ کی وفات اور جنگ تخت نشینی:

بہادر شاہ نے 1712ء میں لاہور میں انتقال کیا۔ بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد اس کے چار بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ شہزادہ عظیم الشان بھائیوں کی متحدہ افواج کے ہاتھوں لاہور کے قریب شکست کھا کر مارا گیا۔ عظیم الشان کی موت کے بعد تینوں بھائیوں، میں مال غنیمت کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ معزالدین جہاں دار شاہ نے ذوالفقار خاں کی مدد سے دونوں بھائیوں کو شکست دی اور وہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے۔ اس طرح جہاں دار شاہ 1712ء میں اپنے بھائیوں کا خاتمہ کر کے لاہور سے دہلی روانہ ہوا۔

بہادر شاہ اول نے جو عظیم الشان فوج بندہ بیراگی کی سرکوبی کے لیے پنجاب میں جمع کر رکھی تھی وہ اس کے بیٹوں کی خانہ جنگی میں برباد ہو گئی اور شہزادہ جہاں دار شاہ لاہور سے ایسا رخصت ہوا کہ اس کے بعد کسی مغل تاجدار کو لاہور آنا نصیب نہ ہوا۔

2۔ معزالدین جہاں دار شاہ 1712ء۔1713ء:

معزالدین انتہائی عیاش تھا اسے امور سلطنت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس لیے وہ نااہل حکمران ثابت ہوا۔ وہ ذوالفقار خاں کی مدد سے تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا اس لیے وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھا۔ دوسری طرف وہ ایک رقاصہ لال کماری کی محبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے امور حکومت سے غافل ہو گیا۔

The first two emerors, Bahadur Shah 1707-1712 and Jahandur Shah, 1712-1713, Where under the influence of a capable but Unscrupulous general, Zulfikar Khan". A History of India P 199.

ذوالفقار خان:

جہاں دار شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی ذوالفقار خان کو وزیر بنا دیا۔ ذوالفقار خان نے اپنے مخالفوں سے گن گن کر بدلے لیے۔ اس نے اپنے خاص آدمیوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا۔

Marfat.com

لال کماری:

لال کماری جہاں دار شاہ کو اپنی زلفوں کا اسیر کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاندار شاہ اس عورت کی طرف اتنا راغب ہوا کہ اسے حکومت کا ہوش نہ رہا۔ لال کماری (لال کنور) کو دو کروڑ روپے سالانہ ادا کیے جانے لگے اور وہ اپنے آپ کو نور جہاں خیال کرنے لگی۔ اس عورت کے رشتہ داروں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر کے جہاندار شاہ نے انھیں اپنا مصاحب بنالیا۔ اس طرح امرا اور اعلیٰ عہدہ داروں میں بددلی اور ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ موقع پرست امرا نے دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹنا شروع کردی۔ ذوالفقار خان بھی امور سلطنت سے غافل ہو گیا۔ اس طرح نظم و نسق تباہ ہو کر رہ گیا۔

جہاں دار شاہ کا قتل اور فرخ سیر کی کامیابی:

فرخ سیر 25 ہزار فوج لے کر پٹنہ سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا جب جہاں دار شاہ کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی دلی سے آگرہ پہنچا۔ 1713ء میں آگرہ شہر کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ جہاں دار شاہ کی فوجوں کو شکست ہوئی اور لال کماری کے ساتھ بھاگ نکلا۔ دلی پہنچ کر ذوالفقار خان کے باپ اسد خان کے ہاں پناہ لی۔ اسد خان نے فرخ سیر کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اسے اس کی خبر کردی۔ فرخ سیر نے اسد خان کی ساری جائیداد ضبط کرلی اور اس کے لڑکے ذوالفقار خان کو قتل کرادیا۔

فرخ سیر 1713ء۔1719ء:

فرخ سیر بہادر شاہ کا پوتا اور عظیم الشان کا بیٹا تھا۔ وہ تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔

اہم واقعات:

(1) سید بھائیوں کا عروج
(2) بندہ بیراگی کی موت
(3) مرہٹوں کی تباہ کاریاں
(4) انگریزوں کو تجارتی مراعات

Marfat.com

1۔سید بھائیوں کا عروج:

سید برادران (حسن علی عبداللہ خان قطب الملک، حسین علی امیر الامرا فیروز جنگ) کا تعلق میرٹھ اور سہارن پور کے سادات بارہہ سے تھا۔ ان دونوں بھائیوں کو اورنگزیب کے عہد میں عزت ملی اور انھیں چار ہزاری منصب عطا ہوا۔ بعدازاں بہادر شاہ کے معتوب ہو کر عظیم الشان کے پاس پہنچے۔ اس نے الہ آباد اور بہار میں دونوں بھائیوں کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ فرخ سیر کی کامیابی بھی سید بھائیوں، بہار کے صوبے دار سید حسین علی اور الہ آباد کے صوبے دار سید حسن علی کی مرہون منت تھی۔ فرخ سیر کے تخت نشینی ہوتے ہی سید برادران پوری طرح کاروبار سلطنت پر قابض ہو گئے۔ سید حسن علی، عبداللہ قطب الملک کے لقب سے وزیر اعظم اور اس کا بھائی حسین علی امیر الامرا فیروز جنگ کے لقب سے سپہ سالار بن گیا۔ فرخ سیر دونوں بھائیوں کی وفاداریاں مشکوک خیال کرتا تھا اس لیے ان پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ وہ دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔ سید برادران بھی اپنے آپ کو "بادشاہ گر" (King- Makers) سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو فرخ سیر کا محسن خیال کرتے تھے۔ بالآخر فرخ سیر کو سید بھائیوں کی غداری اور نمک حرامی کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

2۔بندہ بیراگی کی موت:

فرخ سیر نے 1714ء میں عبدالصمد دلیر جنگ کو لاہور کا صوبے دار مقرر کیا۔ سکھوں نے بندہ بیراگی کی قیادت میں پنجاب میں پھر آفت برپا کر دی۔ عبدالصمد نے سکھوں کی سرکوبی کے لیے بندہ بیراگی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ بندہ بیراگی کی فوج اس حملے کی تاب نہ لا سکی اور 1715ء میں ہتھیار ڈال دیئے۔ بندہ بیراگی اور اس کے سات سو چالیس پیروکاروں کو قید کر کے دہلی بھیجا گیا وہاں انھیں 1716ء میں قتل کر دیا گیا۔

3۔مرہٹوں کی تباہ کاریاں:

مرہٹوں نے دکن میں مغل سلطنت کے کئی صوبوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں مغلوں کا عمل دخل ختم کر کے "چوتھ" وصول کرنے لگے۔

Marfat.com

Marathas began to exact chauth from the Mughual provinces in the Deccan, 1718, History of India P 200.

4۔انگریزوں کو تجارتی مراعات:

انگریزوں نے بنگال کے مغل صوبے دار مرشد قلی خاں، کی پابندیوں کے خلاف شکایت کی غرض سے ایک سفارت دہلی روانہ کی۔ جس میں سکاٹ لینڈ کا ڈاکٹر ولیم ہملٹن بھی شامل تھا۔ فرخ سیر کی پشت پر ایک خوف ناک پھوڑا نکلا ہوا تھا۔ ہملٹن نے اس کا کامیاب علاج کیا۔ اس کے انعام کے طور پر اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنگال میں بلامحصول تجارت کرنے کی اجازت مانگی جو فرخ سیر نے قبول کر لی۔ انگریز مغل بادشاہ فرخ سیر کے اس فرمان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں منشور اعظم (Magna Carta) قرار دیتے ہیں۔ یہ فرمان برعظیم (Sub Continent) میں کمپنی کی حکومت کی بنیاد بنا۔

فرخ سیر کا قتل:

سید برادان نے فرخ سیر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے سات سالہ دور میں نظم و نسق کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ہر طرف بدعنوانیوں کا دور دورہ تھا۔ 1719ء میں سید برادران کے ایما پر فرخ سیر کو شاہی محلات میں نظر بند کر دیا اور دو ماہ قید میں رکھنے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اُتار کر ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دیا۔

ناصرالدین محمد شاہ 1719-1748ء:

جب فرخ سیر کو قتل کیا گیا تو اس وقت شہزادہ روشن اختر سلیم گڑھ کے قلعے میں مقیم تھا۔ سید برادران کی نظر انتخاب اس پر پڑی اور ان کے آدمی اسے لینے کے لیے قلعے میں داخل ہوئے تو اس کی ماں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی میرے یتیم بیٹے پر رحم کرو اور اسے بادشاہ نہ بناؤ۔ سید برادران نے اسے بادشاہ بنا دیا اور وہ ابتدا سے ہی سید برادان سے نجات حاصل کرنے کی سوچنے لگا اور آخر 1722ء میں ان سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

Marfat.com

اس دور کے اہم واقعات:

1۔ سید برادران کا زوال۔
2۔ نظام الملک آصف جاہ کا عروج۔
3۔ محمد شاہ کی عیش پسندی۔
4۔ سلطنت کا انتشار۔
5۔ نادر شاہ کا حملہ۔

سید برادران کا زوال:

سید برادران میں مال غنیمت کی تقسیم پر تنازع ہوا لیکن جلد ہی ان میں صلح ہو گئی۔ مالوہ کے نظام الملک کی فوجوں کے ساتھ سید برادران کی افواج کا مقابلہ برار میں ہوا۔ جس میں نظام الملک کو فتح حاصل ہوئی۔ اس شکست سے سید برادران کو سخت دھچکا لگا۔ حسین علی خاں دکن جاتے ہوئے قتل ہوا اور سید عبداللہ خاں نے محمد شاہ کو تخت سے اتار کر کسی اور شہزادے کو تخت نشین کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن محمد شاہ کے وزیر محمد امین نے اس کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور سید عبداللہ خاں کو گرفتار کر کے حیدر قلی خاں کے حوالے کر دیا جس نے 1722ء میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

سید برادران کے زوال کے اسباب:

1۔ مغل شہزادوں کا خوف۔
2۔ مغل امرا کی مخالفت۔
3۔ سید برادران کا غرور و تکبر۔
4۔ فرخ سیر کے قتل سے عوام کے دلوں میں نفرت۔
5۔ سید برادران کی ریشہ دوانیاں۔
6۔ ترکوں کا دربار میں اثر۔

سید برادران بہت مغرور ہو گئے تھے۔ حسین علی کہا کرتا تھا کہ جس کے سر پر میرا جوتا پڑے وہی دہلی کے تخت پر بیٹھتا ہے۔ اگر چہ وہ بادشاہ گر تھے۔ لیکن ہر بادشاہ تخت نشین ہوتے ہی ان سے گلوخلاصی کا آرزومند ہوتا تھا۔ بادشاہوں کے ساتھ ان کا سلوک

Marfat.com

عامیوں جیسا تھا امرا کو تو وہ خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ اس طرح امرا دونوں بھائیوں کے مخالف ہو گئے تھے۔

فرخ سیر کو جس بے دردی سے قتل کیا۔ عوام میں ان کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ سید برادران کمزور شہزادے کا ساتھ دے کر اسے تخت نشین کرتے تھے تا کہ وہ من مانی کر سکیں۔ محمد شاہ کا انتخاب بھی انھوں نے اس لیے ہی کیا تھا لیکن اس کی والدہ نے اسے مشورہ دیا کہ ترک امرا کو آگے بڑھاؤ اور ترکوں سے جوڑ کر سادات کو توڑ کر رکھ دو۔ محمد شاہ کی اس چال نے سید برادران کا کھیل ختم کر دیا۔

2۔ نظام الملک آصف جاہ کا عروج:

سید بھائیوں کا توڑ پید کرنے کے لیے ایک ترک سپہ سالار چن قلیچ خاں لقب آصف جاہ نظام الملک کا انتخاب کیا گیا۔ 1710ء میں اسے مالوہ کا گورنر بنایا گیا۔ نظام الملک کے ساتھ سید برادران کے تعلقات ناخوش گوار ہو گئے۔ انھوں نے نظام الملک کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اسے دکن کی گورنری کی پیش کش کی لیکن نظام الملک نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ سید بھائیوں نے مرہٹوں اور راجپوت سرداروں کی امداد سے نظام الملک کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن نظام الملک نے برار میں انھیں شکست فاش دے کر ان کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔

سید بھائیوں کے خاتمے کے بعد محمد امین کو وزیر مقرر کیا گیا اور نظام الملک سپہ سالار بنا۔ محمد امین کی موت کے بعد نظام الملک کو وزیر مقرر کیا گیا۔ 1724ء میں نظام الملک نے دکن میں خودمختار ریاست قائم کی اور حیدر آباد کو اپنا دارالحکومت بنایا۔

3۔ محمد شاہ کی عیش پسندی:

چاہیے تو یہ تھا کہ محمد شاہ، سید برادران کے خاتمے کے بعد امور سلطنت میں دلچسپی لیتا لیکن وہ عیش و عشرت کی طرف راغب ہو گیا۔

جب دربار سادات بارہہ سے صاف ہوا تو بادشاہ کی رنگین مزاجی نے اپنا اصل رنگ دکھانا شروع کیا۔ دن رات حسینوں کی جھرمٹ میں کٹنے لگے۔ ان رنگ رلیوں اور عیاشیوں کی بنا پر محمد شاہ ''رنگیلا شاہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

Marfat.com

4۔سلطنت کا انتشار:

محمد شاہ کے امور سلطنت میں غفلت کی وجہ سے یکے بعد دیگرے کئی صوبے خود مختار ہو گئے۔علی ویردی خان نے بنگال، بہار اور اڑیسہ میں نظام الملک آصف جاہ نے دکن میں، سعادت خان برہان الملک نے اودھ میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔میسور، مالابار اور ٹراونکور میں ہندو ریاستیں بن گئیں۔

5۔نادر شاہ کا حملہ:

نادر شاہ حاکم ایران نے 1739 میں لاہور پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے دلی جا پہنچا۔محمد شاہ نے دو کروڑ روپے کے عوض اسے واپس جانے پر رضامند کر لیا لیکن اتفاقاً ایرانی سپائیوں سے کچھ لوگوں کا جھگڑا ہو گیا اور یہ افواہ اڑی کہ نادر شاہ ہلاک ہو گیا ہے۔مقامی لوگوں نے یہ سن کر ایرانیوں پر حملے شروع کر دئے۔جب یہ اطلاع نادر شاہ کو ملی تو اس نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ایک دن میں تیس ہزار افراد قتل ہوئے۔محمد شاہ نے نادر شاہ سے رحم کی اپیل کی چناں چہ نادر شاہ نے قتل عام اور لوٹ کھسوٹ کی ممانعت کر دی۔
نادر شاہ نے سرکاری خزانے اور تخت طاؤس پر قبضہ کر لیا۔کام بخش کی ایک پوتی نادر شاہ کے لڑکے سے بیاہی گئی۔نادر شاہ نے کابل کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

1748 میں محمد شاہ کا انتقال ہوا۔اس وقت مغلیہ سلطنت سمٹ کر شمالی ہندوستان تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

" Toward the year 1748 the mighty mughul empire had been reduced to a strip of land a litlle more than 100 miles broad , and about 300 miles Long. A History of india p201

احمد شاہ بہادر 1748-1754ء:

1748ء میں محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر اکیس برس تھی۔اور اسے امور جہانبانی کا کوئی تجربہ نہ

Marfat.com

تھا۔ اس کا دربار امرا کی سازشوں کا گڑھ بن گیا۔ جاوید خان نواب بہادر اور صفدر جنگ وزیر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے سازشوں کے جال بچھانے میں مصروف رہے صفدر جنگ نے جاوید خان کو قتل کر دیا اور احمد شاہ سے اودھ کی حکمرانی حاصل کر لی۔

احمد شاہ ابدالی کا حملہ:

1748ء میں محمد شاہ کے عہد میں احمد شاہ ابدالی سرہند تک آیا تھا اور پھر وہاں سے افغانستان واپس چلا گیا تھا۔۔ 1749ء میں احمد شاہ بہادر کے دور میں دوبارہ حملہ کیا لیکن اس بار لاہور سے آگے نہ بڑھا۔

مرہٹوں کی سرگرمیاں بھی تیز تر ہو گئیں اور انھوں نے مختلف علاقوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ 1751ء میں احمد شاہ ابدالی نے تیسری بار حملہ کیا اور احمد شاہ کو مجبور کر دیا کہ پنجاب اور ملتان کے علاقے افغانستان کی حکومت کے حوالے کر دے۔

1754ء میں غازی الدین عماد نے مرہٹہ سرداروں کے ساتھ مل کر احمد شاہ کو تخت سے معزول کر کے اندھا کر کے قید میں ڈال دیا اور جہاں دار شاہ کے لڑکے عزیز الدین عالمگیر ثانی کو تخت نشین کر دیا۔

عزیز الدین عالمگیر 1754-1759ء:

عزیز الدین نے عالمگیر دوم کا لقب اختیار کیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر پچپیس سال تھی۔ اس کی عادات تو عالمگیر جیسی تھی لیکن انتظام سلطنت اور امور سپہ گری میں وہ بالکل کورا تھا۔ وہ پانچوں وقت پڑھتا اور اکثر تاریخی کتب کا مطالعہ کرتا رہتا۔ وہ ایک کمزور انسان اور امور سلطنت کی صلاحیتوں سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے وزیر عماد الملک کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا۔

احمد شاہ ابدالی کا دہلی پر حملہ:

1757ء میں احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر حملہ کیا اور بڑی آسانی سے دہلی کے قلعے میں داخل ہو گیا۔ اس نے عالمگیر ثانی سے ملاقات کرنے کے بعد قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی ایک ماہ دہلی میں مقیم رہا۔ اس دوران میں عالمگیر ثانی کے بڑے

Marfat.com

بانی عزیز الدین کی لڑکی احمد شاہ ابدالی کے لڑکے تیمور سے بیاہی گئی۔

لمگیر ثانی کا قتل:

عالمگیر دوم اور اس کے وزیر کے تعلقات کشیدہ تھے۔ عماد الملک نے بادشاہ کے ے لڑکے عالی گوہر کو قید میں ڈال دیا اور 1759ء میں عالمگیر ثانی کو قتل کر کے نعش لھڑکی سے باہر پھینک دی جو دریائے جمنا کے کنارے برہنہ پڑی رہی۔ بعد ازاں اٹھا لرا سے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔

عماد الملک کام بخش کے پوتے محی الملت کو شاہ جہاں سوم کے لقب سے تخت پر ٹھانا چاہتا تھا لیکن اسی دوران میں عالی گوہر نے بہار میں شاہ عالم دوم کے لقب سے وشاہت کا اعلان کر دیا۔

شاہ عالم دوم 1759-1806ء:

1759ء میں احمد شاہ ابدالی نے لاہور سے سکھوں کو مار بھگایا اور مرہٹہ سرداروں کو روندتا ہوا دلی کی طرف بڑھا۔ مرہٹوں نے افغانوں اور شجاع الدولہ میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ شجاع الدولہ نے افغانوں کی مدد سے شاہ جہاں سوم کے بجائے عالی گوہر کی حمایت کی۔ شجاع الدولہ شاہ عالم دوم نے علی گوہر کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

اہم واقعات:

(۱) پانی پت کی تیسری لڑائی
(۲) بنگال بہار اڑیسہ کی دوانی۔
(۳) شاہ عالم دوم کی زبوں حالی۔
(۴) لارڈ لیک کا دہلی پر قبضہ۔

پانی پت کی تیسری لڑائی:

14 جنوری 1761ء کو احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کے مقام پر تیسری سب سے بڑی جنگ ہوئی۔ کیوں کہ مرہٹے روایتی انداز جنگ سے ہٹ کر

Marfat.com

گوریلہ جنگ کے عادی تھے۔اس لیے انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔تیس ہزار مرہٹہ مارے گئے اور بیس ہزار قیدی بنا لیے گئے۔۔مرہٹہ سپہ سالار سداشیو راؤ بھاؤ اور پیشوا کا بیٹا وشواش راؤ میدان جنگ میں مارے گئے۔پیشوا صدموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔اس شکست نے مرہٹوں کا وقار خاک میں ملا دیا اور رام راجیا کے منصوبے دم توڑ گئے۔

2 بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی:

1765ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم دوم نے چھبیس لاکھ روپے کے عوض بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دی۔

3۔شاہ عالم دوم کی زبوں حالی:

شاہ عالم دوم 1759 سے 1806ء تک حکومت کی لیکن وہ اپنے وزراء اور مرہٹوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا۔غلام قادر اور روہیلے نے بادشاہ کو مرہٹوں کے چنگل سے نکالا لیکن 1788ء میں بادشاہ کو اندھا کر کے خود سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔

اس دوران میں مہاداجی سندھیا ایک مرہٹہ سردار نے بڑا عروج پایا۔اس نے غلام قادر روہیلہ کو قتل کر کے بادشاہ سے مرہٹہ پیشوا کے لیے وکیل مطلق کا عہدہ حاصل کیا اور خود اس کے نائب کی حیثیت سے دہلی رہنے لگا۔کہنے کو تو وہ شاہ عالم دوم کا خادم تھا لیکن بادشاہ کی حیثیت ایک قیدی کی تھی اور وہ مختار مطلق تھا۔

لارڈ لیک کا دہلی پر قبضہ:

1803ء میں لارڈ لیک (LORD LAKE) نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور شاہ عالم انگریزوں کا وظیفہ خوار بن گیا۔شاہ عالم دوم کا 1806ء میں انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا اکبر ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

اکبر شاہ ثانی 1806-1837ء:

اکبر شاہ ثانی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا۔وہ لال قلعہ دہلی میں برائے نام بادشاہ تھا۔اس نے 1837ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

بہادر شاہ ثانی 1837-1857ء:

اکبر دوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سراج الدین بہادر شاہ ظفر جانشین ہوا۔ یہ خاندان کا سردار اور لال قلعہ دہلی میں ایست انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا۔ اس نے 1857ء کی جنگ آزادی کی قیادت کی۔ انگریزوں نے اس پر مقدمہ چلایا اور رنگون جلاوطن کر دیا۔ جہاں اس نے 1862ء میں وفات پائی اس طرح مغلیہ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ برطانوی حکومت نے 1858ء کے اعلان کی رُو سے کمپنی کے اقتدار کا خاتمہ کر کے زمام اقتدار خود سنبھال لی۔

"The last three Mughul emperors were emperors in name and not in deed."

A History of India P202.

.... ☆☆ ....

Marfat.com

ساتواں باب

سلطنت مغلیہ کے زوال کی داستان

زوال ایک فطری عمل ہے جس سے کئی سلطنتیں مٹتی ہیں اور ان سے کئی دوسری سلطنتیں ابھرتی ہیں۔ یہ قانون قدرت ہے 'تلک الایام ندولھا بین الناس' اسی کے پیش نظر ابن خلدون کہتا ہے کہ ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے اس عمر کا انجام زوال ہے۔ یہ زوال فطری اور قدرتی عمل ہے جسے موخر تو کیا جا سکتا ہے لیکن ٹالا نہیں جا سکتا۔

مغلیہ سلطنت سوا تین سو سال تک قائم رہی۔ اس میں 180 سال دور عروج کے اور 145 سال دور زوال کے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کا نظام حکومت اتنا زبردست تھا کہ اسے زوال سے دوچار ہونے کے لیے ڈیڑھ صدی لگی۔ شاید یہ ادارے کچھ عرصہ اور بھی چلتے اگر انگریز اپنی مکاری کا جال بچھا کر ہندوؤں کو مغلوں کے نظام حکومت سے الگ کرنے میں کامیاب نہ ہو جاتا۔

وہ ادارے جو مغل سلطنت کے زوال کا باعث بنے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زرعی نظام (۲) منصب داری اور جاگیرداری

(۳) مغل فوج (۴) مغل دربار

انگریز مغل سلطنت کے زوال میں مندرجہ ذیل وجوہات پیش کرتے ہیں۔

"The Weekness of aurangzeb's successors, internal dissensions and internal aggression."

مغلیہ سلطنت کے مطالعے سے جو زوال کے اسباب سامنے آتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ 'سلطنت مغلیہ کے زوال کی داستان دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔

1۔ اکبر کی مذہبی پالیسی۔

2۔ مغل فوج میں غیر مسلموں کی عددی کثرت۔

Marfat.com

3۔ خودمختار غیر مسلم ریاستیں۔
4۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے۔
5۔ ناکام خارجہ پالیسی۔
6۔ انتظامی خرابیاں۔
7۔ صوبوں کی خودمختاری۔
8۔ اورنگ زیب کے بعد کمزور اور نااہل بادشاہ۔
9۔ اسلام پر پختہ یقین کا فقدان۔
10۔ مغل امراء کا اخلاقی زوال۔
11۔ غدار اور نمک حرام امراء۔
12۔ قبائلی لڑائیاں۔
13۔ امراء کی صلاحیتوں میں کمی۔
14۔ عیش پسندی۔
15۔ حکومت کی بے وقعتی۔
16۔ وسعت سلطنت۔
17۔ شخصی حکومت۔
18۔ ہندوستان کی گرم آب و ہوا۔
19۔ انتظامی بدعنوانی۔
20۔ زرعی نظام۔
21۔ منصب داری نظام۔
22۔ مغل فوج۔
23۔ مغل دربار۔
24۔ بحری قوت سے تغافل۔
25۔ جانشینی کے اصول کا فقدان۔
26۔ انتشاری قوتوں کا فروغ۔
27۔ قزاقی کا فروغ۔
28۔ سکھوں کی مفسدہ پردازی۔

Marfat.com

29۔ مرہٹوں کی شورش۔

30۔ یورپین کی آمد۔

31۔ انگریز کی عیاری۔

1۔ اکبر کی مذہبی پالیسی:

اکبر کو ہندو مسلمانوں کو ایک کر کے متحدہ قومیت پیدا کرنے کی سوجھی۔ چناں چہ اکبر نے ایک نئے مذہب ''دین الٰہی'' کی بنیاد رکھی۔ اس مذہب کے اصول مختلف مذاہب سے لیے گئے۔ اس کا بنیادی اصول یہ تھا ''خدا ایک ہے۔ اکبر اس کا نائب ہے۔ سورج، چاند، ستارے خدا کا ظاہری جلوہ ہیں۔ اس لیے ان کی پرستش جائز ہے''۔

اکبر کی مذہبی پالیسی سے بہت سے مسلمان آزاد خیال ہوتے چلے گئے اور بہت سے متحدہ قومیت کے علم بردار بن کر الگ مسلم تشخص سے دست بردار ہو گئے۔ ہندو کی یہ چال رہی کہ متحدہ قومیت کے ذریعے، بیرونی حملہ آوروں کی الگ شناخت ختم کر کے انھیں ہندومت میں ضم کر لیا جائے۔ ہندوؤں نے اس غرض کے لیے ہندو عورتوں کو اکبر کی حرم سرا میں داخل کیا۔ اس اثر سے اکبر نے ''دین الہی'' کی بنیاد رکھی اور ہندو رانیوں کے بچے تیموری غیرت و شجاعت سے محروم ہوتے گئے۔

مسلمان جو اپنی مسلم حکومت اور الگ تشخص کے لیے برسرِ پیکار رہتے تھے ان کی ہمدردیوں اور وفاداریوں میں پہلی سی شدت باقی نہ رہی۔ جذبہ انفرادیت اور اس کی بقا کی خواہش ہی مسلم قومیت اور الگ تشخص کی بنیاد ہے۔

2۔ مغل فوج میں غیر مسلموں کی عددی کثرت:

مسلمان مغلیہ سلطنت کے بازوے شمشیر زن تھے۔ وہ مسلمانوں اور مغلیہ سلطنت کی بقاء کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا باعث نجات سمجھتے تھے۔ جہاد ان کا مذہبی فریضہ تھا لیکن اکبر کی مذہبی حکمت عملی سے رانیاں اکبر کے حرم سرا میں راج کرنے لگیں اور ان کے بھائی بند دربار اور فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے۔

مغل فوج میں غیر مسلموں کی عددی کثرت سے مغل بادشاہوں کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی اور ہندوؤں کو یہ احساس بھی ہوا کہ وہ مغلوں کی بقا کی اصل قوت

Marfat.com

ہیں۔ آہستہ آہستہ ان میں قومی تشخص اور ہندومت کے احیاء کا احساس اتنا شدید ہوا کہ حکمرانوں کے کمزور ہوتے ہی وہ ان کے جانی دشمن ہو گئے۔

3۔ خودمختار غیر مسلم ریاستیں:

اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کے دور میں راجپوتوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے مغلیہ حکومت ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور خودمختار حکومتیں قائم کر لیں۔ مغلیہ حکومت کمزور ہونے کی وجہ سے ان ریاستوں میں مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر دیا اور شعائر اسلامی کی کھلم کھلا بے حرمتی ہونے لگی۔ جب تک مغل طاقت ور رہے تو تیں ان کی تابع فرمان رہیں لیکن مغلیہ خاندان کے کمزور اور نااہل حکمران ان طاقتوں کو قابو میں نہ رکھ سکے اور سلطنت کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔

4۔ نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے:

1739ء میں نادرشاہ نے دہلی کے لوگوں کو نہ صرف لوٹا بل کہ ان کا قتل عام بھی کیا اور نادرشاہ کا قومی خزانے اور تخت طاؤس کا لے جانا اس کا ثبوت تھا کہ موجودہ حکومت بے بس تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے 1757ء میں دہلی پر حملہ کیا اور بڑی آسانی سے دہلی کے قلعے میں داخل ہو گیا۔ اس نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور قتل عام کیا۔

نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں مغلیہ سلطنت پر عیاں کر دیا اور اس موقعے سے طالع آزماؤں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ مرہٹے ایک زبردست قوت بن کر ابھرے۔ اگر 1761ء میں احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے ''رام جیا'' کا خواب غلط نہ کرتا تو بہت پہلے مرہٹے اس خاندان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا چکے ہوتے۔

نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی نے مغلوں کو جھنجھوڑ کر چرکے پہ چرکے لگائے لیکن وہ اتنے بے بس ہو چکے تھے کہ وہ زوال کی طرف قدم بڑھاتے چلے گئے۔

5۔ ناکام خارجہ پالیسی:

مغلوں کی ناکام خارجہ حکمت عملی کی وجہ سے ایران، توران کے حکمران ان کے ہمیشہ مخالف رہے اور اس سلطنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کوشاں رہے۔

Marfat.com

نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی مغلوں کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے قہر الٰہی بن کر دہلی پر ٹوٹے۔ اگر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جاتا اور حملوں کے دوران میں جو رشتے ناطے جوڑنے کی کوشش کی گئی وہ زمانہ امن میں طے پاتے تو ان کے دل میں خیرسگالی کا جذبہ موجزن ہوتا۔

مغلوں نے زمانہ عروج میں ان ملکوں کو روندنے کی کوشش کی اور دور زوال میں وہ آسمانی بجلی بن کر ان پر گرے، اس طرح مغلوں کی عظمت اور قوت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ مخالفین پر ان کی فوجی کمزوری اور نا اہلی عیاں ہوگئی اور وہ ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔

6۔ انتظامی خرابیاں:

خانہ جنگیوں کی وجہ سے انتظامی خرابیوں نے جنم لیا۔ مرکز میں امراء کی وفاداریاں مشکوک ہوئیں اور صوبوں میں صوبے دار تو تا چشم ہوتے چلے گئے۔ صوبیداروں نے مرکز کو لگان دینا بند کر دیا، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے قومی خزانہ لوٹ کر مغلیہ حکومت کو کنگال کر دیا۔ اس طرح پوری سلطنت افراتفری اور بدنظمی کا شکار ہو کر رہ گئی۔

7۔ صوبوں کی خودمختاری:

مرکز کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے صوبیداروں نے مرکز سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دکن میں آصف جاہ نظام الملک، اودھ میں سعادت علی خان، بنگال بہار اور اڑیسہ علی وردی خان کے تحت خودمختار ریاستیں بن گئیں۔ روہیلوں نے روہیل کھنڈ میں آزاد حکومت قائم کی اور راجپوتوں نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مغلیہ سلطنت سمٹتی چلی گئی اور وہ باغیوں اور شرپسندوں کی قوت توڑنے میں ناکام رہی۔

8۔ اورنگ زیب کے بعد کمزور اور نااہل بادشاہ:

بابر کے جانشینوں نے اپنی ہمت، استقلال اور حسن تدبیر سے سلطنت کو چار چاند لگا دیے۔ دنیا کے بادشاہ ان کی عظمت و شوکت کی قسم کھاتے اور ان کی ہیبت سے لرزتے تھے مگر اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں میں جہاں دار شاہ اور محمد شاہ رنگیلا جیسے

Marfat.com

رنگین مزاجوں نے مغلیہ سلطنت کو بدنام کر دیا۔ لال کماری حرم سرا میں اور اس کے رشتے دار دربار میں امیر بن گئے۔ بادشاہ لال کماری سے عشق اور اس کے بھائی بندوں کے مشوروں پر عمل کرنے لگا۔ محمد شاہ رنگیلا عشق کی بازی میں جہاں دار کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ اس کے دن رات معجون، افیون اور شراب میں کٹنے لگے۔ ہر دن عید اور ہر رات شبِ برات اور دربار ناچ رنگ اور شباب و کباب کا اڈا بن گیا۔ انھیں خدا اور رسول یاد رہا اور نہ اسلام سے کوئی سروکار۔ امورِ سلطنت سے عدم دلچسپی اور روز و شب کی عیش پرستی نے انھیں ناکارہ بنا دیا۔ مغلیہ سلطنت کے کمزور اور نا اہل حکمران سازشی درباریوں اور وزیروں کے ہاتھوں میں کھلونے بن کر رہ گئے۔

"The First six emperors(1526-1707)of the falling empire were in competent rulers falling the last five (1748-1857)were the puppet emperors"

9۔ اسلام پر پختہ یقین کا فقدان:

اکبر نے دینِ الٰہی سے متحدہ قومیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اگر اس کی کوششیں بار آور ہو جاتیں تو برِ عظیم سے مسلمانوں کا نام نشان مٹ جاتا۔ اس دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دینِ الٰہی کے زہر کا تریاق پیش کیا۔ آپ کی کوششوں سے جہانگیر سے عالمگیر تک احیائے اسلام کا اتنا کام ہوا کہ اورنگزیب کی ذاتی زندگی اسلام کا نمونہ بن گئی اور فتویٰ عالمگیر کا کام بھی مکمل ہوا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں نے وہ گل کھلائے کہ مذہب کی اہمیت کم ہو گئی۔ لال کماری ہندو طائفہ نے جہاں دار شاہ کا ہوش اور مذہب دونوں چھین لیے۔ محمد شاہ رنگیلا کی حرکات نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میدانِ عمل میں نہ آتے تو ہندوستان میں مسلمان مذہب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے۔ آپ کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں کودا اور مرہٹوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ احیائے دین کے لیے آپ اور آپ کے خاندان کی کوششیں سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

Marfat.com

10۔ مغل امراء کا اخلاقی زوال:

مغلیہ بادشاہوں کی عیاشیوں نے مغل امراء کو بھی اخلاقی زوال سے دوچار کر دیا۔ مغل امراء عیش و عشرت میں پڑ گئے اور اس درجے آرام طلب ہو گئے کہ میدان جنگ میں جاتے تو مغل امراء دلہا بنے ہوئے پالکیوں میں سوار ہو کر جاتے۔ مغلوں کی تباہی جس تیزی سے ہوئی اس کا باعث مغل امراء کی عیش پسندی اور رشوت ستانی ہے۔

11۔ غدار اور نمک حرام امراء:

مغل امراء میں غدار اور نمک حرام بہت تھے۔ جنگ تخت نشینی نے مغل امراء کی وفاداریاں مشکوک کر دی تھیں۔ اکثر امراء بکاؤ مال بن کر رہ گئے تھے۔ مغل امراء کی غداری اور نمک حرامی نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر کے رکھ دیں۔ سادات بھائیوں نے اپنے مفاد کی خاطر مرہٹوں سے ساز باز کی اور شمالی ہند کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے۔

12۔ قبائلی لڑائیاں:

مغل دربار میں ایرانی، تورانی اور ہندی مسلمانوں کے علاوہ ہندو امراء بھی تھے۔ امراء ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہتے تھے۔ مغلوں کے اس دور میں یہ بات عام تھی کہ کمزور حکمرانوں کی صورت میں امراء یا تو بدعنوان ہو جاتے یا بادشاہ کو اپنا آلہ کار بنا کر غلط صحیح مشوروں پر چلنے پر مجبور کرتے۔ اسے دوسرے امراء کی خلاف اکسا کر اس کے وقار کو کم کرنے کی فکر میں رہتے جو بھی امیر بادشاہ کا مقبول نظر ہوتا وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو اہم عہدے سپرد کر دیتا۔ اس طرح دربار میں اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

13۔ امراء کی صلاحیتوں میں کمی:

مغل امراء ترکوں، افغانوں اور ایرانیوں میں سے تھے۔ ہندوستان میں آ کر انھوں نے مغل بادشاہوں کی روش اختیار کی۔ ہندو عورتوں کو اپنے نکاح میں لائے۔ اس مخلوط معاشرت نے امراء کو عیش پسند اور آرام طلب بنا دیا۔

Marfat.com

مغل بادشاہ اپنی سلطنت کے امراء کو مناصب اور جاگیروں سے نوازتے تھے بہت سے امراء شمشیر زنی کو چھوڑ اکر زراعت میں لگ گئے اور انھوں نے اپنی زندگی پُر تعیش بنانے کے لیے امور جہانبانی سے منہ موڑ لیا۔

14۔امراء کی عیش پسندی:

ہندوستان سونے کی چڑیا تھی۔ اس زرخیز سرزمین کی تمام دولت مغل امراء کی تجوری میں چلی جاتی تھی جس کی بدولت وہ پُرتعیش زندگی گزارتے تھے اونچے طبقے میں شراب نوشی عام تھی۔ اکبر کے حرم میں 5 ہزار عورتیں تھیں۔ یہی حال امراء کا تھا جو بادشاہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے حرم میں عورتوں کی فوج رکھتے تھے۔ داشتائیں رکھنے کا عام رواج تھا۔ سیر وتفریح، قمار بازی، رقص و سرود اور اس نوع کی دیگر تفریحات عام تھیں اس پُرتعیش زندگی نے امراء کو خواب غفلت میں مبتلا کر دیا۔

15۔حکومت کی بے وقعتی:

مغل بادشاہ کی نااہلی اور بے وقعتی اس وقت آشکارا ہوئی جب 1739ء میں نادر شاہ نے دہلی کو لوٹا اور لوگوں کا قتل عام کیا۔ غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم ثانی کو اندھا کر کے تخت پر بٹھائے رکھا اور خود سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ مہاداجی سندھیا نے غلام قادر روہیلے کو قتل کر کے خود سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ مہاداجی سندھیا نے غلام قادر روہیلے کو قتل کر کے خود سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا اور شاہ عالم ثانی نام کا بادشاہ رہ گیا اور پھر 1803ء میں لارڈ لیک نے اسے انگریز کا وظیفہ خوار بنا دیا۔ بعد کے دونوں مغل بادشاہ انگریز کے وظیفہ خوار اور نام کے بادشاہ تھے اور ان کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ رہی تھی۔ اس طرح حکومت کی بے وقعتی عیاں ہوگئی اور یہ چراغ سحری ٹمٹما کر 1857ء میں ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

16۔وسعت سلطنت:

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں سلطنت مغلیہ بہت وسیع ہو چکی تھی اور اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں سے اس کا انتظام وانصرام دشوار ہو گیا۔ اس دور کے ذرائع نقل وحمل اور مواصلات بھی اجازت نہ دیتے تھے کہ دہلی اور آگرے میں بیٹھ کر

Marfat.com

سے دکن تک اتنی بڑی سلطنت کو سنبھالا جا سکے۔

17۔ شخصی حکومت:

شخصی حکومت اس وقت اچھی ہوتی ہے جب بادشاہ بہادر، مستقل مزاج، مدبر اور دین دار ہو۔ بابر سے اورنگ زیب عالمگیر تک ایسی صفات کے مالک تھے، انھوں نے اتنی بڑی سلطنت کو قابو میں رکھا۔ ان کے بعد حسن تدبر سے عاری، نا اہل اور کمزور جانشینوں نے وہ گل کھلائے کہ برعظیم کی عظیم بادشاہت اپنی شان وشوکت کو قائم رکھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو کر رہ گئی۔

18۔ ہندوستان کی گرم آب وہوا:

ہندوستان کی گرم آب وہوا نے مغلوں کو کاہل، سست اور کمزور بنا دیا۔ دولت کی فراوانی نے انھیں عیش وعشرت میں ڈال دیا۔ اس طرح مغل ہندوستان میں قیام کے دوران میں تنزل کا شکار ہو گئے اور سلطنت زوال پذیر ہو گئی۔

19۔ انتظامی بدعنوانی:

بابر سے اورنگ زیب عالمگیر تک طاقتور حکمران تھے۔ اس لیے صوبے دار اور ماتحت افسران لگان میں خیانت نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کے بعد صوبے دار اور افسران اتنے بددیانت ہو گئے کہ سرکاری محاصل کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی وصول کرنے لگے۔ اعلیٰ افسروں سے لے کر ادنیٰ ملازمین تک سب رشوت لیتے تھے۔ اس طرح پورا معاشرہ خودغرضی، فرض ناشناسی اور رشوت خوری میں مبتلا ہو کر زوال پذیر ہو رہا تھا۔ اخلاقی اقدار دم توڑ رہی تھیں۔ ایسے میں کسی حکومت کا قائم رہنا معجزے سے کم نہیں ہوتا۔

20۔ زرعی نظام:

اورنگ زیب عالمگیر کے آخری عہد میں دور دراز کے علاقوں میں اجارہ داری نظام رائج تھا۔ اس نظام کے تحت زمین کئی سال کے لیے ٹھیکے پر دے دی جاتی تھی اور حکومت مالیہ پیشگی وصول کر لیتی تھی لیکن اس کے بعد یہ نظام مستقل حیثیت اختیار کر گیا اور اس نے مغل سلطنت کی جڑیں تک ہلا کے رکھ دیں۔ اورنگ زیب سے قبل جاگیریں

Marfat.com

موروثی نہیں تھیں لیکن اس کے بعد جاگیریں موروثی ہوتی چلی گئیں۔

21۔منصب داری نظام:

اورنگ زیب کے بعد منصب داروں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور ارال کماری کے رشتہ دار بھی منصب دار بن گئے۔ منصب داروں کو ان کی تنخواہ کے عوض جو زمینیں دی گئی تھیں وہ اُن کے مالک بن گئے۔

منصب داری نظام کا ایک اور نقص اس کی دوہری حیثیت تھی۔ وہ مغل فوج کے عہدہ دار بھی ہوتے تھے اور سول انتظامیہ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ''فوجی افسر کی حیثیت سے کسی بادشاہ کے لیے ان کی وفاداریوں کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ دوسرے لفظوں میں ان کی وفاداریاں مملکت کے ساتھ نہیں، اپنے آقا کے ساتھ ہوتی تھیں''

22۔مغل فوج:

جانشینی کے نازک مسئلے میں فوج شریک ہو کر متحدہ نہ رہ سکی۔ مغل فوج پر بھی ہندوستان کی آب و ہوا نے برا اثر ڈالا۔ مغل سپہ سالار اور سپاہی آرام طلب، فرض ناشناس، خودغرض اور عیش و عشرت کے دل دادہ بن گئے وہ لڑائی سے کترانے لگے، خطرات میں کودنے کے بجائے میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ فوج کا تنزل اور بزدلی نے مغلوں کے زوال کو قریب تر کر دیا۔ مخالفین نے مغل فوج کی عسکری کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔

23۔مغل دربار:

تخت نشینی کی جنگوں میں دربار کا نظام بری طرح متاثر ہوا۔ نئے اور پرانے امراء میں تصادم ہوا اور امرا میں باہم خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں بادشاہ کی مرکزی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی اور مغل دربار انتشار کا شکار ہو گیا۔

24۔بحری قوت سے تغافل:

مغلوں نے بحری فوج کی طرف کوئی توجہ نہ دی جب کہ یورپین اقوام کی خوشحالی کا دارومدار بحری سفر کے ذریعے تجارت اور نئے علاقوں کی دریافت پر تھا۔ انگریز

Marfat.com

مالا بار کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے اور آہستہ آہستہ دہلی تک جا پہنچے۔ کیوں کہ سمندر میں ان کی اجارہ داری تھی اور سمندر مغلوں کی دسترس سے باہر تھا۔ مغل ان کے مقابلے میں مضبوط بحریہ کی اہمیت سے غافل رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ یورپین طاقتوں کا مقابلہ نہ کر سکی جنھیں سمندر میں برتری حاصل تھی۔

25۔ جانشینی کے اصول کا فقدان:

مغلوں میں جانشینی کا کوئی قانون نہیں تھا جس کے ذریعے پر امن طور پر بادشاہت منتقل ہو جاتی۔ بادشاہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی بھائیوں کی تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور اس وقت تک بے نیام رہتیں جب تک ''تخت یا تختہ'' نہ ہو جاتا۔ اس تخت نشینی کی جنگوں نے مغلوں کے پورے نظام کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ نئے اور پرانے امرا برسر پیکار ہو گئے۔ بادشاہ کی مرکزی حیثیت ختم ہو گئی اور دربار سازشوں کا گڑھ بن گیا۔

26۔ انتشاری قوتوں کا فروغ:

مغلوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انتشاری قوتوں، راجپوتوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں وغیرہ نے مغلیہ سلطنت کو ختم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ مغلوں کی باہمی چپقلش، بھائیوں کی جنگ تخت نشینی، امرائے سلطنت کی غداریوں نے سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ اس لیے اورنگ زیب کے جانشین انتشاری قوتوں کو دبانے میں ناکام رہے۔

27۔ قزاقی کا فروغ:

کمزور حکومت لوگوں کے مال و جان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد کمزور حکمران تخت نشین ہوئے جو لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنے سے قاصر تھے۔ چوروں، ڈاکوؤں، بحری قزاقوں نے لوٹ مار سے خوب ہاتھ رنگے اور قتل و غارت سے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا۔

28۔ سکھوں کی مفسدہ پردازی:

گورو ارجن اور گورو تیغ بہادر کے قتل نے سکھوں کو مغلیہ سلطنت کا جانی دشمن بنا

Marfat.com

۔اُنھوں نے اپنی طاقت کو منظم کیا اور مغلوں کے خلاف مسلح بغاوتیں شروع کردیں۔
شاہ ابدالی کی وفات کے بعد سکھ سرداروں نے پنجاب میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں
قائم کرلیں۔ رنجیت سنگھ نے ان ریاستوں کو یکجا کر کے پنجاب میں سکھ سلطنت قائم کی جو
184ء انگریزوں کے ہاتھوں پنجاب کی تسخیر تک قائم رہی۔

2۔ مرہٹوں کی سازش:

مرہٹوں نے دکن کی بدامنی اور مغل فوج کی اندرونی بدنظمی سے بڑا فائدہ
ٹھایا۔ 1757ء میں مرہٹوں نے عماد الملک کی سازش سے دہلی پر حملہ کیا اور کسی دقت
کے بغیر اس پر قابض ہوگئے۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد مرہٹوں نے پنجاب کا رخ کیا
ر 1758ء میں مرہٹوں کے تسلط کے بعد ان کی لوٹ مار اور قتل و غارت کی وجہ سے
صوبے میں بدامنی پھیل گئی۔

3۔ یورپین کی آمد:

یورپی اقوام پرتگیز، انگریز اور فرانسیسی بھی مغل سلطنت کی کمزوری سے فائدے
ٹھانے کے لیے میدان میں کود پڑے۔ انگریز اپنی بحری قوت میں اضافے اور مستحکم مالی
حیثیت کی وجہ سے اپنی حریف اقوام پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوگئے۔

31۔ انگریز کی عیاری:

انگریز ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ یہاں برعظیم کی دولت دیکھ
کراس کی رال ٹپک پڑی۔ اس نے مختلف حربوں سے اپنے قدم جمانے شروع کیے۔
انگریز نے برعظیم کے مختلف علاقوں میں مغل بادشاہوں کے فرامین کی بدولت اپنے
اقتدار کو مستحکم کیا اور آخر میں اپنی عیاری و مکاری سے امراء میں نفاق ڈال کر ملک پر قبضہ کر
لیا۔ 1857ء میں مغلیہ خاندان کی برائے نام بادشاہت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ آخری مغل
تاج دار سراج الدین بہادر شاہ ظفر کو جنگ آزادی کی قیادت کے الزام میں رنگون جلا
وطن کردیا گیا اور وہیں 1862ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

Marfat.com

انگریز کی تدریجی توسیع پسندی:

انگریز کو اپنے ہتھکنڈوں سے اپیہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہندوستانی ان کو نفرت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور دل سے پسند نہیں کرتے۔ اس لیے اُس نے جلد جلد مغلیہ اقدار کی بساط لپیٹنے اور برعظیم (SUBCONTINENT) پر قدم جمانے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

1۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد۔
2۔ مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر اور انگریز سفیر سر تھامس رو۔
3۔ اورنگ زیب عالمگیر اور کمپنی۔
4۔ فرخ سیر کا فرمان۔
5۔ فرانسیسیوں سے جنگ اور فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ۔
6۔ پلاسی کی لڑائی۔
7۔ بکسر کی لڑائی۔
8۔ لارڈ کلائیو کی دوبارہ گورنری۔
9۔ وارن ہیسٹنگز کے اقدامات۔
10۔ لارڈ کارنوالس اور میسور کی تیسری جنگ۔
11۔ لارڈ ولزلی اور میسور کی چوتھی جنگ۔
12۔ مرہٹوں سے تصادم۔
13۔ لارڈ منٹو اور رنجیت سنگھ سے معاہدہ۔
14۔ لارڈ ہیسٹنگز اور مرہٹوں سے جنگ۔
15۔ لارڈ ولیم بنٹنگ اور میسور پر کنٹرول۔
16۔ لارڈ ہارڈنگ اور سکھوں سے جنگیں۔
17۔ لارڈ آک لینڈ اور الحاق سندھ۔
18۔ لارڈ ڈلہوزی اور اصول الحاق۔
19۔ لارڈ کیننگ اور جنگ آزادی۔
20۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ۔

Marfat.com

1۔ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد:

برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد 1600ء میں ملکہ الزبتھ کے عطا کردہ ایک چارٹر کے ذریعے پڑی اس کمپنی کی اجارہ داری کو انگریز عوام نے ناپسند کیا۔ 1698ء میں ایک دوسری انگلش کمپنی برعظیم پہنچی۔ یہاں دونوں کمپنیوں میں تصادم شروع ہو گیا۔ 170 میں لارڈ گولڈالفن نے دونوں کمپنیوں میں مصالحت کرادی اور انھیں یکجا کر کے ب نام دے دیا گیا۔

2۔مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر اور انگریز سفیر سر تھامس رو:

1615ء میں شاہ انگلستان جیمز اول نے سر تھامس رو (SIR THOMASROE کو مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ ین سال تک جہانگیر کے دربار میں رہا اور اس نے کمپنی کے لیے بہت سی تجارتی مراعات اصل کیں۔

3۔اورنگ زیب عالمگیر اور کمپنی:

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں انگریز اتنے دلیر ہو گئے کہ انھوں نے مغربی ساحل کی ناکہ بندی کر کے شاہی تجارتی جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کے خلاف بمبئی پر فوج کشی کی اور انگریزوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ بعد ازاں شاہ انگلستان کی طرف سے معافی نامہ موصول ہونے پر 1690ء میں انگریزوں کو دوبارہ تجارتی سرگرمیوں کی اجازت مل گئی۔

4۔فرخ سیر کا فرمان:

مغل بادشاہ فرخ سیر ایک موذی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر ولیم ہملٹن نے اس کا کامیاب علاج کیا۔ اس کے بدلے میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے بنگال کی بلامحصول تجارت کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ انگریز اس فرمان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں منشور اعظم (MAGNACARTA) قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

5۔فرانسیسیوں سے جنگ اور فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ:

1756ء میں یورپ میں انگریز اور فرانسیسی کے مابین جنگ ہفت سالہ چھ
جس کا اثر ہندوستان پر بھی پڑا۔ یہاں فرانسیسیوں کمپنی کاؤنٹ لالOUNT
(LALL اور برٹش کمپنی کے لارڈ کلائیو (LOED CLIVE) کی سرکردگی میں بر
پیکار ہوگئیں۔ ہندوستان میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کے تمام تجارتی مراکز چھین لے
اور ہندوستان سے فرانسیسی اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔ اس طرح ہندوستانی تجارت کی وا
اجارہ داری ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصے میں آئی اور اس نے ہندوستانی سیاست میں بھ
قدم بڑھانے شروع کر دیے۔

6۔ پلاسی کی لڑائی:

علی وردی خان کی وفات پر اس کا نواسہ نواب سراج الدولہ بنگال کا حکمران
بنا۔ اسے کلکتہ میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے تشویش ہوئی۔ انگریزوں نے
سراج الدولہ کی مخبری کے لیے علی وردی خاں کے بہنوئی میر جعفر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔
جون 1757ء میں کلائیو نے کلکتہ سے نکل کر سراج الدولہ پر حملہ کر دیا۔ پلاسی کے میدان
میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں میر جعفر کی غداری کی وجہ سے نواب سراج الدولہ
کو شکست ہوئی اور وہ اس جنگ میں شہید ہو گیا۔ اس طرح میر جعفر بنگال کا نواب بن گیا
اور لارڈ کلائیو بنگال کا پہلا گورنر بنا۔

7۔بکسر کی لڑائی:

لارڈ کلائیو نے میر جعفر کو معزول کر کے اس کے داماد میر قاسم کو نواب بنا دیا۔
جب میر قاسم نے انگریزوں کی زیادتوں کے خلاف آواز اُٹھائی تو اسے معزول کر کے پھر
سے میر جعفر کو بنگال کا نواب بنا دیا۔

1764ء میں معزول نواب میر قاسم نے شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ
(OUDH) اور مغل شاہ عالم کے اتحاد سے بکسر میں انگریزی فوج پر حملہ کر دیا لیکن
انگریز جرنیل ہیکٹر منرو (HECTOR MONROE) نے اتحادیوں کو شکست
دے کر چنار اور الٰہ آباد پر قبضہ کر لیا۔ مغل بادشاہ انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا اور

Marfat.com

انگریزوں نے اس سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کا قانونی حق حاصل کر لیا۔

8۔ لارڈ کلائیو کی دوبارہ گورنری:

1765ء میں کلائیو (LORD CLIVE) دوبارہ گورنر بن کر آیا۔ اس نے بنگال کے نواب سے تمام اختیار چھین کر اسے انگریزوں کا وظیفہ خوار بنایا۔

9۔ وارن ہیسٹنگز کے اقدامات:

1772ء وارن ہیسٹنگز (Warrn hastings) گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے مغل بادشاہ کا 26 لاکھ خراج روک لیا۔ 1773ء شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے ایما پر روہیل کھنڈ کے زرخیز علاقے پر حملہ کر کے اسے روند ڈالا اور یہ علاقہ نواب کے حوالے کر دیا۔

10۔ لارڈ کارنوالس کی کارروائی:

لارڈ کارنوالس (LORD CORNWALLIS) 1786ء میں گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے 1790ء میں ٹیپو سلطان (TIPU SULTAN) پر حملہ کر دیا۔ اس میسور (MYSORE) کی تیسری جنگ کے نتیجے میں سلطان کو اپنی سلطنت کا نصف انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا۔

11۔ لارڈ ولزلی اور میسور کی چوتھی جنگ:

لارڈ ولزلی (LORD WELLESLY) 1798ء میں گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے سب سڈی ایری سسٹم (SUBSIDIARY SYSTEM) (امدادی صلح نامہ کے ذریعے اندرونی امن و امان اور بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لیے انگریزی افواج پر بھروسا کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ ٹیپو سلطان شیر میسور نے ایسی توہین آمیز شرائط قبول کرنے سے مر جانے کو ترجیح دی۔ اس نے اپنا قول "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے" میسور کی چوتھی جنگ میں سچ کر دکھایا اور مردانہ وار لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس کی وفات پر میسور کی ریاست انگریز نظام اور مرہٹوں نے تقسیم کر لی اور کچھ حصہ میسور کے قدیم ہندو حکمران خاندان کو دے دیا۔ اودھ کے نواب نے سب

Marfat.com

سڈی ایری سسٹم کو قبول کرلیا اور روہیل کھنڈ اور دو آب کے علاقے انگریزوں کے حوالے کردیئے۔

تنجور کے راجے اور کرناٹک کے نواب کی وفات پر ان کے علاقے بھی انگریزی سلطنت میں شامل کرلیے گئے۔

12۔ مرہٹوں سے تصادم:

مرہٹوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت سے تباہی مچا رکھی تھی۔ 1802ء میں لارڈ لزلی نے ان کے خلاف کارروائی کی۔ باجی راؤ ثانی نے سب سڈی ایری سسٹم کو قبول کرلیا۔ سندھیا والیے گوالیار بھونسلا والیے ناگ پور اور ہلکر والیے اندور نے شکست کھا کر انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی۔ مغل بادشاہ مرہٹوں کی حراست سے نکل کر انگریزوں کی حفاظت میں آ گیا۔

13۔ لارڈ منٹو اور رنجیت سنگھ:

لارڈ منٹو اول (Lord Minto1) 1807ء گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا۔ اس نے پنجاب کے سکھ حکمران راجا رنجیت سنگھ سے صلح نامہ امرتسر کرلیا اور امیران سندھ سے بھی صلح کا معاہدہ کرلیا۔

14۔ لارڈ ہیسٹنگز (HASTINGS) اور مرہٹوں سے جنگ:

1813ء میں لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل ہند بنا۔ اس نے سب سڈی ایری سسٹم کے بجائے مستقل قبضے کی راہ اختیار کی۔ اس نے مرہٹوں کے پیشوا باجی راؤ ثانی، بھونسلے اور ہلکر کو شکست دے کر ان کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

15۔ لارڈ ولیم بنٹنگ اور میسور پر کنٹرول:

1828ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ (LORD WILLIAM BENTINKK) گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے میسور کے راجے کو بدانتظامی کی وجہ سے معزول کر کے ریاست کو انگریزی علاقے میں شامل کرلیا۔

Marfat.com

16۔لارڈ آک لینڈ اور الحاق سندھ:

لارڈ آک لینڈ (LORD AUKLAND) نے سندھ کے معاہدوں کو نظر انداز کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔

17۔لارڈ ہارڈنگ اور سکھوں سے جنگیں:

1844ء میں لارڈ ہارڈنگ (Lord Hardinge) گورنر جنرل بن کر آیا۔اس کے عہد میں سکھوں کی پہلی جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں انگریزوں نے کشمیر حاصل کر کے اسے جموں کے ڈوگرہ حکمران گلاب سنگھ کے ہاتھ پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی میں فروخت کر دیا۔

18۔لارڈ ڈلہوزی اور اصول الحاق:

لارڈ ڈلہوزی (LORD DALHOUSIE) 1848ء میں گورنر جنرل بن کر آیا۔اس نے سکھوں کو دوسری جنگ گجرات میں شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔اس طرح 1850ء تک انگریز پورے ہندوستان پشاور سے کالی کٹ تک اور کراچی سے سلہٹ تک مالک بن چکا تھا۔ڈلہوزی نے اصول الحاق (Doctrine of Lased) کے ذریعے ستارا، جھانسی اور ناگ پور کے حکمرانوں کے لاولد مرنے پر ان کے علاقوں کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔اودھ کی ریاست کو بدانتظامی کی آڑ میں انگریزی علاقے میں شامل کر لیا گیا۔اس طرح لارڈ ڈلہوزی کے خلاف ہندوستانی باشندوں کا شدید ردعمل ہوا۔آخر اسے 1856ء میں واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ لارڈ کیننگ (LORD CANNING) 1858ء میں گورنر جنرل بن کر آیا۔

19۔لارڈ کیننگ اور جنگ آزادی:

لارڈ کیننگ کے عہد میں 1857ء کی جنگ آزادی لڑی گئی۔اگر سکھ اور گورکھے انگریزوں کا ساتھ نہ دیتے تو انگریزوں کو شکست فاش ہوتی۔

لارڈ کیننگ نے اپنی حکمت عملی، فراخ دلی اور اصلاحی اقدامات سے جنگ آزادی کو ناکام بنا دیا۔اس جنگ سے اہل ہند کی انگریزوں کے لیے نفرت کا ثبوت ملتا

Marfat.com

ہے۔جنگ آزادی کی ناکامی نے انگریزوں کو ہندوستان کا مالک بنادیا۔

20 ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ:۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہندوستانیوں کی نفرت اب ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ملکہ وکٹوریہ (QUEEN VICTORIA) نے ہندوستان کو کمپنی سے لے کر براہ راست اپنے قبضے میں لے لیا اور لارڈ کیننگ ملکہ کی طرف سے پہلا وائسرائے (VICEROY) مقرر ہوا۔اس طرح 1857ء میں مغل بادشاہت کا نشان ہمیشہ کے لیے مٹادیا گیا۔

............☆☆............

Marfat.com

آٹھواں باب

کمپنی کے عہد میں مسلمانوں کی زبوں حالی

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کو تسخیر کرنے کے لیے کئی قسم کے حربے اختیار کیے۔لارڈ کلائیو (LORD CLIVE) ہندوستان میں انگریزی حکومت کا بانی کہا جاتا ہے۔اس کی ان تھک کوششوں اور فریب کاریوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی جو صرف تجارت کی غرض سے ہندوستان آئی تھی، ہندوستان کی حکمران کمپنی بن گئی۔کلائیو نے اپنی بہادری، چالاکی اور حکمت عملی سے کئی بار کمپنی کے بگڑے ہوئے حالات کو سلجھایا جس کی وجہ سے بجا طور اسے انگریزی حکومت کے بانی ہونے کا فخر حاصل ہے۔

1۔ کرناٹک کی دوسری جنگ (1749-1755ء) میں کلائیو نے اپنی بہادری اور دوراندیشی سے فرانسیسیوں کی طاقت کو کمزور کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

2۔ پلاسی کی جنگ (1757ء) میں سازش اور دھوکے سے نواب بنگال اور فرانسیسیوں کی طاقت کو کمزور کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی طرح ڈالی۔

3۔ 1765ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم سے بنگال اور بہار کی دیوانی حاصل کر کے کلائیو نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد مستحکم کی۔

بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی قبضے میں آجانے پر کلائیو نے دوعملی کا نظام جاری کیا۔دوعملی سے فوجی حفاظت کا کام کمپنی کے سپرد تھا اور وصولی لگان نواب کے ذمے تھا۔اس طرح کمپنی نے پس پردہ رہ کر رعایا کو بُری طرح لوٹا۔

لارڈ ولزلی (LORD WELLESLY) نے سب سڈی ایری سسٹم (Subsidiary System) امدادی فوج کا طریق جاری کیا۔اس طریق کو قبول کرنے والی دیسی ریاست کے لیے ضروری تھا کہ اپنے خرچ پر اپنے علاقوں میں انگریزی فوج رکھے اور متنازعے امور میں کمپنی کو ثالث مانے۔

Marfat.com

لارڈ ولزلی سلطان ٹیپو کو انگریزی اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے ہندوستان پہنچتے ہی میسور میں سازشوں کا جال بچھا دیا۔ جب میر صادق اور پورنیا پوری طرح سازش کا شکار ہو گئے تو ولزلی نے اعلان جنگ کر دیا اور سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ خون ریز جنگ ہوئی جس میں سلطان ٹیپو مردانہ وار لڑتا ہوا شہید ہوا۔

انگریزی مقبوضات لارڈ ولزلی کے عہد میں

انگریز پہلے ریاستوں میں شورش اور بدامنی پھیلاتے اور پھر امن و امان کی آڑ لے کر ریاست پر قبضہ کر لیتے۔ لارڈ منٹو اول (LORD MINTO1) نے بندھیل کھنڈ، ٹراونکور کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ 1809ء میں عہد نامہ امرتسر کے ذریعے دریائے ستلج حد فاصل قرار پائی۔

لارڈ ہیسٹنگز (LORDHASTINGS) نے پنڈاروں کو بدنام کرنے کے لیے رہزن، لٹیرے اور بے رحم مشہور کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ مرہٹوں کی چوتھی جنگ میں پیشواؤں کے خاندان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور مرہٹوں کی بڑی بڑی ریاستیں جاتی رہیں۔

لارڈ ہارڈنگ (Lord Harding) نے سکھوں کو 1846ء میں شکست دے کر عہد نامہ لاہور 1846ء پر مجبور کر دیا۔ سکھوں کو ڈیڑھ کروڑ روپے بطور تاوان جنگ ادا کرنا پڑا۔ چوں کہ سکھوں کے پاس صرف پچاس لاکھ روپے تھے اس لیے انگریزوں نے ریاست جموں کشمیر کو پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض ڈوگرا سردار راجا گلاب سکھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

لارڈ کیننگ کے عہد میں 1857ء کی جنگ آزادی ہوئی اور مغلیہ خاندان کی برائے نام بادشاہت بھی ختم ہو گئی۔

اس سارے عرصے میں انگریزوں نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں انتشار، شورش، بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلانے کے لیے سازشوں کے جال پھیلائے اور اس میں کام یاب رہے۔ انگریز پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو، کے کلیے پر عمل کرتا رہا۔ انگریز پہلے ریاست میں امن و امان کو تباہ کرتا اور پھر عوام کا خیر خواہ بن کر حکمران کو چلتا کرتا۔ اس طرح اس نے مرکز میں مغلیہ سلطنت کا نظام تباہ کیا اور ریاستوں میں حکمرانوں کے سارے ادارے تباہ کر کے پورے ہندوستان پر قابض ہو گیا۔

"Finally, The British took advantage of the disorder

Marfat.com

and confusion which reigned all over the country, and laid the foundations of British power in india"

انگریز بدامنی اور طوائف الملوکی کو بہانہ بنا کر ایک ایک ریاست کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔ اس نے سلطنت مغل بادشاہ سے چھینی تھی۔ اس لیے اس نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے الگ کر کے متحدہ قوت کو توڑنے کی کوشش کی۔ انگریز نے ہندوؤں کو سہارا دے کر مسلمانوں کو تنہا کر دیا۔

اُنیسویں صدی میں مسلمانوں کی حالت:

اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کی کمزوری اور نااہلی سے فائدہ اٹھا کر انگریز نے برعظیم کے وسیع علاقوں پر سیاسی غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد برعظیم کے طول و عرض میں ہر مکر و فریب، سازش و رشوت اور ظلم و ستم کو بروے کار لاتے ہوئے اپنی فوجی قوت کو مستحکم کر لیا اور برعظیم کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ مغل بادشاہ ان کا وظیفہ خوار بن کر لال قلعہ دہلی تک محدود ہو کر رہ گیا۔

1857ء میں برعظیم کے عوام نے انگریز کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کی لیکن ناکامی سے دوچار ہوئے۔ تاہم ایسٹ انڈیا کمپنی کے بے اصول تسلط سے نکل کر تاج برطانیا کی تحویل میں چلا گیا۔

انگریز نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اس لیے وہ مسلمانوں کو اپنا حریف خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے جنگ آزادی سے قبل اور بعد میں ہر حیلے بہانے سے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ سکھوں نے مسلم حکومت کے خلاف جنگ آزادی میں انگریزوں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اسے ناکام بنا دیا۔ اسی وجہ سے انگریز اسے غدر کہتا ہے۔ جنگ آزادی کے بعد انگریز نے مسلمان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر کے ہندوؤں کو باور کرایا کہ مسلمان اپنے دور اقتدار میں ان کا استحصال کرتے رہے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں کو مسلمانوں سے توڑ کر اپنے ساتھ جوڑ لیا۔

مسلمانوں کے خلاف انگریز اور ہندو گٹھ جوڑ کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان جو صدیوں سے برعظیم کے حکمران چلے آ رہے تھے انگریزی دور میں مایوسی، بدحالی، بے چارگی، کس مپرسی اور پس ماندگی کی علامت بن کر رہ گئے۔

Marfat.com

اُنیسویں صدی کے دوران میں انگریز کے دور تسلط میں مسلمانوں کی حالات کا یوں جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

1۔ سیاسی حالت:

انگریز کے تسلط سے قبل مسلمان برعظیم میں صدیوں سے حکمرانی کرتے چلے آرہے تھے۔ اس لیے انگریز کو ڈر تھا کہ مسلمان اپنے کھوئے ہوئے اقتدار اور چھینے ہوئے وقار کے دوبارہ حصول کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوں۔ اس لیے اس نے ان کی طاقت کو کچلنے کے لیے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملنا ضروری سمجھا۔ ہندو نے بھی انگریز کی مسلم دشمنی سے فائدہ اُٹھایا اور اس کا قرب حاصل کرلیا اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں اس کی پوری مدد کی۔

انگریز نے ہندو گٹھ جوڑ کے ذریعے 1757ء میں پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کیا اور اپنی شاطرانہ چالوں کے ذریعے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ 1773ء میں روہیل کھنڈ کو آزادی سے محروم کیا تو 1799ء میں سلطان ٹیپو کو شہید کر کے میسور کی مسلم ریاست پر تسلط جما لیا۔ 1843ء میں معاہدوں کو پس پشت ڈال کر نہایت بے ایمانی سے سندھ پر قبضہ کرلیا، 1856ء میں لارڈ ڈلہوزی (Lord Dalhousie) نے الحاق کی پالیسی (Doctrine of Lapsed) کے تحت اودھ (Oudh) کے حکمران نواب واجد علی شاہ کو بدامنی اور بدانتظامی کی آڑ میں ریاست اودھ کا انگریزی علاقوں کے ساتھ الحاق کرلیا۔

مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی سلطنت لال قلعہ دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن ابھی تک ایسٹ انڈیا کمپنی مغل بادشاہ کی باج گزار تھی۔ ''خلق خدا کی...... ملک بادشاہ کا...... حکم کمپنی بہادر کا'' لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل بادشاہ کو نوٹس دے دیا کہ اس کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کو لال قلعہ دہلی بھی خالی کرنا پڑے گا اور وہ شاہی خطابات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح انگریز مسلمانوں کو سیاسی طور پر کلیۃً ''ختم'' کرنے کی پالیسی پر گامزن رہا۔

انگریز نے ہندوستان پر سیاسی غلبہ مستحکم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

Marfat.com

1۔ مسلمان حکمرانوں کو سازشوں کے ذریعے نیچا دکھا کر پہلے انھیں اپنا وظیفہ خوار بنایا اور پھر اس سے بھی ہاتھ کھینچ کر انھیں قعر مذلت کی طرف دھکیل دیا۔
2۔ غداروں اور سازشیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں جاگیریں دے کر مطمئن کر دیا۔
3۔ تمام سیاسی اداروں سے مسلمانوں کو ہٹا کر ان پر انگریزوں کو حکمرانی کے لیے متعین کر دیا۔

2۔اقتصادی حالت:

مغلوں کے دور عروج میں مسلمان اقتصادی لحاظ سے خوش حال اور فارغ البال تھے۔ لیکن انگریزوں نے مغلوں سے اقتدار چھین کر مسلمانوں سے خوش حالی کے تمام ذرائع چھین لیے۔ ہندو انگریز کی چال سے مسلمانوں کے خلاف ہو گئے اور وہ مسلم دشمنی میں انگریزوں سے مل گئے۔ دونوں نے مل کر مسلمانوں کو جی بھر کر لوٹا اور انھیں اقتصادی پس ماندگی میں دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ اس طرح مسلمان غربت وافلاس کا شکار ہو گئے۔

مغلوں کے دور میں کوئی مسلمان مفلس نہیں تھا لیکن انیسویں صدی عیسوی کے دوران میں انگریزوں کے دور اقتدار میں مسلمان اس قدر بدحالی کا شکار ہو گئے کہ اب ان کا امیر ہونا حیرانی کی بات تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو اقتصادی بدحالی سے دوچار کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

1۔ مسلم امراء سے جاگیریں چھین کر ہندوؤں کو دے دیں۔
2۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیے گئے۔
3۔ تمام اعلیٰ عہدوں پر سے مسلمان افسروں کو برطرف کر کے انگریز افسر متعین کر دیے۔

3۔مناصب اور جاگیروں کا خاتمہ:

مغلوں کے عہد میں جن مسلمانوں کو اعلیٰ خدمات کے عوض مناصب اور جاگیروں سے نوازا گیا تھا۔ انگریزوں نے ان سے چھین کر ان کو معاشی بدحالی اور تنگ دستی کا شکار کر دیا۔ بنگال میں دوامی بندوبست کے ذریعے زمینوں کا ٹھیکہ ہندو ٹھیکے داروں اور ساہوکاروں کو دے کر مسلمان کاشت کاروں کا گلہ گھونٹ دیا۔ مسلمانوں کی معاشی بد

Marfat.com

حالی اور تنگ دستی بنگال تک محدود نہ رہی بل کہ ہر جگہ مسلمان زمین داراوں کی حق تلفی جاگیروں کی ضبطی اور کاشت کاروں کی زبوں حالی نے انھیں قعرِ مذلت میں دھکیل دیا۔

انگریز نے مسلمان کی معاشی بدحالی اور معاشرتی تباہی و بربادی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

1۔ لگان اور مال گزاری میں ناقابل برداشت حد تک اضافے کیے گئے۔

2۔ کسانوں کو حکومت کا غلام بنالیا گیا اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد قرار دیا گیا کہ وہ اپنے آقا انگریز کے لیے اناج اُگائے اور اس کا لگان ادا کرے۔

4۔ سرکاری ملازمتوں سے محرومی:

منصب دار اور سپاہی سب مسلمان ہی ہوتے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے اقتدار کی بساط لپٹتے ہی مسلمانوں پر ہر طرح کی ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے۔

1837ء میں انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں پر خود بخود سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ ہندوؤں نے انگریزی زبان شوق سے سیکھی اور وہ حکومت کے سرکاری شعبوں پر چھا گئے۔ یوں انگریز کو مسلمانوں پر ہندوؤں کی برتری قائم کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

فوجی ملازمت مسلمان کا سب سے بڑا پیشہ تھا۔ انگریزوں نے فوجی ملازمت میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دے دی۔ خالی آسامیوں کو پر کرنے کے لیے اشتہار دیتے وقت اس بات کی وضاحت کردی جاتی کہ مسلمان درخواست دینے کی زحمت نہ کریں۔ سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کی محرومی کی وجہ سے بے روزگاری بہت بڑھ گئی اور مسلمان معاشی بدحالی کا شکار ہو کر رہ گئے۔

5۔ صنعت وتجارت کی تباہی:

انگریزوں کی آمد سے پہلے برعظیم کی صنعتوں پر مسلمان چھائے ہوئے تھے۔ کشمیری شال، قالین بافی، زیورات سازی، ظروف سازی، سوتی اور ریشمی کپڑے کی صنعت میں مسلمان نہ صرف کاری گر تھے بل کہ اس کی تجارت پر بھی ان کی اجارہ دری

Marfat.com

تھی۔ ڈھاکے کا ململ مسلمان جولاہوں کی کاری گری کا شاہ کار تھا۔ ململ کا پورا تھان ایک ڈبیا میں بند ہو جاتا تھا اور اسے انگوٹھی میں سے گزارا جا سکتا تھا۔ انگریز نے ان صنعتوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مسلمان کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ دیے گئے اور اس طرح بنگال کے مسلمان جولاہے کا تار ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب آنے کی وجہ سے مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس طرح یہاں کی صنعت و حرفت دم توڑ گئی اور مسلمان کاری گر بے روزگار ہو کر مفلسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔

انگریز برعظیم میں تاجر بن کر آیا تھا۔ اس کی آمد سے قبل اندرونی اور بیرونی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ انگریز نے آتے ہی بنگال کی اندرونی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کی۔ کیوں کہ انگریزوں کو بلا محصول تجارت کی اجازت تھی اور مقامی تاجروں کو محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے مسلمان تاجر انگریزوں کی تجارت کا مقابلہ نہ کر سکا۔ یوں مسلمان تاجر بھی غربت و افلاس کا شکار ہو گئے۔

انگریز حکومت کا مقصد عوام کی بہبود نہ تھا بل کہ انگریزوں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ جس نے برعظیم کے تاجروں اور کاشتکاروں کو ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔

6۔ مسلمان بے روزگاری کا شکار:

اُنیسویں صدی کے دوران میں انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں برعظیم میں مسلمان بے روزگاری کا شکار ہو گئے۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔ تجارت اور صنعت ان سے چھین لی گئی۔ شاہی خاندان کے مسلمانوں سے جاگیریں چھین کر اور مسلمان کاشتکاروں پر بھاری لگان لگا کر ان کو فاقوں پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں کے زبوں حالی کے بارے میں ہنٹر اپنی کتاب ''اور انڈین مسلمانز'' میں لکھتا ہے۔

''مغلیہ دور میں کسی عالی نسب مسلمان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ افلاس و غربت کا شکار ہو اور آج اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ خوش حال رہے''۔

7۔ تعلیم میں مسلمانوں کی پس ماندگی:

مغلیہ دور کے نظام تعلیم میں تین طرح کے تعلیمی ادارے تھے۔ مغل حکمرانوں

Marfat.com

نے تعلیم کی اشاعت کے لیے سرکاری سرپرستی میں تعلیمی ادارے قائم کیے اور ان تعلیمی اداروں کی کفالت کے لیے حکومت کی طرف سے جاگیریں وقف تھیں۔ صرف بنگال کے صوبے میں تعلیمی وقف جاگیروں کی اتنی کثرت تھی کہ صوبے کی زمین کا چوتھائی حصہ تعلیمی اداروں کی کفالت کے لیے وقف تھا۔

مغل امراء اور جاگیردار اپنے اپنے علاقے میں تعلیمی ادارے قائم کرتے تھے اور ان کی تعلیمی کفالت کے لیے زمین وقف کرتے تھے۔ وہ تعلیم کی ترویج و ترقی کو ایک مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔

مسلمان علما خانقاہیں قائم کر کے تعلیم کی اشاعت میں مقدور بھر حصہ لیتے تھے۔ ان مدرسوں میں مسلمان طلبہ کے ساتھ ہندو طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انگریزوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کا قدیم تعلیمی نظام تباہ کرنے کی کوشش کی۔ 1838ء میں انگریزوں نے ان تمام زمینوں کو ضبط کر لیا جن کی آمدنی سے تعلیمی ادارے چل رہے تھے۔ تعلیمی درس گاہوں کو انگریزی کالج بنا دیا گیا اس طرح مسلمانوں کو تعلیم سے محروم کر کے ہندوؤں کے لیے تعلیم کی راہیں کھول دی گئیں۔

تعلیم میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے معاشرتی ادارے بھی زوال پذیر ہو گئے اور تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے بھی محروم ہو گئے۔

1۔ انگریز مشنریوں کو سکول کھولنے کی اجازت دے دی گئی اور ان سکولوں میں بائبل کی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا گیا۔

2۔ تعلیم نسواں کے نام پر عورتوں میں آزاد خیالی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی

3۔ ہندوستانی طلبہ کے لیے ایسے سکول اور کالج کھولے گئے جن میں وہ صرف ''بابو'' بن سکتے تھے۔

4۔ انگریز طلبہ کے لیے الگ اعلیٰ اور فنی سکول و کالج تعمیر کرائے گئے تاکہ آقا و غلام کی علیحدہ علیحدہ تعلیم ہو سکے۔

8۔ ثقافتی مراکز کی تباہی:

انگریزوں نے مسلمانوں کی عظمت کے ہر نشان کو مٹانے کی کوشش کی۔ انگریز بر عظیم کے لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی تہذیب و

Marfat.com

ثقافت اور مذہب و معاشرت کو اپنا لیں تا کہ انھیں اپنی آزادی سلب ہونے کا احساس نہ رہے۔

دہلی مسلمانوں کی عظمت، تہذیب اور تمدن کا گہوارہ تھا۔ انگریزوں نے اس مسلم تہذیب و تمدن کے گہوارے کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ دفینوں کی تلاش میں دہلی کی کئی عمارات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

مسلمانوں کی عظمت کے کئی نشان مٹا ڈالے۔ شاہی کتب خانے کی نایاب کتب انگلستان میں پہنچا دیں۔ دہلی کے بعد آگرہ دوسرا بڑا مغلیہ تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ وہاں بھی اسلامی نقوش مٹانے کی پوری کوشش کی گئی۔ ہندوستان کی ہزاروں سال پرانی تہذیب کو متغیر کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے۔ دہلی اور آگرہ کی تباہی و بربادی کے بعد لکھنؤ بریلی، شاہ جہاں پور اور پٹنہ ایسے مسلم ثقافت کے مرکز بھی لوٹ کر بے رونق کر دیے۔ آج بھی اس مسلم ثقافتی ورثے کا بڑا حصہ انگلستان کی لائبریریوں میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی چغلی کھاتا ہے۔

9۔ زبان کا مسئلہ:

مغلیہ دور میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ انگریزوں کو صرف مسلمانوں سے ہی نہیں بل کہ ان کی زبان سے بھی نفرت تھی۔ وہ مسلمانوں کی باقیات کو برعظیم سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ 1837ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے فارسی کے بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اس سے فارسی زبان کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی۔ مسلمان سرکاری زبان کی تبدیلی کی وجہ سے ناخواندہ شمار ہونے لگے اور اس طرح سرکاری ملازمتوں سے محروم ہو کر رہ گئے۔

ہندوؤں نے انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ اس طرح وہ انگریزوں کے قریب ہو گئے اور سرکاری ملازمتوں سے بھی اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ مغلوں کے دور میں ایک نئی زبان نے جنم لیا تھا۔ کیوں کہ اس کی ابتدا فوجی چھاؤنی سے ہوئی تھی اس لیے اِسے اُردو یعنی لشکری زبان کہا جانے لگا۔ مغلوں کے آخری دور میں اُردو زبان کی اہمیت محسوس کی جانے لگی تھی۔ انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور میں ہندی، بنگالی اور اُردو کی سرپرستی کی۔ اس سے ان کا مقصد فارسی زبان کی اہمیت کو کم کرنا تھا۔

جب انگریز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو پھر مقامی زبانوں سے ہاتھ کھینچ

Marfat.com

کر ہر سطح پر انگریزی زبان کو رائج کر دیا۔

10۔مذہب:

مغلیہ دور میں غیر مسلم رعایا کو مذہبی آزادی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے مذہبی فرائض کی ادائی آزادی سے کرتے بل کہ انھیں مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی بھی اجازت تھی مسلمان حکمرانوں نے کبھی بھی غیر مسلم رعایا پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند نہیں کیے۔ مغلوں کے دور میں ہندو رانیاں محلات میں اور ہندو راجے سپہ سالار کی حیثیت سے میدان جنگ میں قوت بازو بنے رہے لیکن انگریز نے ہندوستان میں قدم جمانے کے بعد ایسے اقدامات کیے جس کی وجہ سے انھیں ابتدا میں یہ احساس ہو گیا کہ ہندوستانی عوام کو ان کے ہتھکنڈوں سے نفرت ہو گی ہے اور وہ دل سے ان کو ناپسند کرنے لگے ہیں۔

انگریزوں نے برسر اقتدار آتے ہی مذہبی رواداری کو خیر باد کہہ کر بڑے زور و شور سے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ کہنے لگا کہ ہندوستان میں اب صرف انگریز کی حکومت ہے اس لیے مذہب بھی ایک ہونا چاہیے۔

مسلمان ہر ذلت برداشت کر لیتا ہے لیکن مذہب میں مداخلت اس کے لیے نا قابل برداشت ہے۔ مذہب اسے جان اور عزت سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمان خاص طور پر انگریز کے ظلم وستم کا نشانہ بنا۔ ان کے مذہبی ادارے تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ لوگوں کو زبردستی عیسائی بنایا جانے لگا۔ انگریزوں نے محکمہ انصاف سے مسلمان قاضیوں کو برطرف کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے مقدمے بھی انگریزوں کی عدالت میں فیصل ہونے لگے۔ انگریزوں نے اسلامی قوانین میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ مذہب میں مداخلت مسلمانوں کے لیے نا قابل برداشت ہو گئی اور بعض علماء نے بر عظیم کو "دارالحرب" قرار دے دیا۔

مذہب کی آزادی کی آڑ میں تیرتھ گاہوں، منڈیوں اور مختلف اجتماعات میں پادریوں کو تبلیغ کی اجازت دے دی گئی۔ وہ مسلمانوں کے مذہبی راہنماؤں اور بزرگوں کی شان میں گستاخانہ زبان استعمال کرتے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی۔

انگریزی تسلط کے دوران میں مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی، اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی پس ماندگی کے لحاظ سے نشانہ ستم بنے بل کہ مذہبی لحاظ سے بھی انھیں اذیت ناک

Marfat.com

رنے کی پوری کوشش کی گئی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کو اور
ی قعر ذلت میں گرادیا۔ انگریز نے جنگ آزادی کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال
رانھیں تباہ و برباد کر دیا۔ جنگ آزادی میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے لیکن
ک آزادی کی ناکامی کے بعد ہندو ایسا مسکین بن گیا کہ مسلمانوں کو ہی اس کا ذمہ دار
ٹھہرایا گیا۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں۔ "ہندو تو گنگا نہا کر پوتر ہو گیا مگر مسلمانوں کے تمام
خاندان تباہ ہو گئے"

اُنیسویں صدی میں مسلمان اس طرح تباہ و برباد ہو گئے کہ آئندہ ان کے سنبھلنے
ں کوئی امید نہ رہی لیکن یہ حسن اتفاق ہے کہ اس دور زوال میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا
رشروع ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان نے علم کی شمع روشن کی۔ مولانا محمد
اسم نانوتوی نے دیوبند کی بنیاد رکھی اور سرسید احمد خان نے علی گڑھ کے ذریعے
مانوں کو اس قابل بنادیا کہ وہ انگریز حکمرانوں اور ہندوؤں کی اسلام دشمنی کا مقابلہ کر
یں۔

☆☆

Marfat.com

جنگ آزادی

ہندوستانیوں پر جب انگریز کے ہتھکنڈے عیاں ہوئے تو اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا۔ انگریز نے ایک ایک کر کے نوابوں، سلطانوں اور شہزادوں کو نیچا دکھایا اور ریاستوں کو انگریز عمل داری میں شامل کر لیا۔

ہندوستان کے باشندے انگریز کی بڑھتی ہوئی طاقت، ہتھکنڈوں اور ارادوں سے آگاہ ہوئے تو ان کے دلوں میں انگریز کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات موجزن ہو گئے۔ انگریز نے عوام کو اعتماد میں لینے کے بجائے حکومت کی قوت سے مخالفین کو کچلنے اور نفرت کو دبانے کی کوشش کی جس سے نفرت و انتقام، جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔

انگریز نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد مکر و فریب اور سازش و رشوت سے ہندوستانیوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جارحانہ حکمت عملی، تجارتی اور سیاسی استحصال، ہندوستانی باشندوں کے خلاف نفرت، مذہبی معاملات میں مداخلت اور صنعت و تجارت میں مخالفت سے خوف ناک ردعمل کی صورت اختیار کی جسے جنگ آزادی کہا جاتا ہے۔

اس جنگ میں عوام نے پہل کی اور مغل بہادر شاہ ظفر کو قیادت کے لیے مجبور کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عوام مغلیہ بادشاہت کو دل سے پسند کرتے تھے اور اس کے مقابلے میں انگریز سے نفرت کرتے تھے۔ عوام کی جنگ میں شمولیت سے یہ احساس بھی ابھرتا ہے کہ یہ محض فوجی بغاوت نہیں تھی بل کہ ہندوستان کا ہر طبقہ انگریز کے رویئے سے غیر مطمئن تھا۔ علماء کرام نے جنگ کے لیے فتویٰ دیا۔ بنگال میں کنول کے پھول کو گردش دے کر عوام کو جنگ کے لیے آمادہ کیا گیا اور دہلی، میرٹھ، کرنال میں چپاتی کی تقسیم سے جنگ میں شمولیت کی تحریک ہوئی۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف ہندوستان کے ہر طبقے نے جنگ میں شمولیت کی اور ان ساری

Marfat.com

قربانیوں کا مقصد حصول آزادی تھا جو انگریز نے اہل ہند سے چھین لی تھی۔

"There was widespread discontent in many parts of India among the princes, the people and the sepoys.(A Historty of India p 369)

1857ء میں لارڈ کیننگ:

1857ء میں لارڈ کیننگ گورنر جنرل تھا۔اس کے عہد میں ہندوستانیوں کے غیض وغضب اور نفرت وانتقام کا لاوا آتش فشاں بن کر پھٹ پڑا اور انگریز حکومت کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک اور انقلابی لہر اُٹھی جس نے انگریزوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انگریز اپنے ظلم وستم اور انسانیت سوز کارروائیوں میں حق بجانب ہونا ثابت کرنے کے لیے اسے ''غدر'' کا نام دیتے ہیں۔جب کہ ہندوستانی اس تحریک آزادی میں اہل ہند کی شمولیت سے جنگ آزادی ہونے کا جواز پیش کرتے ہیں۔اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ حریت پسندوں کا واحد مقصد برعظیم کو برطانوی اقتدار سے نجات دلانا تھا۔ 1857ء کی آزادی کی جدوجہد ایک عوامی تحریک تھی جس میں ہندوستان کے ہر طبقے نے شرکت کی۔اس لیے اسے غدر قرار دینا تاریخ کے ساتھ مذاق ہے اور یہ ہر اعتبار سے جنگ آزادی تھی۔

جنگ آزادی کے اسباب:

الف۔ سیاسی اسباب

ب۔ معاشی اسباب۔

ج۔ معاشرتی اسباب۔

د۔ مذہبی اسباب۔

ہ۔ فوجی اسباب

و۔ متفرق اسباب

Marfat.com

ز۔ فوری اسباب

الف۔سیاسی اسباب:

1۔ کمپنی کی توسیع پسندی۔
2۔ اصول الحاق۔
3۔ جاگیروں کی ضبطی۔
4۔ عوام کی بے چینی۔
5۔ انگریز کی بے وفائی۔
6۔ اودھ کا الحاق۔
7۔ نانا صاحب کی پنشن سے محرومی۔
8۔ رانی لکشمی بائی کی جرات۔
9۔ مغل بادشاہت کا خاتمہ۔
10۔ جنگ کریمیا میں برطانیا کی شمولیت۔
11۔ سو سال کے بعد اقتدار کی تبدیلی کا نظریہ۔

ب۔معاشی اسباب:

1۔ دولت کی برطانیا منتقلی۔
2۔ عوام کی مفلوک الحالی۔
3۔ صنعت کی تباہی۔
4۔ تجارت کی بدحالی۔
5۔ بے روزگاری۔
6۔ مسلمانوں کے لیے سرکاری ملازمتوں کی بندش۔
7۔ ٹیکسوں کی بھرمار۔

ج۔معاشرتی اسباب:

1۔ کالے گورے کی تمیز۔

Marfat.com

2۔ مسلمانوں سے بدسلوکی۔
3۔ ثقافتی ورثے پر نکتہ چینی۔
4۔ اہل ہند کا اعلیٰ ملازمتوں سے دور رکھنا۔

د۔ مذہبی اسباب:

1۔ عیسائیت کی تبلیغ۔
2۔ تبدیلی مذہب کا قانون۔
3۔ پادری ایڈمنڈ کا مراسلہ۔
4۔ اصلاحات کے بارے میں غلط فہمی۔
5۔ دینی تعلیمات کا خاتمہ۔
6۔ حکمرانوں کا مذہبی تعصب۔
7۔ ہندوستانیوں سے بدسلوکی۔
8۔ مجاہدین کی سرگرمیاں۔
9۔ تحریک جہاد کا اثر۔

ہ۔ فوجی اسباب:

1۔ ریاستی فوج کی برطرفی۔
2۔ دیسی سپاہیوں سے بدسلوکی۔
3۔ برطانوی فوج کی کمی۔
4۔ سمندری سفر۔
5۔ مذہب کے خلاف احکامات۔

و۔ متفرق اسباب:

1۔ مسلمانوں کا جذبہ جہاد۔
2۔ ہندوؤں کے لڑاکا قبیلے۔
3۔ عوامی مسائل سے غفلت۔
4۔ موقع پرستوں کی کارروائی۔

Marfat.com

5- بے پردگی و تعلیم نسواں۔
6- ضبطی معافیات۔
7- انگریزی سرکاری زبان قرار دینا۔
8- قیمتی دھاتوں کا خُرد بُرد۔

ز۔ فوری اسباب:

چربی والے کارتوس

الف۔ سیاسی اسباب:

1۔ کمپنی کی توسیع:

کمپنی ایک تاجر کی حیثیت سے برعظیم میں آئی اور بڑی خوشامد سے مغلیہ بادشاہوں سے تجارتی مراعات حاصل کی تھیں لیکن اس نے ہندوستان کو انتشار، افراتفری اور طوائف الملوکی کا شکار کر کے ہندوستان کی سیاست میں مداخلت شروع کر دی۔ بنگال پر قبضہ کرنے کے بعد توسیع پسندی کو اپنا شعار بنالیا جس کے باعث اسے سیاسی برتری تو حاصل ہوگئی لیکن وہ اپنا اعتماد اور ساکھ کھوگئی۔

لارڈ ولزلی (Lord Wellesly) کے سب سڈی ایری سسٹم (Subsidiary System) کے جال میں پھنس کر دیسی حکمران تمام اختیارات سے محروم ہو گئے۔

2۔ اصول الحاق:

لارڈ ڈلہوزی (Lord Dalhousie) کے عہد میں اصول الحاق (Doctrine of Lapse) کی بدولت حدود سلطنت میں تو وسعت آگئی لیکن ریاست کے حکمرانوں اور عوام کے دل انگریزوں سے تنگ ہو گئے۔ اصول الحاق سے ریاست کے کسی راجے یا نواب کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنا متبنیٰ یا قائم مقام مقرر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جو راجے یا نواب نرینہ اولاد سے محروم ہو کر مر جائیں گے ان کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل کر لی جائے گی۔ اس سے ہندوستانی

Marfat.com

ریاستوں کے حکمرانوں کے دلوں میں شکوک اور خوف پیدا ہو گیا کہ ان کی ریاست کسی وقت بھی انگریزی سلطنت میں شامل کر لی جائے گی۔

3۔جاگیروں کی ضبطی:

انگریزوں نے بیس ہزار امرا کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ یہ امراء مغلیہ دور میں سلطنت کے جواں مرد اور مرد شمشیر زن خیال ہوتے تھے اور فوجی خدمات کے صلے میں ہی جاگیریں دی گئی تھیں۔ انگریز نے ان سے جاگیریں چھین کر ہندوستان کے طول و عرض میں بے چینی پھیلا دی۔

4۔عوام کی بے چینی:

جاگیروں کی محرومی نے عوام سے بھی روزگار اور ذریعہ معاش چھین لیا۔ جاگیرداروں سے عوام کا ایک قلبی لگاؤ بھی تھا اس طرح جاگیروں کی محرومی نے انھیں بری طرح متاثر کیا اور دل و جان سے انگریزوں کے خلاف ہو گئے۔

5۔انگریزوں کی بے وفائی:

اودھ کے نواب ہمیشہ انگریز کے وفادار رہے لیکن انگریز نے بدانتظامی کی آڑ میں اودھ کا الحاق کر لیا، انگریز کا سب سے وفادار ساتھی دکن کا حکمران نظام تھا۔ جس نے انگریز کے قدم بنگال میں جمانے میں بھرپور مدد کی تھی لیکن انگریز نے اسے برار سے محروم کر دیا۔ انگریزوں کے اتحادی مرہٹے پے در پے شکست کھا کر اپنے اکثر و بیشتر علاقے انگریز کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے۔ انگریزوں کی اس بے وفائی سے دیگر والیان ریاست بھی فکر مند ہو گئے اور اس طرح انھوں نے بھی جنگ آزادی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

6۔اودھ کا الحاق:

اودھ (Oudh) کے نوابوں نے اہل وطن کے مقابلے میں انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ بکسر کی لڑائی کے بعد شجاع الدولہ والیے اودھ نے کمپنی سے دوستانہ روابط استوار کر لیے تھے۔ انگریزوں نے ریاست میں بدانتظامی پیدا کی اور سب سڈی ایری سسٹم کے

Marfat.com

ذریعے اودھ کو قابو میں کر لیا۔ 1856ء میں کمپنی نے نواب واجد علی شاہ کو معزول کر کے اودھ کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔

دہلی کے بعد لکھنؤ مسلم ثقافت کا گہوارہ تھا۔ انگریز نے ریاست اودھ پر قبضہ کر کے دہلی کی طرح لکھنؤ کے رونقیں بھی چھین لیں۔ الحاق اودھ انگریز کی بد دیانتی اور وعدہ خلافی کی نمایاں مثال ہے۔

7۔ نانا صاحب کی پنشن سے محرومی:

انگریز نے پہلے مرہٹوں کو اپنا اتحادی بنایا اور پھر ان کو متواتر شکستیں دے کر سارے علاقوں کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ انگریز نے مرہٹوں کے آخری پیشوا کو اقتدار سے محروم کر کے کان پور کے قریب بٹھور میں پابند کر کے اپنا پنشن گزار بنا لیا تھا۔ چوں کہ وہ لاولد مرا تھا۔ اس لیے اس کو دھندو بنت عرف نانا صاحب کو پیشوا کے خطاب سے محروم کر دیا اس طرح وہ پنشن سے بھی محروم ہو گیا۔ اس نے پنشن کے لیے دوڑ دھوپ کی لیکن اس سے سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔ اس طرح وہ انگریز کا جانی دشمن بن گیا۔

8۔ رانی لکشمی بائی کی جرأت:

ریاست جھانسی کا راجا گنگا دھر راؤ لاولد مرا تھا۔ اس کی بیوہ لکشمی بائی نے اپنے ایک عزیز دامودر راؤ کو گدی نشین کر کے خود اس کی سرپرست رانی بن گئی لیکن انگریز نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ریاست کا الحاق کا اعلان کر دیا۔ رانی لکشمی بائی اپنی دفاعی تیاریاں منظم کر کے انگریز سے ٹکرا گئی۔ لکشمی بائی کی جرات نے ریاست کے دوسرے راجاؤں اور نوابوں کو بھی حوصلہ دیا اور وہ جنگ آزادی میں انگریز کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

9۔ مغل بادشاہت کا خاتمہ:

کمپنی نے مغلیہ خاندان کی حکومت لال قلعہ دہلی تک محدود کر دی تھی مگر اب بھی وہ مغلیہ اقتدار کی علامت اور مسلمانوں کی عظمت کا نشان سمجھا جاتا تھا اور عوام کے دلوں میں اس کا بڑا احترام تھا۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو بتایا کہ اس کے انتقال کے بعد اس کی اولاد کو شاہی قلعہ خالی کرنا ہو گا۔ لال قلعہ دہلی مغلوں کے ورثے کی واحد نشانی

Marfat.com

رہ گیا تھا اور انگریز ہندوستان سے اسلامی حکومت کا آخری نشان تک مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس سے بہادر شاہ ظفر کو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے ہندوستان کی زمین تنگ ہوتی نظر آرہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے نوے سال کی عمر میں جنگ آزادی کی قیادت کو سنبھالنے کا بیڑا اُٹھایا۔

10۔ جنگ کریمیا میں برطانیا کی شمولیت:

جنگ کریمیا میں ترک اور انگریز فوجیں روسیوں کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ اس غرض سے ہندوستان سے بھی فوج روانہ کی گئی۔ انگریز کو جنگ میں الجھا دیکھ کر اس وقت کو غنیمت سمجھا اور اپنی آزادی کے لیے ہتھیار اٹھا لئے۔ حریت پسند اس نازک موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

ب۔ معاشی اسباب:

1۔ دولت کی منتقلی:

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی غرض سے برعظیم آئی تھی۔ اس لیے انھوں نے حکومت کو بھی حصول زر کا ذریعہ بنالیا۔ ان دنوں ہندوستان سونے کی چڑیا تھی۔ جب کمپنی ہندوستان آئی تو زمین میں کپاس دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے ملک میں اون بھیڑوں پر ہوتی ہے اور ہندوستان کی زمین میں اگتی ہے۔ مانچسٹر کے سوتی کپڑے کے کارخانے ہندستانی کپاس کے رہن منت تھے۔ انگریز جو کچھ کماتے تھے اس کا بڑا حصہ انگلستان لے جا کر خرچ کرتے تھے۔ اس طرح ہندوستان اپنی دولت سے محروم ہوتا گیا اور انگلستان کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا گیا۔

2۔ عوام کی مفلوک الحالی:

ملازمت، زراعت اور صنعت و تجارت اہم پیشے تھے۔ جب ملازمت اور صنعت و تجارت کے دروازے ہندوستانیوں پر بند ہو گئے تو زراعت ہی ان کا واحد ذریعہ معاش رہ گیا۔ لیکن بندوبست دوامی نے کاشت کاروں کو بھی معاشی طور پر بدحال کردیا اور ٹھیکیدار زمین کے مالک بن گئے۔

Marfat.com

3۔صنعت کی تباہی:

انگلستان میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے وہاں خام مال کی مانگ تھی۔اس لیے انگریز نے جان بوجھ کر ہندوستان کی صنعت کو نظر انداز کیا۔ دست کار مشینوں کی مصنوعات کا مقابلہ نہ کر سکے۔اس طرح خام مال سستے داموں انگلستان کے کارخانوں تک پہنچنے لگا اور مصنوعات مہنگے داموں ہندوستان میں فروخت ہونے لگیں۔اس طرح انگریز نے خوب دولت کمائی۔سر سید احمد خاں کے الفاظ میں ''ہندوستان میں کئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا۔ بنگال کے جولاہے کا تار تو ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا''

4۔تجارت کی بدحالی:

انگریز کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی تجارت پر اجارہ داری تھی۔لیکن کمپنی نے درآمدی اور برآمدی تجارت پر قبضہ کرلیا۔درآمد اور برآمد کا پرمنٹ صرف انگریزوں کو ملتا تھا اور ان کی انگلستان کی منڈیوں تک رسائی تھی۔اس طرح ہندوستان کے مسلمان تاجر بدحال ہوگئے اور ہندو تاجر کمپنی کے گماشتے بن گئے۔

5۔بے روزگاری:

کمپنی کے مکروفریب سے ہندوستان کی صنعتیں تباہ ہوگئیں، تجارت اور زراعت بدحالی کا شکار ہوگئیں۔بے روزگاری کی زد میں سب سے زیادہ مسلمان آئے۔ مغلیہ دور میں مسلمان اعلیٰ عہدادار تھے یا فوج کے ملازم تھے۔کمپنی کے دور میں تمام اعلیٰ عہدے انگریز کے لیے مخصوص ہوگئے اور فوجی ملازمت مسلم دشمنی کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ اس طرح بے روزگاری نے سب سے زیادہ متاثر مسلمانوں کو کیا۔

6۔مسلمانوں کے لیے سرکاری ملازمتوں کی بندش:

کمپنی نے مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے دور رکھنے کی کوشش کی۔وہ اپنی قابلیت اور استحقاق رکھنے کے باوجود ہندوؤں کے مقابلے میں ملازمتوں سے محروم رکھے جاتے تھے۔اس وجہ سے مسلمانوں کا حکومت سے معاندانہ رویہ اختیار کرنا اور پھر جنگ

Marfat.com

آزادی میں شامل ہونا ایک فطری ردعمل تھا۔

7۔ٹیکسوں کی بھرمار:

انگریزوں نے صنعت، تجارت اور زراعت پر طرح طرح کے ٹیکس لگا دے ان ٹیکسوں کی ادائیگی عوام پر بوجھ بن گئی۔ 1829ء میں ہندوستان سٹمپ ایکٹ (Stamp Act) کا نفاذ ہوا جس کی رو سے عدالتی کاغذات پر ٹکٹوں کی صورت میں فیس ادا کرنا پڑتی تھی۔ مسلمانوں کے عہد میں عوام کو مفت انصاف دیا جاتا تھا لیکن اب عوام کو انصاف کے حصول کے لیے قیمت ادا کرنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایکٹ لوگوں پر گراں گزرا کیوں کہ اس سے قبل وہ مفت انصاف حاصل کرتے تھے۔

ج۔معاشرتی اسباب:

1۔کالے گورے کی تمیز:

انگریز نے ہندوستان میں کالے گورے کی تمیز کو قائم رکھا۔ ایک طرف تو وہ اپنی تہذیب، ثقافت اور تعلیم کو ہندوستانیوں پر ٹھونسنا چاہتے تھے اور دوسری طرف اپنی برتری بھی قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ہندوستانی شرفا انگریز کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ مقامی لوگوں سے توہین آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ اس طرح ہندوستانیوں کے دلوں میں بھی انگریز کے لیے نفرت کے جذبات موجزن ہو گئے۔

2۔مسلمانوں سے بدسلوکی:

مسلمان سب سے زیادہ انگریز کی نفرت کا نشانہ بنے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز کی آمد سے قبل مسلمان ہندوستان کے حکمران تھے۔ ان کے لیے ہندوستانیوں کے دلوں میں قدر و منزلت کے جذبات تھے۔ معاشی، معاشرتی اور علمی اعتبار سے وہ اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

انگریز نے برعظیم میں اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اس لیے وہ ان سے خائف تھے اور انھیں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ اس لیے انگریز نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر میدان میں دبانے اور نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس بدسلوکی کی وجہ

Marfat.com

سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی انگریز سے نفرت پیدا ہوگئی۔

3۔ثقافتی ورثے پر نکتہ چینی:

برعظیم میں مسلم ثقافت کی شان دار روایات موجود تھی۔ انگریز جس طرح مسلمانوں کے وجود سے خائف تھا اس طرح مسلم ثقافت سے بھی ڈرتا تھا۔ انگریز نے مسلمانوں کے ساتھ ان کی ثقافت پر بھی حملے کیے۔ مسلمانوں کے علوم کو ناکارہ اور فرسودہ قرار دیا، مسلمانوں کی تاریخ کو ظالمانہ قرار دیا اور ہر برائی مسلمان حکمرانوں سے منسوب کی۔

انگریز مصنفین اور پادری اسلام پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ وہ مسلم مشاہیر کی زندگیوں پر رکیک حملے کرتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے دل میں نفرت پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔

4۔اہل ہند کا اعلیٰ ملازمتوں سے دور رکھنا:

مغلوں کے دور میں نہ صرف مسلمان بل کہ ہندو بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے لیکن کمپنی کے دور میں تمام اعلیٰ مناصب پر انگریزوں کو فائز کر دیا گیا۔ اس طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے حامل ہندوستانیوں کو امور سلطنت سے دور رکھا گیا۔ یوں اہل ہند کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع نہ ملا اور وہ انگریز کے خلاف ہندوستانیوں کی رہنمائی کرنے پر مجبور ہوگئے۔

د۔مذہبی اسباب:

1۔عیسائیت کی تبلیغ:

انگریز نے برعظیم کے لوگوں کو عیسائی بنانے میں ضرورت سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین مسٹر مینگلز نے دارالعوام میں بیان دیا کہ ''ہندوستان کی وسیع سلطنت خداوند نے ہمیں اس لیے دی ہے کہ ہم اس کے طول و عرض میں عیسائیت کا پرچم لہرائیں''۔

لارڈ میکالے نے ہندوستان کے لیے جو نظام تعلیم وضع کیا اس کا مقصد بھی یہی

Marfat.com

تھا کہ ہندوستان رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہی رہیں۔ لیکن مذہب کے اعتبار سے عیسائی بن جائیں یا آزاد خیال بن کر اپنا مذہب ترک کر دیں۔ اس نظام تعلیم کے بارے میں نقطہ نظر یہ تھا کہ اس کی بدولت تیس سال میں سارا برعظیم عیسائی بن جائے گا۔

2۔ تبدیلی مذہب کا قانون:

مسلمانوں اور ہندوؤں کے قانون وراثت کی رو سے تبدیلی مذہب پر اولاد جائیداد کی وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ انگریز نے تبدیل مذہب کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے 1850 میں ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے تبدیلی مذہب سے بھی وراثت کا حصہ برقرار رہتا تھا۔ انگریز مذہب تبدیل کرنے والے کی پشت پناہی کرتے تھے اس قانون کی رو سے اب قانونی حوصلہ افزائی بھی ہونے لگی۔ اس سے عوام میں یہ تاثر عام ہوا کہ حکومت عیسائیت کے فروغ کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔

3۔ پادری ایڈمنڈ کا گشتی مراسلہ:

پادری ایڈمنڈ (Edmund) نے کمپنی کے ملازمین کے نام گورنر جنرل کی قیام گاہ سے ایک گشتی مراسلہ جاری کیا جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کو عیسائیت ہی متحد رکھ سکتی ہے۔ اس سے عوام میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

4۔ اصلاحات کے بارے میں غلط فہمی:

انگریز نے ذرائع مواصلات اور رسل و رسائل میں سہولتیں پیدا کرنے کے لیے نئی ایجادات ہندوستان میں رائج کیں۔ ریلوے، ٹیلی فون، ڈاک اور تار کے نظاموں کو لوگ شک کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اس سے یہ تاثر عام ہوا کہ اس سے انگریز کا مقصد عیسائیت کو عام کرنا اور برعظیم میں مستقل ڈیرے جمانا ہے۔ یہ ایجادات ایسے دور میں برعظیم پہنچیں جب عوام عیسائیت کے فروغ کی وجہ سے انگریز سے بدظن ہو چکے تھے۔

Marfat.com

5۔دینی تعلیم کا خاتمہ:

انگریز نے دینی مدرسوں کی وقف اراضی پر قبضہ کر لیا۔ نئے تعلیمی نظام سے دینی تعلیم کو خارج کر دیا۔ پادریوں کے قائم کردہ سکولوں میں اسلامی تعلیم کو نصاب سے خارج کر دیا گیا لیکن انجیل کی تعلیم کی سرپرستی کی گئی۔ اس طرح مغربی تعلیم، عیسائیت کی اشاعت کا ایک ذریعہ بن گئی۔ ضبطی معافیات اور مداخلت دین نے مسلمانوں کو انگریز سے ہمیشہ برگشتہ رکھا۔

6۔حکمرانوں کا مذہبی تعصب:

انگریز حکمران پادریوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ بجٹ میں عیسائیت کی اشاعت کے لیے رقم رکھی جاتی تھی۔ اس کا مقصد ہندوستانیوں کو عیسائیت کی آغوش میں میں لانا تھا۔ حکمرانوں کا مذہبی تعصب لوگوں کی پریشانی کا باعث بنا۔

7۔ہندوستانیوں سے بدسلوکی:

انگریز نے برعظیم میں ہندوستانیوں کو ہمیشہ اپنے سے کم تر سمجھا۔ حالاں کہ کمپنی کے ملازمین انگریز برطانیا کے عام طبقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن ہندوستان میں وہ اپنے آپ کو ہمیشہ برتر خیال کر کے لوگوں سے ہتک آمیز سلوک کرتے۔

انگریز کے مذہبی تعصب اور معاشرتی ناانصافی نے انگریز اور ہندوستانیوں کے مابین ایک خلیج قائم رکھی جو آہستہ آہستہ وسیع ہوتی چلی گئی اور نتیجہ جنگ آزادی کی صورت میں نکلا۔

8۔مجاہدین کی سرگرمیاں:

انگریز حکمرانوں کے تعصب، بدسلوکی، پادریوں کے مذہبی تعصب اور عیسائیت کی اشاعت حکمرانوں کی ضبطی معافیات اور مداخلت دین نے مسلمانوں کو انگریز سے ہمیشہ بدظن اور خائف رکھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا۔ ان کے مرید سید احمد بریلی نے سرحد میں سکھوں کے ساتھ جہاد کیا تا کہ وہاں اسلامی حکومت قائم کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالا جا سکے۔ سکھوں اور

Marfat.com

انگریزوں کی مشترکہ قوت نے مجاہدین کی کوششوں کو ناکام بنا دیا اور سید احمد بریلی اور ان کے ساتھی سید اسماعیل کو بالاکوٹ میں شہید کر کے مجاہدین کی قوت کو منتشر کر دیا۔

9۔تحریک جہاد کا اثر:

مجاہدین شکست کھا کر ہندوستان کے طول وعرض میں بس گئے اور انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کرتے رہے۔ ان مجاہدین اور ان کے پیرو کاروں نے جنگ آزادی میں بڑے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔

ہ۔فوجی اسباب:

1۔ریاستی فوج کی برطرفی:

کمپنی ریاستوں پر قبضہ کرتے ہی وہاں کی فوج کو برطرف کر دیتی تھی۔ ریاستی فوج کے ٹوٹنے سے وہاں بے روزگاری اور بے اطمینانی پھیل گئی۔ صرف اودھ میں ریاستی فوج ہٹانے سے اسی لاکھ سپاہی بے کار ہو گئے۔ جب جنگ آزادی شروع ہوئی تو ان سپاہیوں نے انتقام سے اس میں حصہ لیا۔

2۔دیسی سپاہیوں سے بدسلوکی:

کمپنی کی فوج میں دیسی سپاہی انگریزوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے لیکن دیسی سپائیوں کو معمولی تنخواہیں دی جاتی تھیں اور دیگر سہولتیں بھی انگریزوں کے مقابلے میں ناکافی تھیں۔ دیسی سپاہیوں سے نہایت نامناسب سلوک کیا جاتا تھا۔ ان باتوں سے دیسی سپاہی انگریز سے نالاں تھے۔

3۔برطانوی فوج کی کمی:

جنگ کریمیا میں الجھنے کے باعث کمپنی کے بہت سے انگریز سپاہی روس کے خلاف لڑنے کے لیے بھیج دیئے گئے اور کچھ پنجاب کے الحاق کے بعد وہاں سے ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ برطانوی سپاہیوں کی اکثریت کی ملک سے غیر حاضری نے حریت پسندوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور انھوں نے آزادی کے حصول کے لیے عملی قدم

Marfat.com

اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

4۔ سمندری سفر:

ہندو سمندری سفر کو پاپ خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک گنگا سے بڑا دریا اور ہندوستان سے بڑا ملک کوئی نہیں تھا۔ وہ گنگا کو مقدس دریا اور ہندوستان کو مقدس ملک سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کو چھوڑ کر سمندر کا سفر کرنا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ جنگ کریمیا میں شرکت کے لیے سمندر پار جانے کا حکم دیا گیا تو ہندو سپاہیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ 1856ء میں ایک قانون پاس کیا گیا جس سے کوئی سپاہی سمندری سفر سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس قانون سے ہندو سپاہیوں میں بے چینی پھیل گئی۔

5۔ مذہب کے خلاف احکامات:

انگریز نے فوج میں کچھ ایسے احکامات نافذ کیے جو دیسی سپاہیوں کے مذہبی روایات کے خلاف تھے۔ فوجی سپاہیوں کو داڑھی رکھنے، پگڑی باندھنے، ماتھے پر تلک لگانے اور کانوں میں بالیاں پہننے کی اجازت نہ تھی۔ اس سے سپاہیوں کی دل شکنی ہوئی اور ان کے دلوں میں انگریز کی نفرت جاگزیں ہو گئی۔

و۔ متفرق اسباب:

1۔ مسلمانوں کا جذبہ جہاد:

سید احمد شہید کی تحریک جہاد تو ناکام ہو چکی تھی لیکن ان کی شہادت نے مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کر دیا تھا۔ تحریک جہاد کے مجاہدین ہندوستان کے گوشے گوشے میں بس گئے تھے اور وہاں مسلمانوں کا جذبہ جہاد بیدار کر رہے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں انھوں نے برعظیم میں مسلم اقتدار کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی۔

2۔ ہندوؤں کے لڑاکا قبیلے:

راجپوت، مرہٹے اور گورکھے انگریز حکومت کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ انھوں نے عوام کے جذبات سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی شکستوں کا انتقام لینے کے لیے

Marfat.com

میدان جنگ میں کود پڑے۔

3۔ عوامی مسائل سے غفلت:

انگریز اپنے آپ کو آقا خیال کرتے تھے اور انھیں عوام کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ کمپنی کے دور حکومت میں ملک کئی بار قحط، طوفان اور وباؤں سے متاثر ہوا۔ حکمرانوں نے لوگوں کے دل جوئی اور نگہداشت کے بجائے ان سے بے رخی بھرتی۔ انگریز کے اس رویے نے عوام کو دل برداشتہ کر دیا۔

4۔ موقع پرستوں کی سرگرمیاں:

ریاستوں کے سابق حکمران، نواب اور شہزادے موقعے کی تلاش میں تھے۔ جب حالات نے پلٹا کھایا اور زندگی کے مختلف میدانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت بڑھی تو انھوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کی بھرپور کوشش کیں۔

5۔ بے پردگی و تعلیم نسواں:

انگریز حاکموں نے ایک تحریک چلائی جس کا مقصد عورتوں کو بے پردہ کرنا تھا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اس نے لڑکیوں کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کا اعلان کیا۔ لڑکیوں کے سکول قائم کیے۔ مردوں کو قائل کرنے کے لیے انگریز عورتیں میدان عمل میں اُتریں اور انھوں نے مردوں سے کہا کہ وہ لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کی حوصلہ افزائی کریں اور پردے سے کنارہ کشی کریں عوام اس طرز عمل سے سخت نالاں ہو گئے۔

6۔ ضبطی معافیات:

انگریز نے معافیات کو مختلف حیلے بہانوں سے بحق سرکار ضبط کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسودہ حال لوگ بھی معاشی و اقتصادی تنگیوں کا شکار ہو گئے اور ان کے زیر کفالت سیکڑوں افراد کی زندگی دوبھر ہو گئی اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ کیوں کہ اسلامی سلطنت کے دوران میں ان کو ہی سب سے زیادہ معافیات دی گئی تھیں۔

Marfat.com

7۔انگریزی سرکاری زبان قرار دینا:

ہندوستان کے عوام کئی سو سالوں سے تمام کاروبار ہندی اور فارسی میں کر رہے تھے اور یہ دونوں زبانیں عوامی بن چکی تھیں۔اس کے پیش نظر انگریز نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ قائم کر کے مقامی زبانوں سے آشنا حاصل کی اور 1835ء میں ایک سرکاری فرمان کے تحت انگریزی کو سرکاری زبان قرار دے دیا۔اس طرح بہت سے مسلمانوں نے انگریزی سے نفرت کی بنا پر سرکاری عہدوں کو ترک کر دیا۔

8۔قیمتی دھاتوں کا خرد بُرد:

ایسٹ انڈیا کمپنی حکومت سے پہلے ہندوستان میں سونے اور چاندی کی خاصی مقدار موجود تھی اور یہاں کے سکے ان قیمتی دھاتوں سے ڈھلتے تھے۔جب سے کمپنی نے اقتدار سنبھالا اس وقت سے انگریز نے اس زر کثیر کو کسی نہ کسی طریقے سے یورپ میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔کمپنی کے ملازمین کو ہندوستان کے سرکاری خزانے سے بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں۔یوں یہاں کی دولت ملک سے باہر جانے لگی۔

ز۔فوری اسباب:

چربی والے کارتوس:

انگریز نے اپنی فوج کو جو بندوقیں تقسیم کیں ان میں جدید دور کے کارتوسوں کا استعمال کیا جانے لگا۔ان بندوقوں میں جو کارتوس استعمال کیے جاتے تھے انھیں چلانے کے لیے دانتوں سے توڑنا پڑتا تھا۔فوج میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کارتوسوں پر گائے اور سور کی چربی ملی ہوئی ہے۔گائے کی چربی سے ہندو اور سور کی چربی سے مسلمان پریشان ہوئے۔ان کارتوسوں کے استعمال سے قبل منہ سے کھولنا پڑتا تھا۔مختلف جگہوں میں اس کے خلاف احتجاج ہوئے۔

انگریز نے طاقت سے احتجاج کو روکنے کی کوشش کی لیکن حالات بگڑ گئے۔ میرٹھ کی چھاؤنی سے بغاوت کی جو آگ نمودار ہوئی تھی اس نے پورے شمالی ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

Marfat.com

سر سید احمد خاں نے رسالہ بغاوت ہند میں 1857ء کے ہنگامے کے مندرجہ ذیل اسباب لکھے ہیں "ہندوستان کی رعایا روز بروز مفلس ہوتی جا رہی تھی۔ زمین دار، کاشت کار مفلس ہو گئے۔ اہل حرفہ بے روزگار ہو کر رہ گئے تھے کیوں کہ سب اشیائے تجارت ولایت سے بن کر یہاں آتی تھیں۔ یہاں تک کے ہندوستان میں سوئی یا دیا سلائی بنانے والا نہ رہا تھا۔ جولائے کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا۔ انگریزی حکومت انھیں مفلس کر کے عیسائی بنا لے گی، نوکریوں سے محرومی کی شکایت خاص طور پر مسلمانوں کو تھی۔ کیوں کہ ان کی روزی کا سب سے بڑا ذریعہ سرکاری نوکری تھی...... مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بے کار ہو گئی۔"

جنگ آزادی کے واقعات

1757ء میں جنگ پلاسی میں انگریز نے بنگال میں قدم جمائے اور پھر ایک ایک ہندوستانی ریاستوں کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔ حتی کہ اس نے مغلیہ خاندان کی شاہی سلطنت کو لال قلعہ دہلی تک محدود کر دیا۔ 1857ء تک وہ پورے ہندوستان پر فرنگی علم لہرا چکا تھا۔

واقعات:

بیرک پور میں کارتوسوں کے خلاف ردعمل:

بیرک پور میں 34 رجمنٹ کے سپاہیوں نے 6 فروری 1857 کو کارتوسوں کے استعمال سے انکار کر دیا۔ انگریزوں نے 34 رجمنٹ توڑ دی اور مطمئن ہو گئے۔

میرٹھ کی شورش:۔

انگریز بیرک پور کا ہنگامہ فرو کر کے مطمئن ہو گیا اور اس واقعے سے اس نے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ 9 مئی 1857ء کو میرٹھ میں جنرل سمتھ (Smyth) نے پریڈ کے دوران میں سپاہیوں کو نئے کارتوس چلانے کا حکم دیا۔ نوے سپاہیوں نے جن میں چون مسلم اور چھتیس غیر مسلم تھے، ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔

اس انکار پر ان سپاہیوں کا کورٹ مارشل کر کے دس دس سال قید با مشقت کی سزا دے کر جیل بھیج دیا گیا۔ اس طرح پوری فوج میں انگریزوں کے خلاف غم و غصے اور

Marfat.com

نفرت وعناد کی لہر دوڑ گئی۔

اعلان آزادی:

انگریزوں کے خلاف اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ مئی 1857ء کے آخر میں انگریزوں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کا منصوبہ بنایا گیا لیکن میرٹھ چھاؤنی کی فوج کے دیسی سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کی سزا کی خلاف مشتعل ہو کر 10 مئی 1857 کو انگریز افسروں کو قتل کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو جیل سے نکال لیا۔ دیسی سپاہی چوبیس گھنٹے میں دہلی پہنچ گئے اور وہاں کے دیسی سپاہی بھی ان سے مل گئے۔

اہم مراکز:

جنگ آزادی کے بڑے مراکز دہلی، لکھنؤ، کان پور، بریلی اور جھانسی تھے۔

1۔ دہلی:

میرٹھ کے انقلابی سپاہیوں کی دہلی آمد پر وہاں کی فوج کے دیسی سپاہی ان سے مل گئے اور انگریزوں کے لیے دہلی پر قبضہ رکھنا ناممکن ہو گیا۔ انقلابیوں نے دہلی پر قبضہ کر کے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو قلعے سے زبردستی باہر نکال کر ان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انقلاب کی رو سارے ہندوستان میں پھیل گئی اور حریت پسندوں نے انگریزوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

بہادر شاہ ظفر نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو انقلابی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا لیکن اس میں نظم ونسق کی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔ اس دوران میں انقلابی ہر طرف سے دہلی پہنچنے لگے جس کی وجہ سے رسد کی قلت ہو گئی اور امن وامان کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا۔ مرزا مغل حالات کو قابو میں نہ رکھ سکا۔

تاہم اس موقع پر روہیل کھنڈ سے جنرل بخت خاں چودہ ہزار کی فوج لے کر دہلی پہنچ گیا اس نے حالات کو کافی حد تک درست کیا۔ اس کی وجہ سے فسادیوں کے ہاتھ رکھ گئے شہر کے حالات کو کافی حد تک درست کیا اور رسد کا سلسلہ بھی بحال ہو گیا۔ جنرل بخت ایک اچھا منتظم اور پائے کا سپہ سالار تھا۔ فسادیوں نے اس کے خلاف سازشوں کے جال پھیلا دئے اور مرزا مغل کو اس کے خلاف مشتعل کر دیا۔ مرزا مغل کی من مانی اور ہٹ

Marfat.com

دھرمی کی وجہ سے جنرل بخت خاں کے لیے مشکلات پیدا ہو گئی۔ اس نے انتہائی مشکلات میں بھی انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جب سازشیوں اور مرزا مغل نے اس کا قافیہ تنگ کر دیا تو وہ دل برداشتہ ہو کر دہلی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

مرزا مغل کے بعد اس کے چچیرے بھائی فیروز خاں نے حالات کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ فیروز خان ایک باصلاحیت نوجوان تھا لیکن مرزا مغل نے اس کے بھی ہاتھ باندھ دیے اور اس کی پیش نہ چلنے دی۔

پورے ہندوستان کے حریت پسند بہادر شاہ ظفر کے جھنڈے تلے متحد ہو کر انگریزوں کو برعظیم سے نکالنے کے خواہش مند تھے۔ غداروں کو یہ ایک نظر بھی پسند نہیں تھا۔ دہلی کے یہ غدار مار آستین تھے جو پل پل کی خبر انگریزوں کو پہنچا رہے تھے۔ ان ملت فروشوں میں بادشاہ کے سمدھی مرزا الٰہی بخش وزیر اعظم احسن اللہ خاں بیگ اور مولوی رجب علی پیش پیش تھے جو مسلمانوں کے اقتدار کو مٹا کر انگریز کے قبضے کی فکر میں تھے۔

گولہ بارود کا ایک بڑا ذخیرہ دہلی میں موجود تھا۔ انگریز سپاہیوں نے اس کو آگ دکھا دی تاکہ یہ انقلابیوں کے ہاتھ نہ لگے۔ سازشی شہر کے حالات خراب کرنے میں کوشاں تھے۔ انگریزوں نے سکھ اور گورکھا فوجیوں کی مدد سے 8 جون کو شہر کا محاصرہ کر لیا۔ انگریز حملہ آوروں کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور انھیں اپنے مخبروں کے ذریعے شہر کی ایک ایک خبر مل رہی تھی۔ اس طرح انگریز بہت سے غداروں کو حریت پسندوں سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ محاصرہ تین ماہ جاری رہا اور بالآخر انگریزی فوج جنرل نکلسن کی قیادت میں کشمیری دروازے کے راستے شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اگرچہ جنرل نکلسن ایک انقلابی کی گولی کا نشانہ بن گیا لیکن دہلی پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ انگریز اور سکھ سپاہیوں نے شہر میں قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی روح بھی تڑپ گئی۔

بہادر شاہ ظفر اور اس کے خاندان کو میجر ہڈسن (Hudsun) نے مقبرہ ہمایوں سے گرفتار کر لیا۔ اس کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے کہا کہ وہ قانونی فرمانروا ہے اور کمپنی اس کے گماشتے کی حیثیت سے حکومت کرتی رہی ہے۔ بھلا وہ اپنے ماتحت گماشتوں کے خلاف کیسے بغاوت کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور اس پر فرد جرم عائد کر

Marfat.com

کے اسے ملکہ زینت محل سمیت زنجیریں پہنا کر برما کے دارالحکومت رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا جہاں اس نے نہایت کس مپرسی کے عالم میں 1862ء میں وفات پائی۔

2۔ لکھنؤ:

تحریک آزادی کا دوسرا اہم مرکز لکھنؤ تھا۔ دہلی میں حریت پسندوں کی کامیابی کے آثار پا کر اودھ کے جاگیرداروں، تعلق داروں، معزول سپاہیوں نے انگریز کے تسلط کے خلاف ہتھیار اُٹھا لئے۔ سابق نواب واجد علی شاہ کے کمسن لڑکے برجیس قدر کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور اس کی والدہ حضرت محل اس کی سرپرست بنی۔ اس موقع پر آزادی پسندوں کی مدد کے لیے حیدر آباد دکن سے ایک مجاہد احمد اللہ شاہ اپنے مریدوں کی ایک کثیر فوج لے کر لکھنؤ پہنچا۔ اس بلند ہمت شخص نے لکھنؤ میں وہی کردار ادا کیا جو جنرل بخت خاں دہلی میں کر چکا تھا۔ کیونکہ اسلام میں فوج کی سربراہ عورت نہیں ہو سکتی اس لیے اس نے حضرت محل کی سربراہی کو تسلیم نہ کیا۔ یوں دونوں فوجیں الگ الگ لڑتی رہیں۔ احمد شاہ نے نہایت قابلیت سے جنگی قیادت کے فرائض سرانجام دیے۔

اس نے انگریز ریذیڈنسی کا محاصرہ کر لیا۔ لکھنؤ کا انگریز ریذیڈنٹ سر ہنری لارنس (Henry Lawrence) مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس دوران میں احمد اللہ شاہ حضرت محل کی قیادت سے دل برداشتہ ہو کر بریلی چلا گیا۔

سر ہنری کے مرنے کے باوجود مجاہدین کا ریذیڈنسی پر قبضہ نہ ہو سکنے کے دوران میں انگریز دہلی پر قبضہ کر چکے تھے۔ نومبر 1857ء میں انگریز فوجی دستے لکھنؤ کے محصورین کی مدد کو پہنچ گئے اور انھوں نے زوردار حملوں کے ذریعے مجاہدین کا زور توڑ دیا۔

دہلی پر انگریز کے قبضے کی خبریں مجاہدین تک پہنچ رہی تھیں۔ اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس طرح مجاہدین زیادہ دیر تک مقابلہ جاری نہ رکھ سکے۔ حضرت محل نیپال کی طرف روپوش ہو گئی اور انگریزوں نے مارچ 1858ء میں لکھنؤ پر مکمل قبضہ کر لیا۔

3۔ کان پور:

سردار نانا صاحب کو انگریز نے پیشوا کا متبنیٰ تسلیم نہیں کیا تھا لہذا اس نے 30 مئی 1857ء کو پیشوا ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے نائبین عظیم اللہ خاں اور

Marfat.com

تانتیا توپی کی مدد سے کان پور کی چھاؤنی پر حملہ بول دیا۔ انگریزوں نے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے خود کو نانا صاحب کے حوالے کر دیا۔ نانا صاحب نے انگریزوں کو دریا عبور کر کے الٰہ آباد جانے کی اجازت دے دی لیکن جب ان کی کشتیاں دریا کے درمیان پہنچیں تو گولی چلا کر کشتیوں کو ڈبو دیا۔ اس طرح چند ہی انگریز جان بچا سکے۔ اس کے بعد جنرل ہیولاک (HAULOCK) نے ایک تازہ دم انگریز فوج کے ساتھ کان پور پر حملہ کیا اور نانا صاحب کی فوج کو شکست دی۔ نانا صاحب نیپال بھاگ گیا اور اس کا سپہ سالار تانتیا توپی جھانسی کی رانی سے جا ملا۔ کان پور پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ انھوں نے انگریزوں کے ڈوبنے کا بدلہ بے گناہ عوام کو جور و جفا کا نشانہ بنا کر لیا۔

4۔ جھانسی:

جھانسی کی رانی لکشمی بائی کو متبنیٰ بنانے کی اجازت نہیں ملی تھی لہذا جون 1857ء میں اس نے انگریز کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس نے تانتیا توپی کو اپنی فوجوں کا سپہ سالار بنایا اور خود مردانہ لباس پہن کر اس کے شانہ بشانہ انگریزوں کے خلاف لڑتی ہوئی میدان جنگ میں زخمی ہو کر دم توڑ گئی۔ تانتیا توپی نے شکست کھا کر فرار ہونے کی کوشش کی لیکن گرفتار ہوا اور اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ جون 1858ء میں انگریزوں نے جھانسی کا قلعہ فتح کر لیا اور تحریک دم توڑ گئی۔ یوں بندھیل کھنڈ کے صدر مقام جھانسی پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے پورے بندھیل کھنڈ پر انگریزی اقتدار بحال ہو گیا۔

5۔ بریلی:

بریلی روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا۔ 31 مئی کو آزادی پسندوں نے ہتھیار سنبھال لیے اور حافظ رحمت اللہ روہیلہ کے صاحبزادے نواب بہادر خان کو اپنا حکمران بنا لیا۔ اس طرح سارے علاقے کے مجاہدین جمع ہو کر انگریز کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے اور انگریزوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اس دوران میں مجاہد احمد اللہ شاہ بھی اپنے مریدوں کے ہم راہ یہاں پہنچ گیا۔ دہلی اور لکھنؤ کی شکست خوردہ فوج بھی بریلی آ گئی۔ بریلی کے علاوہ بدایوں، مراد آباد، شاہ جہاں پور، بجنور اور تھانہ بھون کے علاقے میں علماء نے عوام

Marfat.com

کی قیادت کی اور انگریزوں کا جینا دوبھر کر دیا۔

مجاہد احمد اللہ شاہ کو ایک ہندو نے اپنے پاس بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا اور انگریز سے پچاس ہزار انعام حاصل کیا۔ انگریز نے سکھوں، گورکھوں اور نواب رام پور کی فوجوں کو ساتھ ملا کر بھرپور حملہ کیا۔ اس طرح بریلی کی تحریک دم توڑ گئی اور روہیل کھنڈ کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔

6۔ دیگر مراکز:

دیگر مقامات پر بھی آزادی پسندوں نے انگریزی اقتدار کا جواء اتارنے کی کوشش کی۔ چنانچہ لاہور کی میاں میر چھاؤنی میں دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لیے گئے۔ 30 جولائی کو پرکاش سنگھ نے میجر سپنسر (Spensior) کو قتل کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ انگریز نے 282 نہتے دیسی سپاہیوں کو گرفتار کر کے اجنالہ تھانے میں بند کر دیا اور اگلے روز سب کو قتل کر دیا۔

نوشہرہ چھاؤنی میں 55 انفنٹری نے بغاوت کی لیکن عوامی تائید نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔

جہلم میں 14 رجمنٹ نے بغاوت کر دی۔ انگریز فوج سے ان کی شدید جھڑپیں ہوئیں جن میں دونوں طرف کا سخت جانی نقصان ہوا۔ سیالکوٹ، راولپنڈی، ملتان، امرتسر اور گورداس پور کی چھاؤنیوں میں دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین کر انھیں بے بس کر دیا گیا۔ اس طرح پورے پنجاب میں بغاوت کی آگ کو سرد کر دیا گیا۔

سندھ میں حیدر آباد، شکار پور اور کراچی کی چھاؤنیوں میں بھی انگریزوں کے خلاف ردعمل ہوا لیکن وہاں بھی دیسی سپاہیوں سے ہتھیار رکھوا کر انھیں نہتہ کر دیا گیا۔ یوں سندھ میں بھی امن و امان قائم ہو گیا۔

ڈھاکا اور چٹاگانگ میں دیسی سپاہیوں نے انگریزی حکومت کے احکامات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جلد ہی انھیں غیر مسلح کر کے کڑی سزائیں دی گئیں۔

باہمی رابطہ اور تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے انگریز نے ہر جگہ بغاوت پر قابو پا لیا۔ مجاہدین کو غداروں کے ذریعے اور دیسی سپاہیوں کو نہتہ کر کے ہر جگہ ہنگاموں کو با آسانی فرو کر دیا۔

Marfat.com

اس طرح پورے ہندوستان میں اٹھنے والے طوفان کو انگریز نے سکھوں کی مدد سے کچل کے رکھ دیا۔ انگریز کی ان فتوحات نے ہندوستان پر ایک صدی مزید حکومت کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ جس تندی اور تیزی کے ساتھ یہ طوفان برپا ہوا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریز اب زیادہ عرصہ یہاں نہیں ٹھہر سکے گا۔ اپنوں کی غداری، سکھوں کی انگریز طرف داری اور رابطے و تنظیم کی کمی کے باعث جنگ آزادی ناکام ہو گئی۔ اس ہنگامے میں سات ہزار انگریز مارے گئے اور پانچ لاکھ سے زائد ہندوستانی تہ تیغ کیے گئے۔ انگریز نے جنگ آزادی کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا اور اس کے انتقام میں سب سے زیادہ مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچایا۔

جنگ آزادی کے نتائج:

جنگ آزادی حریت پسندوں کی بے مثل قربانی کے باوجود ناکام ہوئی تاہم آزادی پسندوں نے آزادی کا جو بیج بویا وہ نوے سال بعد 1947ء میں پاکستان کی صورت میں معرض وجود میں آ کر گل و گلزار بنا۔ اس جنگ کی ناکامی سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

1۔ مغل بادشاہت کا خاتمہ۔
2۔ قتل عام۔
3۔ مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ۔
4۔ دہلی کی تباہی۔
5۔ تاج برطانیا کی حکومت اور کمپنی کے اقتدار کا خاتمہ۔
6۔ عوام سے یکساں سلوک کا وعدہ۔
7۔ وزیر ہند اور انڈیا کونسل کی تشکیل۔
8۔ والیان ریاست کو یقین دہانی۔
9۔ قدیم رسم و رواج کا جاری رہنا۔
10۔ مذاہب کے احترام کا وعدہ۔
11۔ صنعت و تجارت کا فروغ۔
12۔ عام معافی کا اعلان۔

Marfat.com

13۔ انگریزی فوج میں اضافہ۔

14۔ احساس غلامی۔

15۔ نوکرشاہی کا قیام۔

16۔ دستوری تحریک کا آغاز۔

17۔ عیسائی مبلغین کی حوصلہ افزائی۔

18۔ ہندو مسلم اختلافات۔

19۔ قانون حکومت ہند۔

20۔ انگریزی زبان کے ساتھ دیسی زبانوں کی اہمیت۔

1۔ مغل بادشاہت کا خاتمہ:

مغلیہ سلطنت کمپنی کے دور اقتدار میں ہی سمٹ کر لال قلعہ دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے نتیجے میں مغلیہ خاندان کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر کو برما کے دارالحکومت رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اس طرح مغلیہ خاندان کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں کا اقتدار بھی ہندوستان سے ختم ہو گیا۔ ''میجر ہڈسن بہادر شاہ ظفر اور اس کے خاندان کو ہمایوں کے مقبرے سے جان کے وعدے پر باہر لایا۔ جس وقت شاہی خاندان ہڈسن کے سامنے آیا۔ اس نے ان کو خون خوار نظروں سے دیکھا مگر خاموش کھڑا رہا اور رتھوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ جب دہلی ایک میل رہ گئی تو رتھوں کو ٹھہرایا اور شہزادوں کو رتھوں سے باہر آنے کا کہا۔ جب وہ اترے تو انھیں شہزادگی کا لباس اُتارنے کا حکم دیا۔ جب انھوں نے وہ لباس اُتارا تو میجر غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ایک سوار سے بھری ہوئی قرابین مانگی اور اس کو ہاتھ میں پکڑ کر تین فائر کیے۔ شہزادے گر پڑے اور خاک میں لوٹنے لگے اور کچھ دیر بعد مر گئے ...... بہادر شاہ ظفر کی ایک بیٹی ربیلہ بیگم نے روٹی سے محتاج ہونے کے سبب دہلی کے مشہور باورچی سے شادی کر لی اور دوسری بیٹی فاطمہ سلطانہ پادریوں کے زنانہ سکوں میں معلمی کا پیشہ کرنے لگی''

2۔ قتل عام:

انگریز نے جنگ آزادی کو ناکام بنانے کے بعد عوام سے خون ناک انتقام لیا۔

Marfat.com

جنگ آزادی میں مارے جانے والے انگریزوں کی تعداد سات ہزار تھی لیکن اس کے بدلے میں انگریز نے پانچ لاکھ ہندوستانیوں کو تہ تیغ کیا۔ دہلی میں انگریزوں کے ساتھ سکھوں نے بھی عوام کو بے دریغ گولیوں کا نشانہ بنایا۔ ''انگریزوں نے دیرینہ دشمنی کی بنا پر سکھوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور سکھوں نے جی بھر کر مسلمانوں سے انتقام لیا''

3۔مسلمان ظلم وستم کا نشانہ:

جنگ آزادی میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں نے شرکت کی تھی۔لیکن جب جنگ آزادی ناکام ہوگئی تو صرف مسلمان ہی انگریز کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ کیوں کہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے انھیں خطرہ تھا کہ مسلمان سلطنت کی بازیافت اور کھوئے ہوئے وقار کے لیے جدو جہد کریں گے۔ جنگ آزادی میں مسلمان پیش پیش تھے اس لیے انگریز نے انھیں من حیث القوم ختم کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان زعما، فقہا اور علما بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر فوجی حاکموں کے سامنے پیش کیے جاتے اور صفائی کا موقع دیئے بغیر ان پر فرد جرم عائد کردی جاتی اور چند منٹوں میں ان کی نعشیں خاک وخون میں تڑپ رہی ہوتیں۔

لاکھوں مسلمانوں کو درختوں پر پھانسی دی گئی اور ان کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کے نام ونشان کو مٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کی جاگیریں، اوقاف اور جائیدادیں ضبط کر کے ان کو فاقوں مرنے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمان افلاس و بے چارگی کا دوسرا نام تھا۔ ''اگر کوئی شخص ایک خمیری روٹی یا مٹھی بھر چنے تقسیم کرتا تو مسلمان عورتوں کے غول کے غول جمع ہو جاتے تھے۔ یہ وہی عورتیں تھیں جو سال دو سال پہلے خود ہزاروں روپے کی خیرات اپنے گھروں میں بیٹھ کر کرتی تھیں۔

4۔دہلی کی تباہی:

مسلمانوں کے عہد حکومت میں دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مغلیہ دور میں یہ اپنی شان وشوکت کی وجہ سے ہندوستان کی تمام شہروں پر بازی لے گیا۔ اسے مغلیہ دور میں عروس البلاد کا مقام حاصل تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی نے دہلی سے اس کی رونق چھین لی۔ مسلمانوں کی

Marfat.com

عظمت رفتہ کے آثار اور ثقافتی مراکز کو اس بے دردی سے تباہ کیا گیا کہ وہ کھنڈروں کا شہر بن گیا۔ اس شہر میں دفینوں اور خزانوں کی تلاش کا سلسلہ کئی ماہ جاری رہا اور اس طرح شہر کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا۔

انگریز نے کلکتہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دہلی کو پنجاب میں شامل کر کے اسے لاہور کی کمشنری کے ماتحت کر دیا۔ ''مغلوں کا یہ عروس البلاد کھنڈروں اور ملبے کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔ کوسوں تک ایک فاقہ زدہ بلی کے اور ایک مصیبت کی ماری عورت کے جو گودڑی سمٹتی پھرتی تھی کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔''

5۔ تاج برطانیا کی حکومت اور کمپنی کے اقتدار کا خاتمہ:

جنگ آزادی کے دوران میں برطانیا میں اس بات پر شدید تنقید ہونے لگی کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک پر ایک تجارتی کمپنی حکمرانی کر رہی ہے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کر کے ہندوستان کی حکومت براہ راست تاج برطانیا کے تحت دینے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ کمپنی نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور برعظیم کی فتح کو اپنا کارنامہ قرار دیا۔

1858ء میں پارلیمنٹ میں کمپنی کی مخالفت کی وجہ سے ہندوستان سے کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی اور ہندوستان براہ راست تاج برطانیا کے ماتحت چلا گیا۔ تاج برطانیا کی طرف سے ہندوستان کی حکومت چلانے کے لیے وائسرائے ہند کا تقرر کیا گیا۔ لارڈ کیننگ (Lord Canning) پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔

6۔ عوام سے یکساں سلوک کا وعدہ:

لارڈ کیننگ (Lord Canning) نے الٰہ آباد میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور ملکہ معظمہ کا اعلان شائع کیا کہ ان کی تمام رعایا انگریز ہو یا ہندوستانی، ہندو ہو یا مسلم، عیسائی ہو یا پارسی، یکساں سمجھی جائے گی۔ کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور کسی علاقے پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ والیان ریاست کو متبنیٰ بنانے کی اجازت ہوگی۔ قاتلوں کے علاوہ تمام باغیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ سرکاری ملازمت کے لیے صرف تعلیم اور لیاقت ہی معیار ہوگا اور اس میں قومیت، مذہب اور رنگ کا کوئی

Marfat.com

لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

7۔ وزیر ہند اور انڈیا کونسل کی تشکیل:

کمپنی کی حکومت ختم کر دی گئی اور بورڈ آف کنٹرول اور ڈائریکٹروں کے بورڈ کو منسوخ کر کے ان کی جگہ "وزیر ہند" کا عہدہ قائم کیا گیا اور وزیر ہند کی امداد کے لیے پندرہ ممبروں کی انڈیا کونسل مقرر کی گئی۔ 1919ء تک وزیر ہند اور اس کے عملے کی تنخواہیں ہندوستان کے خزانے سے ادا ہوتی رہیں۔

8۔ والیان ریاست کو یقین دہانی:

جنگ آزادی میں والیان ریاست نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا کیوں کہ کمپنی سب سڈی ایری سسٹم، اصول الحاق، متبنیٰ بنانے کی اجازت نہ دے کر اور نظم و نسق کا مسئلہ بنا کر والیان ریاست سے محروم کر دیا تھا۔ کمپنی کی حکومت کے خاتمے کے بعد ملکہ وکٹوریہ نے ایک اعلان کے ذریعے والیان ریاست کو یقین دلایا کہ آئندہ کسی ریاست کو انگریزی عمل داری میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ان کے ساتھ کیے گئے عہد ناموں کا احترام کیا جائے گا۔ انھیں متبنیٰ بنانے اور جانشین نامزد کرنے کا حق ہے۔

9۔ قدیم رسم و رواج کا جاری رہنا:

شاہی اعلان میں اس بات کی ضمانت دی گئی تھی کہ ہندوستان کے قدیم رسم و رواج کا احترام کیا جائے گا۔ ہندوستان کی رسومات و روایات کو قانونی صورت دے دی گئی اور انھیں آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ عوام کے مقدمات کے فیصلے مقامی قوانین کے تحت کیے جائیں گے۔ تاہم برطانوی قانون بھی عدالتوں میں نافذ رہے گا۔ ملکی قوانین وضع کرنے میں ہندوستانیوں کی مذہبی و معاشرتی رسومات کا خیال رکھا جائے گا۔

10۔ مذاہب کے احترام کا وعدہ:

شاہی اعلان کے ذریعے ہندوستان کے تمام باشندوں کو مذہبی آزادی کا یقین دلایا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ آئندہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسومات ادا کرنے اور مذہب کے

Marfat.com

مطابق زندگی گزارنے کی اجازت ہوگی۔

11۔صنعت وتجارت کا فروغ:

کمپنی نے مقامی صنعتوں کو تباہ کر دیا اور تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ جنگ آزادی میں دست کاروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ برطانوی حکومت نے صنعت وتجارت کے بارے میں اپنی پالیسی تبدیل کی اور اعلان کیا کہ برعظیم میں صنعتیں قائم کی جائیں گی۔ دست کاروں کو روزگار مہیا کیا جائے گا اور خام مال کو کارخانوں میں استعمال کر کے عوام کو سستے داموں مصنوعات فراہم کی جائیں گی۔

12۔عام معافی کا اعلان:

شاہی اعلان کے مطابق عام معافی کا اعلان کیا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ تمام ہندوستانی کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ قاتلوں کے علاوہ تمام باغیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

13۔انگریزی فوج میں اضافہ:

جنگ آزادی میں کمپنی کو انگریزی فوج کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔ برطانوی حکومت نے اس تلافی کے لیے انگریز سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ فوج کے اہم شعبے انگریزوں کی تحویل میں دے دیے گئے۔ دیسی سپاہیوں کی رجمنٹس توڑ کر انگریزی رجمنٹ میں مدغم کر دی گئیں۔ دیسی سپاہیوں کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ کر دیا گیا۔

14۔احساس غلامی:

کالے اور گورے کی تفریق نے ہندوستانیوں کو یہ احساس دلایا کہ اب وہ سات سمندر پار سے آئے ہوئے انگریز کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ انگریز نے محض حاکم کے بجائے ڈپلومیٹک بن کر ہندوستانیوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی گئی۔

Marfat.com

15۔ نوکر شاہی کا قیام:

برطانوی حکومت نے ہندوستانی اہل کاروں پر اعتماد کرنا ترک کر دیا۔ سرکاری ملازمت کے لیے صرف تعلیم اور لیاقت کو معیار بنانے سے اعلیٰ عہدوں پر انگریز فائز ہوئے۔ اعلیٰ عہدوں کا وقار قائم رکھنے کے لیے انھیں عالی شان محلات اور بنگلے دیئے گئے تاکہ ان کا ہندوستانیوں پر رعب داب قائم رہے۔ انگریز افسروں کو وسیع اختیارات دے دیئے گئے۔ اس طرح ہندوستانیوں کو قانونی شکنجے میں جکڑ کر پابند کر دیا گیا۔

16 دستوری تحریک کا آغاز:

کمپنی کی حکومت لوٹ کھسوٹ، مکر وفریب اور لڑاؤ قبضہ کرو کی حکمت عملی اپنائے ہوئے تھی۔ جنگ آزادی نے اس بے اصولی کا خاتمہ کر دیا۔ انگریز نے دستوری اصلاحات کے نفاذ کا سلسلہ شروع کیا۔ قائداعظم نے بھی قانونی جنگ لڑ کر انگریز سے پاکستان حاصل کیا۔

17 عیسائی مبلغین کی حوصلہ افزائی:۔

جنگ آزادی نے انگریز سے خلاصی کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ انگریز برعظیم کو بزور طاقت حاصل کیا ہوا ملک سمجھنے لگے۔ انگریز کو یقین ہو گیا کہ اب اسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے اس لیے یہاں کے لوگوں کو اپنا ہم مذہب بنایا جائے تاکہ نفرت کم ہو اور وہ چین وسکون سے حکومت کر سکیں۔

انگریز یہ بھی خیال کرتا تھا کہ یہ وسیع وعریض ملک خداوند نے ہمیں اس لیے دیا ہے کہ ہم عیسائیت کو فروغ دیں۔ پادریوں نے انگریز کی فتح عیسائیت کی دوسرے مذاہب پر فتح قرار دیا اور دوسرے مذاہب کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا۔

18۔ ہندو مسلم اختلافات:

جنگ آزادی میں ہندو اور مسلم دونوں شریک ہوئے تھے۔ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے وہ مسلمانوں سے خائف تھے۔ انگریز نے جنگ آزادی کے بعد ہندوؤں کو رعایتیں دے کر مسلمانوں سے توڑ لیا۔ اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک خلیج حائل ہوتی چلی گئی جسے انگریز نے وسیع کرنے کے لیے بڑھایا۔

Marfat.com

آزمایا۔

ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی۔ اب مسلمانوں کو انگریز ایک ساتھ ہندو کی منافقت اور غلبے کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ جب ہندو نے اکٹھے رہنے کی تمام راہیں مسدود کر دیں تو مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ اور آخر 14 اگست 1947ء کو الگ وطن حاصل کر کے انگریز سے آزادی اور ہندو سے نجات حاصل کر لی۔

19۔ قانون حکومت ہند 1858ء:

یکم نومبر 1858ء کو ملکہ وکٹوریہ (Queen Victoria) نے ایک اعلان شائع کیا جس میں دیسی فرمانرواؤں کے ساتھ کمپنی کے تمام معاہدوں کی تصدیق کی گئی۔ مذہبی رواداری و آزادی قائم رکھنے کا اقرار کیا گیا۔ ہندوستانیوں کو اطمینان دلایا گیا کہ انھیں حکومت کے کام میں بلا تمیز مذہب وملت حصہ دیا جائے گا۔ قانون حکومت ہند 1858ء کمپنی کی حکومت ختم کر دی گئی اور برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کو وزیر امور ہند بنا دیا گیا اور اس کی مدد کے لیے پندرہ ممبروں کی انڈیا کونسل بنائی گئی۔

20 انگریز زبان کے ساتھ دیسی زبانوں کی اہمیت:۔

انگریز نے ہندوستانی معاشرت کو سمجھنے کے لیے انگریزی زبان کے علاوہ زبانوں کی تدریس کا اہتمام بھی کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے دو یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔

اس جنگ کا نتیجہ دہلی میں مغل دربار اور کمپنی کے اختیارات اور فرائض کے خاتمے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ دہلی سے انگریز فوج کو بے انداز مال غنیمت ملا جس سے سپاہی حواس باختہ حرکات پر اُتر آئے اور دہلی میں مہینوں تک حشر کی کیفیت جاری رہی۔ آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کو مجرم قرار دے کر رنگون جلا وطن کر دیا گیا۔ بڑے بڑے مسلم سیاسی رہنماؤں، ممتاز مسلمان امراء کو ذلیل وخوار کیا گیا اور 24 مغل شہزادوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ مسلمانوں کو ''جنگ آزادی'' میں ان کے حصے سے کہیں زیادہ وحشیانہ انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔ سر سید احمد خان رسالہ بغاوت ہند میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"غدر میں کیا ہوا۔ ہندوؤں نے شروع کیا۔ مسلمان دل جلے تھے، وہ بیچ میں کود پڑے، ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہو گئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔"

جنگ آزادی میں حریت پسندوں کی ناکامی:

جنگ آزادی ہندوستانیوں کی طرف انگریزی جوا اتارنے کی بھرپور کوشش تھی لیکن اپنوں کی غداری تنظیم و اتحاد کے فقدان، عدم اعتماد کی فضا اور انگریز کی شاطرانہ چالوں سے کامیابی ممکن نہ ہوئی اور نوے سال کے لیے مزید ہندوستان انگریز کے زیر اقتدار چلا گیا۔

اس کی ناکامی کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

1۔ قبل از وقت آغاز۔
2۔ وسائل کی کمی۔
3۔ مرکزی قیادت کی نااہلی۔
4۔ زوال پذیر معاشرہ۔
5۔ اچھے جرنیلوں کی کمی۔
6۔ اتحاد و تنظیم کی کمی۔
7۔ عدم اعتماد کی فضا۔
8۔ سکھ فوج۔
9۔ وفادار ہندوستانی۔
10۔ شمالی ہند میدان جنگ بنا۔
11۔ باہمی رابطہ کا فقدان۔
12۔ والیان ریاست کا عدم تعاون۔
13۔ غیر ملکی امداد سے محرومی۔
14۔ جنگ کریمیا کا خاتمہ۔
15۔ انگریز فوج کی بہتر تنظیم۔
16۔ مفسد عناصر کی بدنظمی۔
17۔ شیخ الاسلام ترکی کا فتویٰ۔

Marfat.com

18۔ غداروں کی وطن دشمنی۔

1۔قبل از وقت آغاز:

جنگ آزادی کے آغاز کی 31 مئی 1857ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔عوامی تائید حاصل کرنے کے لیے آزادی پسند فقیروں اور جوگیوں کے بھیس میں ملک کے گوشے گوشے میں سفر کر رہے تھے۔بنگال میں سُرخ کنول کا پھول انقلاب کی علامت تھا اور دہلی، میرٹھ اور کرنال کے علاقوں میں چپاتی کی تقسیم تحریک کا نشان تھا جس کے ذریعے سے عوام کو انقلاب کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔لیکن چربی والے کارتوسوں کے واقعے نے دیسی سپاہیوں کو بے قابو کر دیا اور جنگ آزادی کا مقررہ پروگرام سے پہلے آغاز ہو گیا۔اگر پورے ہندوستان میں منصوبے کے تحت جنگ کا آغاز ہوتا تو انگریز کے لیے سنبھلنا مشکل ہو جاتا اور مٹھی بھر انگریز فوج دیسی سپاہیوں کے نرغے میں پھنس کر موت کے گھاٹ اُتر جاتی۔

2۔وسائل کی کمی:

جنگ آزادی کی بنیادی وجہ ہندوستانی فوج کے وسائل کی کمی تھی۔حریت پسندوں کے پاس کھانے پینے کا سامان موجود نہیں تھا۔مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے پاس فوج کو تنخواہ دینے کے لیے پیسا نہیں تھا۔وسائل کی کمی کی وجہ سے دیسی فوج کی تنظیم قائم نہ رہ سکی۔

3۔مرکزی قیادت کی نااہلی:

بہادر شاہ ظفر نوے سال کا ضعیف و ناتواں تھا۔اس جنگ کے لیے جس جوش و خروش، جواں ہمت اور تجربہ کار سپہ سالار کی ضرورت تھی اس مغل بادشاہ میں مفقود تھی۔
بہادر شاہ ظفر نے مغل شہزادے مرزا مغل کو دہلی فوج کا سپہ سالار بنایا۔یہ بھی ناتجربہ کار نوجوان تھا۔روہیل کھنڈ سے بخت خاں چودہ ہزار فوج لے کر دہلی پہنچا لیکن بخت خان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے اسے بھی ناکام بنا دیا گیا۔

4۔زوال پذیر معاشرہ:

ابن خلدون کا کہنا درست ہے کہ سلطنت اپنی طبعی عمر پوری کر کے دم توڑ دیتی

Marfat.com

ہے۔ سلطنت مغلیہ بھی اپنی عمر کی آخری سانس لے رہی تھی اور معاشرہ بھی زوال پذیر ہو چکا تھا۔ مغلوں کی اولاد آرام طلب اور عیش کوش ہو چکی تھی۔ ملک میں جاسوسوں اور غداروں کی کمی نہ تھی۔ اس طرح کوئی بھی اپنے قدم پر کھڑا ہونے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ اسی قومی کردار کی پستی نے ہندوستانیوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔

5۔ اچھے جرنیلوں کی کمی:۔

جنگ آزادی کا قائد ضعیف العمر مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھا۔ دہلی میں دیسی فوجوں کا سپہ سالار مغل مرزا تھا۔ جو نا تجربہ کار اور ضدی تھا۔ نانا صاحب عوام میں نامقبول ہونے کی وجہ سے تانتیا توپی جیسا بہادر جرنیل بھی عوامی تائید حاصل نہ کر سکا۔ بخت خاں اور احمد شاہ اچھے جرنیل تھے لیکن مغل مرزا اور حضرت محل نے انھیں بھرپور کام کرنے کا موقع نہ دیا۔ جب کہ انگریزی فوج میں نکلسن، ہولاک، کیمل اور ہیوروز جیسے تجربہ کار جرنیل موجود تھے جنھوں نے اعلیٰ قیادت اور موزوں منصوبہ بندی کے ذریعے دیسی جرنیلوں پر اپنی بالادستی قائم رکھی۔

6۔ اتحاد و تنظیم کی کمی:

دیسی فوجیں مختلف جرنیلوں کے ماتحت برسرپیکار تھیں۔ ان کا مرکزی قیادت سے کوئی رابطہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مرزا مغل نے دہلی میں بخت خاں کی کوششیں ناکام بنا دیں۔ لکھنؤ میں ملکہ حضرت محل نے احمد اللہ شاہ کو ناکام بنا دیا۔ اس طرح جنگ آزادی اتحاد و تنظیم کی کمی کی وجہ سے انتشار کی نظر ہوگئی۔

ہندوستانی حریت پسندوں نے انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے بجائے الگ الگ جنگی محاذ کھولے۔ ان محاذوں میں باہمی رابطہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے قلیل فوج ہونے کے باوجود باری باری مختلف محاذوں پر فتح حاصل کی اور 1858ء کے وسط تک انقلاب کا زور ٹوٹ گیا۔

7۔ عدم اعتماد کی فضا:

جنگ آزادی میں لڑائی کے محاذوں پر ایک دوسرے سے رابطے کے بجائے

Marfat.com

ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ نانا صاحب اور تانتیا توپی جانتے تھے کہ وہ مغلیہ خاندان کے اقتدار کو بحال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مغلیہ خاندان اور مرہٹوں کے تعلقات ماضی میں خوشگوار نہیں رہے تھے۔ اس طرح انگریز نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے شک وشبہات کو عام کرنے کی کوشش کی اور وہ عدم اعتماد کی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

8۔ سکھ فوج:

1849ء میں انگریزوں نے پنجاب کو فتح کر کے سکھوں کو آزادی سے محروم کر دیا تھا لیکن جنگ آزادی میں ان کا انگریزوں کے خلاف جذبہ انتقام بیدار نہ ہوا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات کو بھڑکا دیا۔

سکھ دہلی پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑے۔ سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ دہلی کو روندنے کے بعد وہ انگریزوں کی قیادت میں لکھنؤ کی طرف بڑھے اور اسے بھی آزادی سے محروم کر دیا۔

9۔ وفادار ہندوستانی:

انگریزی اقتدار کے دور کے جاگیردار، نواب اور سرمایہ دار انگریزوں کے وفادار رہے۔ کیوں کہ ان لوگوں کے مفادات انگریزی اقتدار سے وابستہ تھے اس لیے وہ کسی قیمت پر ان کو ہندوستان سے چلتا کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان لوگوں نے ذاتی مفادات کی خاطر ملک وقوم کو داؤ پر لگا دیا اور ان کی غداریوں کی وجہ سے تحریک آزادی ناکام ہو گئی۔

10۔ شمالی ہند میدان جنگ بنا:

جنگ آزادی شمالی ہندوستان تک محدود رہی اور اس کی حیثیت ملک گیر نہ ہو سکی۔ انگریز نے شمالی ہند کے بڑے بڑے شہروں کو روند کر ہندوستان کی کمر توڑ دی۔ اگر جنگ آزادی پورے ہندوستان تک پھیلا دی جاتی تو انگریز کے لیے اتنا بڑا محاذ سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

Marfat.com

11۔ باہمی رابطے کا فقدان:

جنگ آزادی کے اہم مراکز دہلی، لکھنؤ، بریلی، کان پور اور جھانسی تھے۔ ان مراکز کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔ جنگ آزادی کی لہر لاہور، فیروز پور، جالندھر، جہلم، سیالکوٹ، پشاور، نوشہرہ، حیدر آباد، شکار پور، ڈھاکا اور چاٹگانگ تک پہنچی لیکن رابطہ اور تنظیم نہ ہونے کے باعث انھیں غیر مسلح کر کے سخت سزائیں دی گئیں۔ انگریزوں کو باہمی رابطے کے فقدان کی وجہ سے بڑا فائدہ ہوا اور انھوں نے تحریک آزادی کو بالکل کچل کر رکھ دیا۔

12۔ والیان ریاست کا عدم تعاون:

سب سڈی ایری سسٹم اور اصول الحاق نے والیان ریاست کے ہاتھ باندھ دیئے۔ ریاستوں کی دیسی فوج برخاست کر کے انگریزی فوج تعینات کی گئی تھی۔ اس طرح وہ جنگ آزادی میں حریت پسندوں کی کوئی اقتصادی اور فوجی مدد نہ کر سکے۔ بل کہ بعض انگریز کے وفادار رہے اور ہر طریقے سے انگریزوں کی مدد کی۔ چناں چہ نظام دکن اور مرہٹہ سردار انگریز کے وفادار رہے۔

13۔ غیر ملکی امداد سے محرومی:

شمالی ہندوستان سے جنگ آزادی کی خبریں پورے ہندوستان میں اس وقت عام ہوئیں جب انگریز کئی اہم مراکز پر قبضہ کر چکے تھے۔ حریت پسندوں کا انگریز نے بیرونی دنیا سے رابطہ ہی نہ ہونے دیا۔ اس طرح ہندوستانی دنیا کے آزادی پسند عوام کی اخلاقی حمایت حاصل نہ کر سکے۔

ہندوستان کے عوام کو دوست محمد خاں والئی کابل سے امداد کی توقع تھی لیکن اس نے انگریز سے بگاڑ مناسب نہ سمجھا۔

14۔ جنگ کریمیا کا خاتمہ:

جنگ کریمیا کے طول پکڑنے کا قوی امکان تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ روس اتحادی انگریز اور ترکوں کو شکست دے دے لیکن ہندوستانیوں کے اندازے غلط نکلے۔

Marfat.com

جنگ کریمیا توقع سے پہلے ختم ہو گئی اور اس کے مقابلے میں ترک اور ان کے اتحادی انگریز فتح یاب ہوئے۔

آزادی پسندوں نے اپنی جدو جہد کا آغاز اس وقت کیا جب انگریز کی الغر فوج جنگ کریمیا میں شرکت کے لیے یورپ جا چکی تھی۔ لیکن 1856ء کے آخر تک یہ جنگ ختم ہو گئی۔ جنگ آزادی شروع ہونے ہی انگریز فوج ہندوستان پہنچنا شروع ہوئی جنگ کریمیا کی فتح نے ان کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ وہ اس جوش و جذبے سے ریت پسندوں پر ٹوٹ پڑے اور انقلابیوں کو کچل کے رکھ دیا۔

15۔ انگریز فوج کی بہتر تنظیم:

انگریز فوج دیسی سپاہیوں کی نسبت بہتر تربیت یافتہ تھی۔ وہ با قاعدہ فوج تھی اور اس کے پاس جدید اسلحہ تھا۔ جب کہ دیسی سپاہی اور عوام ایک جذبے کے تحت اٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس فرسودہ قسم کے ہتھیار تھے۔ اسی وجہ سے انگریز نے انقلاب پر جلد ہی قابو پا لیا۔

16۔ مفسد عناصر کی بدنظمی:

جنگ آزادی میں بہت سے مفسدوں نے آزادی پسندوں کی صفوں میں شامل ہو کر بے گناہوں کے قتل و غارت اور ناجائز لوٹ کھسوٹ سے عوام کو تحریک سے بدظن کر دیا جس کی وجہ سے عوام نے دیسی فوج کی حمایت اور پشت پناہی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس طرح حریت پسندوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

17۔ شیخ الاسلام ترکی کا فتویٰ:

جنگ کریمیا میں روس کے خلاف انگریز ترکوں کا اتحادی تھا۔ اس لیے انگریز نے سلطان ترکی سے درخواست کی کہ شیخ الاسلام سے ان کے حق میں فتویٰ دے۔

اس وقت ترکی کا خلیفہ، خلیفۃ المسلمین تھا۔ اسے ہندوستان کے مسلمان بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ترکی کے شیخ الاسلام نے یہ فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے خلاف لڑنا جہاد نہیں۔ اس فتویٰ سے بہت سے سادہ لوح مسلمان جنگ آزادی سے الگ ہو گئے۔

Marfat.com

18۔ غداروں کی وطن دشمنی:

جنگ آزادی میں انگریزوں کو ضمیر فروش اور وطن دشمن غدار ہاتھ لگ گئے جن کی خدمات کے صلے میں ہندوستانیوں کو جنگ آزادی میں شکست ہوئی۔ دہلی میں مرزا الٰہی بخش، مولوی رجب علی اور حکیم احسن اللہ خاں نے انگریزوں کو پل پل کی خبریں پہنچائیں اور تحریک آزادی کو ناکام بنادیا۔

قانون حکومت ہند 1858ء

جنگ آزادی کے دوران میں جنگ کی تمام تر ذمہ داری کمپنی پر ڈالی جارہی تھی جنگ ختم ہوتے ہی اس پر تنقید شروع ہوگئی کہ برعظیم (Subcontinent) جیسے وسیع ملک پر ایک تجارتی کمپنی حکومت کررہی ہے۔ کمپنی کی حکومت لوگوں کی منتخب کردہ ہے اور نہ تاج برطانیا کی مقرر کردہ ہے۔ اس طرح پارلیمنٹ باز پرس کرسکتی ہے اور نہ وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ چناں چہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر کے برعظیم کی حکومت براہ راست تاج برطانیا کے تحت دینے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

کمپنی نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور برعظیم کی فتح کو اپنا کارنامہ قرار دیا۔ کمپنی کی مخالفت کے باوجود حکومت برطانیا نے ہندوستان پر کمپنی کی حکومت ختم کرنے کا ایک بل پارلیمنٹ میں پیش کردیا یہ بل پاس ہوکر قانون حکومت ہند 1858ء کہلایا۔

قانون حکومت ہند اگست 1858ء میں پاس ہوا اس کی اہم دفعات حسب ذیل ہیں۔ قانون حکومت ہند 1858ء کی رو سے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ بورڈ آف کنٹرول اور ڈائریکٹروں کے بورڈ منسوخ کر کے ان کی جگہ وزیر ہند کا عہدہ قائم کیا گیا اور وزیر ہند کی امداد کے لیے پندرہ ممبروں کی کونسل قائم ہوئی۔ گورنر جنرل کو وائسرائے ہند کا عہدہ عطا کیا گیا اور لارڈ کیننگ (Lord Canning) پہلے وائسرائے مقرر ہوئے۔

1۔ کمپنی کی حکومت کا خاتمہ۔

2۔ وائسرائے کا تقرر اور اختیارات۔

3۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کا تقرر۔

Marfat.com

4۔ انڈیا کونسل۔

5۔ انڈیا کونسل کے اختیارات۔

6۔ سول سروس کا قیام۔

7۔ سرکاری اخراجات۔

8۔ قانون ہند۔

1۔ کمپنی کی حکومت:

قانون حکومت ہند 1858ء کے تحت 1858ء میں کمپنی کی حکومت ختم کردی گئی اور ہندوستان براہ راست تاج برطانیا کے ماتحت چلا گیا۔ تاج برطانیا کی طرف سے ہندوستان میں اختیارات کا استعمال وائسرائے کرے گا۔ کمپنی کے آخری گورنر جنرل لارڈ کیننگ وائسرائے ہند کا عہدہ دیا گیا۔ اس طرح وہ تاج برطانیا کا ہندوستان میں پہلا وائسرائے مقرر ہوا

2۔ وائسرائے کا تقرر اور اختیارات:

وائسرائے کا تقرر تاج برطانیا کی طرف سے ہوگا۔ وائسرائے کو حکومت کے مختلف محکمے وائسرائے انتظامیہ کونسل کے ممبروں کی نگرانی میں دینے کا اختیار دیا گیا۔ وائسرائے کو اپنی مجلس قانون ساز میں کم از کم چھے اور زیادہ سے زیادہ بارہ ممبروں کو مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا اور ان ممبروں میں نصف کا غیر سرکاری ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

3۔ سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا:

کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول اور کورٹ آف دائریکٹرز کو توڑ کر ان کے اختیارات سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اور اس کی کونسل کو دے دیئے گئے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر امور ہند اور انڈیا کونسل کو با اختیار کر کے تاج برطانیا اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گیا۔

4 انڈیا کونسل:۔

وزیر امور ہند پارلیمنٹ کا رکن ہوگا۔ اس کی مدد کے لیے پندرہ ممبروں کی

Marfat.com

انڈیا کونسل بنائی گئی۔ ان پندرہ ممبروں میں آٹھ کا تقرر تاج برطانیا کرے گا اور باقی سات کا انتخاب کورٹ آف ڈائریکٹرز کریں گے۔ انڈیا کونسل کے نصف سے زیادہ ممبروں کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ دس سال تک ہندوستان میں رہے ہوں اور ہندوستان چھوڑے دس سال سے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔ گویا وہ ہندوستان کے اقتصادی، سیاسی اور مذہبی حالات سے خوب واقف ہوں اور ان کے پیش نظر ہی ہندوستان کے اہم فیصلے کیے جا سکیں۔

5 انڈیا کونسل کے اختیارات:-

انڈیا کونسل کا اجلاس ہفتے میں دو بار ہو گا۔ جس کی صدارت وزیر امور ہند کرے گا۔ وزیر ہند کو کونسل کے آخری فیصلے ویٹو کرنے کا اختیار ہو گا اور وائسرائے انڈیا کونسل کو اعتماد میں لیے بغیر بھی احکامات صادر کر سکے گا۔

وائسرائے اور مختلف محکموں کے ڈائریکٹرز کا تقرر تاج برطانیا کی طرف سے ہو گا البتہ لیفٹیننٹ گورنرز کا تقرر وائسرائے کرے گا لیکن اس کی توثیق تاج برطانیا سے کرانی ہو گی۔

6 سول سروس کا قیام:-

ہندوستان میں اعلیٰ ملازمتوں کے لیے مقابلے کے امتحانات ہوں گے۔ ان امتحانات کے انعقاد کے لیے سول سروس کمیشن کا تقرر کیا گیا۔

7 سرکاری اخراجات:-

وزیر امور ہند اور اس کی کونسل کے پندرہ ارکان ہندوستان کے خزانے سے تنخواہیں لیں گے۔ ہندوستان کے خزانے کو دفاع اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے گا۔ شدید ہنگامی صورت میں اگر ہندوستانی خزانے کو برعظیم سے باہر خرچ کیا جانا ضروری ہوا تو اس کی منظوری برطانوی پارلیمنٹ سے لینا ہو گی۔

قانون ہند 1858ء کی مزید وضاحت ملکہ وکٹوریہ (Queen Victoria) کے اعلان نومبر 1858ء میں کی گئی۔

1۔ مقامی حکمرانوں اور شہزادوں سے کیے گئے کمپنی کے معاہدوں پر تاج برطانیا

Marfat.com

پابندی کرے گی۔ تاج برطانیا اپنے مقبوضات میں توسیع نہیں کرے گی۔

3۔ ملک میں امن وامان اور رعایا کی خوش حالی اور ترقی کے لیے کوشش کی جائے گی۔

4۔ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

5۔ ہندوستانی باشندوں کو مساوی قانونی حقوق حاصل ہوں گے۔

6۔ عوام کو بہ لحاظ قابلیت و تعلیم ملازمت کے یکساں مواقع دیئے جائیں گے۔

7۔ نئے قانون وضع کرتے وقت ہندوستان کے رسوم وروایات کا پاس کیا جائے گا۔

8۔ قانون ہند:

لارڈ کیننگ (Lord Canning) 1858ء سے 1862 تک ہندوستان کا وائسرائے رہا۔ اس کے دور میں ہندوستان کے لیے دو قانون وضع ہوئے۔

(1) قانون ہند 1858ء

(2) انڈین کونسل ایکٹ 1861ء

ملکہ وکٹوریہ نے اپنے شاہی فرمان میں ہندوستانیوں کو یہ مژدہ سنایا تھا کہ آئندہ نئے قانون کا نفاذ کرتے وقت ہندوستان کے رسوم وروایات کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے بعد ملک میں سیاسی اصلاحات کے مطالبے کا آغاز ہوا۔ ہندوستانیوں کے مطالبے کے پیش نظر حکومت برطانیا ہندوستان کو مجلس قانون ساز میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے تعاون کی پالیسی (Policy Associting) کا نام دیا گیا۔ تعاون کی پالیسی کو عمل جامہ پہنانے کے لیے انڈین کونسل ایکٹ (Indians Council Act) بنا جو اگست 1861ء میں نافذ ہوا۔

"Let us hear what a few Indians of our own chossing have to say about our laws, and so a few Indians were admitted in to the Legislative Councils with the Express purpose of Voicing Indian Opinion" (A History of Indian P.375)

Marfat.com

انڈین کونسل ایکٹ 1861ء کی رو سے ہندوستانیوں کو پہلی بار قانون سازی کے کام میں شریک کیا گیا۔ اس طرح ہندوستانیوں کا تعاون حاصل کر کے برطانوی حکومت نے اپنے مختلف اقدامات کے بارے مقامی لوگوں کے ردعمل سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

کونسلوں میں ہندوستانی ریٹائرڈ اعلیٰ افسر، ریاستوں کے نواب، شہزادوں اور یا ان کے وزیروں کو نامزد کیا جاتا تھا۔ یہ ہندوستانی عوام کے نمائندگی کرنے سے اس لیے قاصر رہتے تھے کہ ان کا تعلق عوام سے نہیں بلکہ خواص سے ہوتا تھا۔

گورنر جنرل اور گورنروں کے وسیع اختیارات کی وجہ سے قانون ساز کونسلیں اپنی مرضی سے قانون سازی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس طرح قانون ساز کونسلیں صرف گورنر جنرل کے احکامات کی توثیق کرنے والے ادارے بن کر رہ گئے۔ تاہم اس سے ہندوستانیوں کو اقتدار میں شریک کرنے کی ابتداء ہوئی۔ انڈین کونسل ایکٹ 1861ء کو برعظیم میں قانون کے ارتقائی مراحل میں سنگ میل کی حیثیت حاصل تھی۔

انڈین کونسل ایکٹ 1861ء کے اہم پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) گورنر کونسل

(2) گورنر جنرل کے اختیارات

(3) گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل۔

(4) بمبئی اور مدراس کی قانون ساز کونسلیں۔

1۔ گورنر جنرل کونسل:

گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کی تعداد چار سے بڑھا کر پانچ کر دی گئی۔ گورنر جنرل کو انتظامی کونسل کا ایک صدر مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ یہ صدر گورنر جنرل کی عدم موجودگی میں کونسل کے اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔

2۔ گورنر جنرل کے اختیارات:

وائسرائے گورنر جنرل ہوتا تھا۔ یہ مرکزی حکومت کا سربراہ تھا۔ اس کے ماتحت ہندوستان کے مالیات، مواصلات، اور مذہبی امور کے محکمے تھے۔ گورنر جنرل انتظامی کونسل کے ارکان میں شعبہ جات کی تقسیم کرتا تھا۔

Marfat.com

گورنر جنرل کو نئے صوبے بنانے، صوبوں کی حدود میں تبدیلی کرنے اور لیفٹیننٹ گورنر کے تقرر کا اختیار تھا۔

3۔ گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل:

گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل میں انتظامی کونسل کے ممبروں میں چھے سے بارہ ارکان شامل کرنے کا اختیار گورنر جنرل کو حاصل تھا۔ جن میں سے نصف کا غیر سرکاری ہونا ضروری تھا۔ یہ نامزدگی دو سال کے لیے ہوتی تھی اور قانون ساز کونسل کا ادارہ اختیار قانون سازی تک محدود تھا۔

............☆☆............

Marfat.com

دسواں باب

برعظیم کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری

تعلیم کے بغیر کوئی بھی قوم نہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ترقی کی منازل طے کر سکتی ہے۔ قوم کے چند درد دل رکھنے والے رہنماؤں نے مسلمانوں کے زوال کی جو تشخیص کی اُس میں تعلیم کی کمی کو سرفہرست قرار دیا گیا۔ چند اہم اداروں کی کارکردگی یہاں دی جاتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند:

جنگ آزادی کے بعد انگریز نے مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے عیسائیت کی تبلیغ زور شور سے شروع کر دی۔ اس نے مسلمانوں کے نظریاتی اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ ان کے رسوم ورواج اور مذہبی رہنماؤں کو ہدف تنقید بنایا۔

انگریز نے جو تعلیمی ادارے قائم کیے ان میں بھی عیسائیت کی تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مغربی تعلیم سے دہریت اور الحاد میں اضافہ ہونے لگا اور آزاد خیالی سے مذہب کی عزت وتکریم میں فرق آنے لگا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ برعظیم کے مسلمان اپنے دین کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کریں۔

اس موقع پر مسلمان رہنما دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ اب مغربی تعلیم ہی مسلمان کی محرومی وزبوں حالی کا علاج ہے، مسلمان ایسے ادارے خود قائم کریں۔ جنگ آزادی کے نتیجے میں مسلمان معاشی واقتصادی طور پر پس کر رہ گئے تھے۔ اور ان میں اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی سکت نہیں تھی۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ اسلام سے دوری نے مسلمانوں کو یہ دن دکھائے ہیں۔ جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کی اسلامی روایات اور دینی تعلیم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے دینی علوم کی اشاعت ضروری ہے۔

Marfat.com

پروفیسر مولوی مملوک علی دہلی کالج میں پڑھاتے تھے۔ ان کے نامور شاگردوں میں سرسید احمد خاں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ سرسید احمد خاں نے پہلے گروہ کے نظریات کو عملی شکل دینے کی کوشش کی اور انھوں نے مسلمانوں کو مغربی اور جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے ایم اے او ہائی سکول علی گڑھ کی بنیاد 1875ء میں رکھی۔ جب کہ دوسرے گروہ کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مولانا محمد قاسم نانوتوی میدان عمل میں آئے اور مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے پیراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

مسلمانوں کو مذہبی اور اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے اور عیسائیت کی یلغار کو روکنے کے لیے ایک دارالعلوم کی بنیاد مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد مولوی فضل الرحمان اور شیخ الہند محمود حسن کے والد مولوی ذوالفقار علی نے صوبہ یوپی کے ضلع سہارن پور کے قصبہ دیوبند کی چھتہ والی مسجد میں 30 مئی 1867ء کو رکھی۔ دارالعلوم کے پہلے مہتمم حاجی عابد حسین اور پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب تھے۔

مولانا محمد یعقوب سرکاری ملازمت میں ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر آف سکولز تھے اور وہاں وہ 125 روپے تنخواہ پاتے تھے، اپنے عہدے کو خیرباد کہ کر 25 روپے پر دیوبند چلے آئے۔ آپ محکمہ تعلیم کے نظام اور طریقہ کار سے بخوبی واقف تھے چناں چہ اس مدرسے کی توسیع میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔

مدرسے کی ابتدا ایک شاگرد مولانا محمود حسن اور ایک مدرس مولوی محمد محمود سے ہوئی۔ لیکن سال کے آخر تک طلبہ کی تعداد 78 تک پہنچ گئی جن میں سے 58 طلبہ دور دراز افغانستان، پنجاب اور بنارس وغیرہ سے آئے تھے۔ اساتذہ کی تعداد بھی 5 ہو گئی۔ طلبہ میں متواتر اضافے کی وجہ سے مسجد چھتہ والی ناکافی محسوس ہونے لگی۔ اس پر چھتہ بازار کے قریب ایک وسیع اراضی خرید کر دس سال بعد 1876ء میں دارالتفسیر کی تعمیر کی گئی۔ آج اس میں تیس کمرے، آٹھ ہوسٹل اور چار سو حجرے اور مطالعے کے لیے ایک عظیم الشان لائبریری ہے۔ اس وقت دارالعلوم میں ایک ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جن میں سے چار سو طلبہ اقامتی ہیں۔

مدرسے کا نظام چلانے کے چار عہدے مقرر ہیں۔

(1) سرپرست۔
(2) مہتمم

Marfat.com

(3) صدر مدرس
(4) مفتی

1۔ سرپرست:

سرپرست مدرسے کا نگران اعلیٰ ہوتا ہے جس کی سرپرستی میں مدرسے کے تمام شعبے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

2۔ مہتمم:

مدرسے کا مہتمم مدرسے کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی نگرانی میں ہوسٹل اور مدرسے کے انتظامی و مالی امور طے پاتے ہیں۔

3۔ صدر مدرس:

صدر مدرس کے ذمے تدریسی امور ہوتے ہیں۔ صدر مدرس دار العلوم سے الحاقی مدارس کے نصاب، امتحانات اور کارگزاری کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ برعظیم کے ایک ہزار مدرسے اس دار العلوم کے الحاقی ادارے ہیں جو امتحانات، نصاب اور تدریس میں اس سے راہنمائی لیتے ہیں۔ جامعہ ملیہ نواکھلی اور قاسم العلوم مراد آباد جیسے عظیم ادارے بھی اس سے الحاق رکھتے ہیں اور ان کا امتحان بھی اسی کی نگرانی میں ہوتا ہے۔

4۔ مفتی:

دار العلوم کے فتووں کی برعظیم میں خصوصی اہمیت ہے۔ اس شعبے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے ہر سال تقریباً آٹھ ہزار فتوے جاری ہوتے ہیں۔

دار العلوم کے لیے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جن کی سرپرستی میں دار العلوم کو ہمہ گیر شہرت ملی۔ آپ نے شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے فیض پایا۔ حدیث شاہ عبدالغنی سے پڑھی اور روحانی تربیت حاجی امداد اللہ سے حاصل کی تھی۔ آپ دار العلوم کے روح رواں تھے اور آپ نے عیسائی مشنریوں اور آریا سماج کے اسلام پر رکیک حملوں کا منہ توڑ جواب بھی دیا۔ آپ نے دار العلوم کے لیے صرف ان لوگوں کا چندہ قبول کیا جن کا چندہ دینے کا مقصد حصول شہرت نہ تھا۔ آپ حکومت اور امرا کے چندے کو ادارے کے لیے مضرت رساں سمجھتے تھے۔ 1880ء میں آپ کا انتقال ہوا اور رشید احمد گنگوہی اس

Marfat.com

ادارے کے سرپرست مقرر ہوئے۔ رشید احمد گنگوہی تقوے، ایثار اور خلوص میں
مثل تھے۔ ان کے بعد مولانا محمد یعقوب نانوتوی سرپرست بنے۔ 1888ء
1930ء تک شیخ الہند مولانا محمود حسن دارالعلوم کے سرپرست بنے اور وہ صدر مدرس کے
فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران میں مدرسے کا شمار دنیائے اسلام کے صف
اول کے چار بڑے دارالعلوم میں ہونے لگا۔ 1912ء میں مصر کے مشہور عالم سید رشید
رضا ندوۃ العلما کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لیے ہندوستان آئے تو آپ دیو بند بھی
تشریف لے گئے اور اس کے بارے میں فرمایا کہ "اگر میں دارالعلوم دیو بند کو نہ دیکھتا
ہندوستان سے مایوس لوٹتا، دارالعلوم واقعی ایک عظیم درس گاہ ہے"۔ مولانا محمود حسن کے
دور میں علی گڑھ کالج اور دارالعلوم دیو بند کی کشیدگی دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ فیصلہ ہوا
کہ دارالعلوم دیو بند کے فارغ طلبہ علی گڑھ سے جدید علوم کا استفادہ کریں گے اور علی گڑھ
کالج کے فارغ التحصیل طلبہ دارالعلوم دیو بند سے اسلامی علوم کا فائدہ اٹھائیں گے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن تحریک ریشمی رومال کے روح رواں تھے جس کی
پاداش میں آپ کو گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ اسی نسبت سے آپ کو اسیر مالٹا
کہتے ہیں۔ وہاں آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ آپ کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی
دارالعلوم کے سرپرست مقرر ہوئے۔ ان کے زہد و تقویٰ، راست گوئی اور اخلاص کی
مخالف بھی تعریف کرتے ہیں۔

دیو بندی علماء کی اکثریت انڈین نیشنل کانگریس کے ہم خیال تھی۔ ان کی
جماعت جمیت العلمائے ہند نے تحریک پاکستان میں کانگریس کی ہم نوائی کی۔ مولانا
اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیو بند کے پہلے سرپرست تھے جنہوں نے علمائے دیو بند کے
برعکس مسلم لیگ کی حمایت کی۔ آپ کے نامور شاگردوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی
محمد شفیع نے جمیعت العلمائے ہند کے مقابلے میں جمیعت العلمائے اسلام قائم کی اور
تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کی
کوششوں سے 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی جو پاکستان کے دساتیر میں رہنما
اصول مہیا کرتی ہے۔

بعد میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے محمد احمد نانوتوی سرپرست
بنے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے قاری محمد طیب کو دارالعلوم کی خدمات سرانجام

Marfat.com

ینے کا شرف حاصل ہوا۔ دار العلوم دیو بند کے نامور اساتذہ میں مولانا محمد انور شاہ
کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی بڑی شہرت رکھتے ہیں۔
دیو بند کے فارغ التحصیل علماء میں مولانا محمود حسن اسیر مالٹا ترجمہ محمود حسن
مولانا اشرف تھانوی مفسر بیان القرآن'' مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا عبدالحق صاحب
تفسیر حقانی، امام انقلاب عبید اللہ سندھی، مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت، مولانا حسین
احمد مدنی۔
مولانا احمد علی لاہوری ''تفسیر احمد علی لاہوری'' مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا
محمد شفیع مفسر'' معارف القرآن'' مولانا محمد یوسف بنوری،
مولانا محمد ادریس کاندھلوی مفسر'' معارف القرآن'' مولانا ثناء اللہ امرتسری،
مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالقادر
رائے پوری، مفتی محمد حسن، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا غلام اللہ
مفسر جو ہر القرآن اور مولانا مفتی محمود کے اسما گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان
بزرگوں نے برعظیم کی مذہبی اور سیاسی تاریخ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔
دار العلوم دیو بند نے گذشتہ سو سال میں تقریباً سترہ ہزار خطیب، مبلغ مصنف،
صحافی اور اہل علم پیدا کیے ہے۔ جنھوں نے برعظیم میں ہی نہیں بل کہ بدخشاں، ترکستان،
آسام، برما، لنکا، ایران اور دیگر کئی ممالک کے مسلمانوں کے تہذیب وتمدن، دینی اقدار و
روایات اور اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ دار العلوم دیو
بند کے فارغ التحصیل علماء نے برعظیم سے دین اسلام کے چشمے کو خشک ہونے سے بچایا۔
ان خدمات کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ یہ دار العلوم پاک و ہند کے مسلمانوں کو
الگ تشخص دینے میں کامیاب رہا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی شناخت کا باعث بنا۔

ندوۃ العلما:

جنگ آزادی کے بعد مسلم قوم کو سنبھالا دینے کے لیے مولانا مملوک علی کے دو
شاگرد سرسید احمد خاں اور محمد قاسم نانوتوی میدان عمل میں آئے۔ مسلم قوم کی شیرازہ بندی
کرکے اسے قومی تشخص دینے کے لیے سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج اور مولانا محمد قاسم
نانوتوی نے دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی۔ ان دونوں کی سوچ، طریقہ کار اور مقاصد میں بُعد

Marfat.com

المشرقین تھا۔ سرسید احمد خاں مسلمانوں کو مادی دوڑ میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی تنزلی کا دور اس وقت ختم ہوگا جب وہ جدید علوم سیکھ کر ہندوؤں کی ہمسری کرسکیں گے۔ مولانا قاسم نانوتوی مسلمانوں کی تنزلی کا اصل سبب دین سے دوری اور بیگانگی سمجھتے تھے اس لیے دینی تعلیم ہی ان کو بحیثیت قوم اپنے پاؤں پر کھڑی کرسکتی ہے۔

ان قدیم و جدید نظریات و افکار کے درمیان مسلم قوم معلق ہو کر رہ گئی تھی اس لیے یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ اعتدال کی راہ اختیار کی جائے جس میں قدیم و جدید تعلیم کا حسین امتزاج ہو۔

مقاصد:

مسلمان رہنماؤں میں سے کچھ لوگ اس کمی کو شدت سے محسوس کرتے تھے کہ علی گڑھ میں جدید مغربی علوم کی تعلیم تو دی جاتی ہے لیکن اسلامی علوم برائے نام ہیں اور اسی طرح دارالعلوم دیوبند میں دینی علوم تو پڑھائے جاتے ہیں لیکن جدید علوم کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو بیک وقت مغربی علوم اور دینی علوم سے بہرہ مند ہونے کی ضرورت ہے چناں چہ 1892ء میں مدرسہ فیض عام کان پور کے اجلاس میں طے پایا کہ علما کی ایک مستقل انجمن ہونی چاہیے جو مسلمانوں کی راہنمائی کرسکے۔ لہٰذا اس جذبے کے تحت 1892ء میں ''ندوۃ العلماء'' کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔

1۔ قدیم جدید نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔
2۔ نصاب تعلیم کی اصلاح۔
3۔ مسلمانوں کی عمومی بہتری کا سامان کرنا۔
4۔ طبقہ علماء میں خود اعتمادی پیدا کرنا۔
5۔ عظیم الشان دارالعلوم کا قیام۔
6۔ محکمہ افتاء کا قیام۔

1۔ قدیم و جدید نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنا:

علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند کی جدید اور قدیم خلیج پاٹنے اور درمیان کی راہ نکالنے کے لیے قدیم و جدید نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔

Marfat.com

2۔ نصاب تعلیم کی اصلاح:

نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم وفنون کی ترقی، تہذیب، اخلاق اور شائستگی اطوار۔

3۔ مسلمانوں کی عمومی بہتری کا سامان کرنا:

عام مسلمانوں کی فلاح و اصلاح کرنا لیکن سیاسی معاملات سے الگ تھلگ رہ کر۔

4۔ طبقہ علماء میں خود اعتمادی پیدا کرنا:

مسلمانوں کی رہنمائی ہمیشہ طبقہ علما نے کی ہے اس لیے انگریز نے مختلف ناموں سے بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اس ادارے کے ذریعے علماء میں خود اعتمادی پیدا کر کے انھیں پھر سے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے تیار کرنا۔

5۔ عظیم الشان دار العلوم کا قیام:

ایک عظیم الشان اسلامی دار العلوم کا قیام جس میں علوم وفنون اور عملی صنائع کی تعلیم بھی دی جائے۔

6۔ محکمہ افتا کا قیام:

محکمہ افتاء کے قیام کے ذریعے مسلمانوں کی راہنمائی کرنا۔

سنگ بنیاد:

ان اغراض و مقاصد کے پیش نظر 1892ء میں ندوۃ العلماء قائم کیا گیا۔ اس ادارے کے بانی اور ناظم اول مولوی محمد علی کان پوری تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اور عبدالحق صاحب تفسیر حقانی نے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ 1894ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں نواب محسن الملک نے ایک قرارداد ندوۃ کی حمایت میں پیش کی جس کی ڈاکٹر سید محمود نے تائید کی اور سرسید احمد خاں نے ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد سے اتفاق کیا۔ 1898ء میں ندوۃ کا دفتر لکھنؤ منتقل ہوا اور اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا جس میں ابتدائی کلاسوں کا اجرا کر دیا گیا۔ شاہ جہاں پور کے امراء نے ندوۃ کے لیے جائیداد وقف کی جس پر ایک عظیم الشان لائبریری کی بنیاد رکھی گئی۔

1904ء میں مولانا شبلی نعمانی حیدر آباد کی ملازمت ترک کر کے لکھنؤ چلے آئے۔ آپ کی سرپرستی میں ندوۃ شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ مولانا شبلی نعمانی کی

Marfat.com

کوششوں سے اس کی مالی حالت سنبھلنے لگی۔ امیر بہاول پور اور نواب بھوپال نے سالانہ چندہ مقرر کر دیا۔ سر آغا خاں نے اس کی ہر ممکن سر پرستی کی۔ حکومت نے اس ادارے کے لیے وسیع قطع اراضی اور بھاری گرانٹ کی منظوری دی۔ اس طرح نومبر 1908ء میں انگریز گورنر سر جان ہیوٹ (John Havett) نے ندوۃ کی شان دار عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ مولانا شبلی نعمانی کا دور ندوۃ العلماء کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد مولانا شبلی نعمانی اور ندوۃ کے دوسرے اراکین کے درمیان اختلاف کا آغاز ہو گیا جن کی وجہ سے آپ کو ندوۃ کے سیکرٹری کے عہدے سے الگ ہونا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود ندوۃ کے لیے آپ کی ہمدردیوں میں کمی واقع نہ ہوئی اور باہر رہ کر بھی اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین قائم کیا۔ آپ کے بعد مولانا عبدالحی، نواب حسین علی اور ڈاکٹر عبدالعلی ندوۃ کے ناظم بنے لیکن مولانا شبلی نعمانی کے عروج کا زمانہ پھر کبھی پلٹ کر نہ آیا۔

مولانا شبلی نعمانی اور سر سید احمد خان نظریاتی کے اختلافات کی وجہ سے ندوۃ العلماء علی گڑھ سے دور ہوتا چلا گیا لیکن سید سلیمان ندوی کے ندوۃ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے علی گڑھ سے تناؤ کی شدت کم ہوئی۔

ندوۃ العلماء کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم اور جدید کا حسین امتزاج ہوگا اور قوم کو ایک نئی طرز فکر عطا کرے گا۔ لیکن اسے اپنے اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس ادارے نے سید سلیمان ندوی، ریاست علی ندوی، عبدالسلام ندوی، معین الدین احمد ندوی، ابوظفر ندوی، مسعود عالم ندوی، نجیب اشرف ندوی، ابوالحسن علی ندوی اور معین الدین ندوی جیسے عالم اور محقق پیدا کیے جنھوں نے قابل قدر علمی اور تحقیقی کام کیا۔ اُردو کا بلند پایہ رسالہ ''معارف'' بھی ندوۃ کے قدیم طلبہ کی زیر ادارت چلتا رہا ہے۔ ندوۃ کے فارغ التحصیل علماء نے مختلف علوم پر نادر کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ تاریخ اسلام ندوہ کے علماء کا خاص موضوع رہا ہے۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار پر بڑی تحقیق سے بلند پایہ تصانیف قلم بند کیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں ندوۃ، علی گڑھ، دیو بند دونوں پر سبقت لے گیا۔ ندوۃ العلماء کے نظریات و افکار ایک دوسرے سے لگا نہیں کھاتے تھے تاہم ان تینوں اداروں نے مختلف انداز اور مخصوص طریقوں سے برعظیم کے مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ان تینوں اداروں نے مسلمانوں کو فکری اور

Marfat.com

نظریاتی اعتبار سے سنبھالا دیا اور پھر جہاد زندگانی کے لیے تیار کیا۔ فکری لام بندی کرنے میں ندوۃ، علی گڑھ اور دیوبند پر سبقت لے گیا۔

انجمن حمایت اسلام:

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے پنجاب میں مغربی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لیے 1864ء میں گورنمنٹ کالج لاہور اور 1866ء میں مشن کالج قائم کیے۔ ان اداروں میں محدودے چند مسلم طلبہ کو داخلہ ملتا تھا۔

ہندوؤں کو تعلیمی میدان میں مسلمانوں سے آگے بڑھانے کے لیے ہندوؤں کے مختلف فرقے آریا سماج، برہمو سماج، دیو سماج اور سناتن دھرم میدان عمل میں آئے۔ ان کی کوششوں سے دیال سنگ کالج لاہور قائم ہوا۔ اس کالج میں مغربی تعلیم صرف ہندوؤں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ان اداروں میں اول تو مسلمان طلبہ کا داخلہ ہی بہت مشکل تھا اگر چند طلبہ داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے تو انھیں غیر مسلم آداب معاشرت اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ ان حربوں کا مقصد انھیں دین سے برگشتہ کرنا اور قومی حمیت سے نفرت دلاتا تھا۔ مسلم زعما نے محسوس کیا کہ اس سے مسلمان طلبہ میں احساس محرومی پیدا ہو رہا ہے۔ اس صورت حال نے پنجاب کے مسلمانوں کو اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی طرف مائل کیا۔

سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کیا تو انھیں سب سے زیادہ تائید و حمایت پنجاب کے مسلمانوں سے ہی حاصل ہوئی۔ اس لیے وہ انھیں ''زندہ دلان پنجاب'' کہا کرتے تھے۔ علی گڑھ کالج کی شان دار کامیابی نے پنجاب کے مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔

قیام و مقاصد:

انجمن حمایت اسلام کی بنیاد 1884ء میں رکھی گئی۔ قاضی حمید الدین اس کے پہلے صدر، غلام اللہ قصوری سیکرٹری مقرر کیے گئے۔ ان کی معاونت کرنے والوں میں حاجی شمس الدین، منشی چراغ دین، منشی عبد الرحیم، خان نجم الدین، منشی پیر بخش اور ڈاکٹر محمد دین ناظر کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

Marfat.com

1۔ عیسائی مشنریوں اور ہندو پنڈتوں کے خلاف اسلام سرگرمیوں کا سدباب کرنا۔

2۔ مسلمان طلبہ کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا۔

3۔ مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

4۔ اسلامی اقدار کا تحفظ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے تحریری و تقریری اقدامات۔

5۔ مسلمان یتیم اور لاوارث بچوں کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا جن میں ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت اسلامی خطوط پر ہو۔

انجمن حمایت اسلام کے ان مقاصد کو عملی شکل دینے کے لیے رنگ محل کی حویلی سکندر خاں میں اڑھائی روپے ماہوار پر ایک کمرا لیا اور انجمن کے ابتدائی اخراجات کی کفالت کے لیے ہر مسلمان گھر سے ''مٹھی آٹا روزانہ'' کے حساب سے جمع کر کے بیچا جاتا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا انجمن کی مالی حالت مستحکم ہوتی چلی گئی۔ مخیر حضرات نے اپنی جائیدادیں انجمن کے لیے وقف کر دیں۔ کئی معروف مصنفین نے اپنی کتب کی آمدنی انجمن کے لیے وقف کر دی۔ 1886ء میں مہر علی رئیس اعظم ہوشیار پور نے گیارہ سو روپے اور بیگم نواب شاہ جہاں آف بھوپال نے دو ہزار روپے عطیہ دیا۔ غریب مسلمانوں نے بھی انجمن کے مقاصد کی تکمیل کے لیے بڑی فیاضی اور دریا دلی سے چندہ دیا۔

خدمات:

(1) تعلیمی و سماجی خدمات۔

(2) قومی و سیاسی خدمات

(3) تحریک پاکستان میں انجمن کی خدمات

1۔ تعلیمی و سماجی خدمات:

(الف) تعلیمی اداروں کا قیام

(ب) پرنٹنگ پریس۔

(ج) سماجی خدمات۔

Marfat.com

(الف) تعلیمی اداروں کا قیام:

انجمن حمایت اسلام نے اپنی تعلیمی خدمات کا آغاز 1884ء میں اندرون موچی دروازے میں بچوں کے دو پرائمری سکولوں کے قیام سے کیا۔ 1972ء میں جب ملک کے تمام تعلیمی ادارے حکومت نے قومی تحویل میں لیے اس وقت انجمن کے دو مردانہ ڈگری کالج، ایک زنانہ ڈگری کالج، ایک لاء کالج، چھ ہائی سکول، ایک زنانہ ہائی سکول، تین جونیئر ماڈل سکول اور ایک ایلیمنٹری زنانہ کالج طلبہ وطالبات کو تعلیم سے بہرہ مند کر رہے تھے۔

(ب) پرنٹنگ پریس:

1886ء میں انجمن نے ایک پرنٹنگ پریس لگایا جہاں دینی و درسی کتب کی طباعت ہونے لگی۔ اسی سال انجمن نے اپنا ایک رسالہ ''حمایت اسلام'' جاری کیا جس نے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی و معاشی اور معاشرتی رہنمائی کی۔

(ج) سماجی خدمات:

انجمن حمایت اسلام نے محسوس کیا کہ ہندوؤں کے سماجی ادارے مسلمان بچوں ،بچیوں، اور لاوارث خواتین کی اپنے ڈھنگ سے تعلیم و تربیت کر رہے ہیں۔ انجمن نے اس مقصد کے لیے ملی دار الاطفال، ایک دار الامان لاہور میں اور ایک کاشانہ اطفال، ایک دار الامان کراچی میں قائم کیے۔ انجمن نے لوگوں کو خواندہ بنانے کے لیے تعلیم بالغاں کے دو مرکز قائم کیے۔

قومی وسیاسی خدمات:

انجمن حمایت اسلام نے مسلمانان برعظیم کی جدو جہد آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس میں سر سید احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی، نواب محسن الملک، سر محمد شفیع، شیخ عبد القادر، اور علامہ اقبال جیسے نامور مدبرین نے مسلمانوں سے خطاب کیا اور ان میں قومی اور سیاسی شعور بیدار کر کے قومی تشخص قائم کیا۔

تحریک پاکستان:

(1) اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کی خدمات۔

Marfat.com

(2) پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کا قیام

(3) خالق لفظ پاکستان چودھری رحمت علی۔

(3) رسم پرچم کشائی۔

1۔اسلامیہ کالج لاہور کی طلبہ کی خدمات:

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے طلبہ نے قیام پاکستان کے سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ دوقومی نظریے کوفروغ دینے کے لیے اور قائداعظم کا پیغام قریہ قریہ پہنچانے کے لیے دور دراز کے سفر کیے۔ 1937ء سے قیام پاکستان تک اسلامیہ کالج تحریک پاکستان کا مرکز بنا رہا اور اس عظیم درس گاہ کے طلبہ نے برطانوی سامراج اور ہندورام راج کے خلاف جہاد کیا۔

2۔پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کا قیام:

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کی ابتداء اسلامیہ کالج لاہور سے ہوئی۔ حمید نظامی سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے روح رواں تھے۔ مارچ 1940ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہونا تھا اور خاکسار مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے نوجوانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی حفاظت میں اقبال (منٹو پارک) تک پہنچایا جہاں قرارداد لاہور منعقد ہوئی۔ قرارداد لاہور قرارداد پاکستان کے نام سے عوام میں مشہور ہوئی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن قرارداد پاکستان میں متعین ہونے والی منزل کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنانے کے لیے سرگرم عمل ہوئے۔

3۔خالق لفظ پاکستان چودھری رحمت علی:

چودھری رحمت علی کا تعلق بھی اسی مادر علمی سے تھا۔ انھوں نے علامہ اقبال کے خواب اور تصور کو لفظ ''پاکستان'' کے ذریعے اجاگر کیا۔ اسی طرح مسلمانوں پر خواب اور تصور کو واضح کرنے کے لیے لفظ ''پاکستان'' آئینہ بن گیا۔

4۔رسم پرچم کشائی:

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے مجوزہ پرچم کو لہرانے کی تقریب کا شرف اسلامیہ کالج کو بخشا۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کی گراؤنڈ میں پرچم لہرانے کی

Marfat.com

رسم ادا ہوئی۔ یہ قائداعظم کی طرف سے اسلامیہ کالج کی خدمات کا اعتراف تھا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج دہلی:

علی گڑھ کالج کے فارغ التحصیل طلبہ سرکاری ملازمتیں اختیار کر کے حکومت کے تنخواہ دار بن جاتے تھے۔ اس طرح وہ سرکار کے خیر خواہ زیادہ اور مسلمانوں کے بہی خواہ کم ثابت ہوتے تھے۔ نواب وقار الملک نے 1912ء میں ایسے مسلمانوں کے لیے ایک الگ یونیورسٹی کی تجویز پیش کی تھی جو سرکاری ملازمتوں کے خواہش مند نہ ہوں۔ ان کے پیش نظر تعلیم برائے تعلیم ہو نہ کہ تعلیم برائے حصول ملازمت۔

1920ء میں تحریک عدم تعاون میں سرکاری اداروں کا مقاطعہ بھی شامل تھا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل کے اجلاس میں اس بات پر زور دیا کہ انگریز مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اس لیے ترک موالات کرتے ہوئے کالج کی سرکاری امداد قبول نہ کی جائے اور اسلامیہ کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ختم کیا جائے۔

مولانا محمد علی جوہر علی گڑھ کے طالب علم رہے تھے اور وہاں طلبہ کی کثیر تعداد ان سے متاثر تھی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے تاریخ میں آنرز کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد علی جوہر علی گڑھ کالج میں ملازمت کے خواہش مند تھے لیکن انگریز پرنسپل ماریسن (Morrison) نے ان کا مقصد پورا نہ ہونے دیا۔ اس لیے بھی آپ علی گڑھ کالج کو انگریز گڑھ خیال کرتے تھے۔ آپ نے علی گڑھ کالج کے ارباب اختیار سے مطالبہ کیا کہ سرکار کے ساتھ کالج کا تعلق ختم کیا جائے۔ کالج انتظامیہ نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ آپ اپنے ہم خیال طلبہ کو لے کر الگ ہو گئے اور علی گڑھ میں ہی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔

قیام و مقاصد:-

1925ء میں اس ادارے کو دہلی منتقل کر دیا گیا اور وہاں اس کی شان دار عمارت تعمیر کی گئی۔ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں اس ادارے نے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔

اس ادارے کو گورنمنٹ کے اثرات سے پاک رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

Marfat.com

اس میں ذریعہ تعلیم اُردو قرار دیا گیا اور انگریزی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل نصاب کیا گیا۔

اس ادارے میں قدیم و جدید کے درمیان ایک حسین امتزاج قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج دہلی کے ارباب اختیار چاہتے تھے مغربی اور اسلامی تعلیم سے طلبہ کو بہرمند کیا جائے۔

خدمات:

جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج دہلی نے طلبہ کو سرکاری ملامت سے آزاد رکھنے کے لیے تعلیم و تربیت میں کفایت شعاری کو خاص اہمیت دی گئی۔ اساتذہ نے ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ادارے کے فارغ التحصیل طلبہ نے اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کو ٹھکرا کر معمولی اُجرت قبول کی اور قومی خدمات کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اس ادارے نے انڈین نیشنل کانگرس کا گہرا اثر قبول کیا اور اس کے طلبہ متحدہ قومیت کے علم برادر بن گئے۔ تاہم انھوں نے انگریزوں کو برعظیم سے نکالنے کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔

سرکاری ملازمتوں سے بچنے کے لیے جامعہ نے ایسا نصاب ترتیب دیا جس میں صنعت و حرفت کو مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل تھی۔ اس میں بڑھی کا کام، قفل سازی، کپڑا بننا، ڈیری فارمنگ اور گھریلو صنعتوں کی تعلیم دی جاتی تا کہ جامعہ کے طلبہ عملی زندگی میں اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر سرکاری ملازمت سے بے نیاز ہو جائیں۔

جامعہ ملیہ علم وادب کے فروغ کا گہوارہ بن گیا۔ ایک اُردو اکیڈیمی قائم ہوئی۔ جامعہ سے دارالاشاعت سے کئی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں۔

تحریک خلافت کی ناکامی سے مولانا محمد علی جوہر اس نتیجے پر پہنچے کہ کانگریس کی بے وفائی نے اسے ناکامی سے دوچار کیا ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشاں ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مل کر تجاویز دہلی مرتب کیں۔ 1928ء کو انھوں نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں نمایاں حصہ لیا اور کانگرس کی متحدہ قومیت کے نظریے کی شدید مذمت کی۔ مولانا محمد علی جوہر اور حکیم اجمل خاں کی کوششوں سے جناح لیگ اور سر شفیع لیگ میں مصالحت ہو گی اور 1929ء میں قائداعظم محمد علی

Marfat.com

جناح نے چودہ نکات پیش کیے۔ ان نکات نے یہ بات واضح کردی کہ مسلمان راہنما ہندوؤں سے مایوس ہوگئے ہیں اور اب ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں جدا ہوگئی ہیں۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس:

سرسید احمد خاں برعظیم میں مسلمانوں کے واحد ایم اے او کالج کو ناکافی سمجھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان بھر سے مسلمان علی گڑھ پہنچ کر تعلیم حاصل کر رہے تھے لیکن بہت سے ذہین مگر نادار طلبہ علی گڑھ پہنچنے سے قاصر تھے۔

سرسید احمد خاں نے 1886ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد برعظیم کے تمام مسلمانوں تک علی گڑھ کا پیغام پہنچانا تھا۔ ہندوستان بھر میں رابطہ کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس مختلف شہروں میں ہونے لگے۔ اس طرح سرسید احمد خاں کا پیغام دور دراز مقامات تک پہنچ گیا۔

سالانہ اجلاس میں جو مشہور اُدبا اور شعراء شرکت کرتے تھے ان میں مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، نواب محسن الملک اور ڈپٹی نذیر احمد کے نام مشہور ہیں۔

سرسید احمد خاں اس کے ذریعے مسلمانوں کا تعلیمی شعور بیدار کرنا چاہتے تھے آپ نے عمر بھر اسے عملی سیاست سے الگ رکھا۔ 1898ء میں آپ کا انتقال ہوا اور چند سال بعد مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کا فریضہ بھی کانفرنس نے سرانجام دیا۔ دسمبر 1906ء میں ڈھاکا میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس نواب وقار الملک کی صدارت میں ہوا اور نواب سرسلیم اللہ خاں کی تحریک پر مسلمانوں کی ایک سیاسی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل کی گئی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس برعظیم کے مسلمانوں میں تعلیمی شعور بیدار کرنے میں کامیاب رہی اور ملک بھر میں علی گڑھ کی طرز پر سکول اور کالج قائم ہونے لگے۔ علی گڑھ سے مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، سرمحمد شفیع، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین، اے۔ کے فضل الحق، سردار عبدالرب نشتر، نواب محمد اسماعیل خاں اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے نامور مدبروں نے تعلیم حاصل کی۔

انجمن حمایت اسلام پنجاب:

وہ ادارے جو علی گڑھ کی مطابقت میں جاری ہوئے یا جنھوں نے مخالفت میں

Marfat.com

سر اُٹھایا، وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی سعی جمیلہ کا ہی ثمر ہے۔ پنجاب میں جدید تعلیم کا آغاز عیسائی مشنریوں اور ہندوؤں کے تعلیمی اداروں سے ہُوا۔ ان میں مسلمانوں نے کم دل چسپی لی۔ علی گڑھ کالج کے قیام میں پنجاب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس لیئے سر سید احمد خاں پنجاب والوں کو زندہ دلاں پنجاب کہا کرتے تھے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے پنجاب کے مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور وہ عیسائیوں اور ہندو پنڈتوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا تحریری اور تقریری جواب دینے اور مسلمان بچوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کے اہتمام کی غرض سے 1884ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور قائم کی۔ اس کے پہلے صدر خلیفہ حمید الدین تھے انجمن نے اپنے کاموں کی ابتدا مٹھی بھر آٹے سے کی۔ 1886ء میں اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور اور 1896ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور قائم کیا۔ انجمن نے دو یتیم خانے اور ایک دارالاطفال قائم کیا۔ 1886ء میں انجمن حمایت اسلام نے اپنا ایک پرنٹنگ پریس قائم کیا اور اسی سال رسالہ حمایت اسلام جاری کیا۔

1986ء میں جب تعلیمی ادارے قومی تحویل میں لیے گئے، اس وقت انجمن حمایت اسلام کے دو مردانہ ڈگری کالج، ایک زنانہ ڈگری کالج، ایک طبیہ کالج، ایک لاء کالج، لڑکیوں کا ایک ہائی سکول اور لڑکوں کے چھے ہائی سکول چل رہے تھے۔

انجمن حمایت اسلام کے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے طلبہ نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم کے پیغام کو پنجاب کے کونے کونے میں پہنچایا اور ہر طرف سے لے کر رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان کے نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔

سندھ مدرسۃ الاسلام:

ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1843ء میں لارڈ ایلن برو کے دور میں سندھ کا الحاق بمبئی سے کر دیا۔ اس طرح سندھ میں ترقی ختم ہوگئی۔ 1885 میں خان بہادر آفندی نے سندھ مدرسۃ الاسلام کی بولٹن مارکیٹ کے قریب ایک پرانی سی عمارت میں بنیاد رکھی۔ آفندی، سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ سے متاثر تھے۔ وہ اسی طرز کا ایک ادارہ کراچی میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے نواب خیر پور اور دیگر رُوسائے نے

Marfat.com

بھی تعاون کیا۔

نومبر 1886ء میں فرئر روڈ پر مدرسۃ اسلام کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد لارڈ ڈفرن نے رکھا۔اس عمارت کے ساتھ کھیل کا گراؤنڈ، ہاسٹل اور مسجد بھی تعمیر کی گئی۔

1896ء میں حسن علی آفندی کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ولی محمد مدرسہ کے منتظم اعلیٰ بنے۔ان کے عہد میں مدرسہ کو سرکاری سرپرستی رہی اور کچھ پابندیاں بھی عائد رہیں۔1938ء میں ولی محمد کا انتقال ہوا اور مدرسہ کو بھی سرکاری پابندیوں سے نجات ملی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن علی عبدالرحمٰن منتظم کمیٹی کے سیکرٹری بنے۔سندھ مدرسہ کے اساتذہ میں شمس العلما ،عمر بن محمد داؤد پوتہ کا نام قابل ذکر ہے۔اس مدرسے کے پہلے دو انگریز پرنسپل پرسی ہائیڈ (Percy Hyde) اور وائینز (Yines) کے نام بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ان کے دور میں مدرسہ کو بڑی شہرت حاصل رہی۔

اس مدرسہ سے مسلمانوں کے کئی راہنماؤں نے تعلیم حاصل کی۔ان میں قائداعظم محمد علی جناح کا نام سرفہرست ہے۔ان کے علاوہ سر غلام حسین ہدایت اللہ، سر شاہنواز بھٹو اور دیگر بڑے بڑے سندھی راہنما شامل تھے۔31 جون 1943ء کو مدرسہ سندھ مسلم کالج بنا۔اس کا افتتاح قائداعظمؒ نے کیا اور اپنی جائداد کا بیشتر حصہ کالج کے لیے وقف کر دیا۔

اسلامیہ کالج پشاور:

صوبہ سرحد میں بھی تعلیمی اداروں کا آغاز بھی عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں ہوا۔ 1868ء میں مشن ہائی سکول پشاور قائم ہوا جو بعد میں ایڈورڈ کالج بن گیا۔1888ء میں میونسپل ہائی سکول بنا جو بعد میں گورنمنٹ کالج بن گیا۔1926ء میں علامہ عنایت اللہ مشرقی اس کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

1902ء میں انجمن حمایت اسلام کے تحت بابو غلام حیدر اور میاں عبدالکریم نے انجمن ہائی سکول قائم کیا جس میں جدید تعلیم کی تمام سہولیات مہیا کی گئیں تھیں۔

1913ء میں سر عبدالقیوم نے اپنے ایک انگریز دوست جارج روس کیپل کے تعاون سے پشاور سے خیبر والی سڑک پر 1200 ایکڑ رقبہ میں ایک دارالعلوم اسلامیہ قائم کیا اور اُسے ہائی سکول کا درجہ دیا۔1914ء میں اسے اسلامیہ کالج کا نام دیا گیا۔اس

Marfat.com

کالج نے افغانوں کو تعلیم کی طرف راغب کیا اور جلد ہی یہ کالج سرحد میں مسلمانوں کا تعلیمی اور ثقافتی مرکز بن گیا۔

تحریک پاکستان میں اس کالج کے طلبہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ سرحد کے کونے کونے میں تحریک پاکستان کو متعارف کرانے والے اسی کالج کے طلبہ تھے۔ قائد اعظم نے اپنے ترکہ کا ایک حصہ اسلامیہ کالج پشاور کو دینے کی وصیت کی تھی۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کو تعلیمی خدمات کی وجہ سے سرحد کا سرسید کہا جاتا ہے۔ 1925ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر بنایا گیا۔ 1937ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ پاکستان بننے کے بعد اس کالج کو خیبر یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔

............☆☆............

Marfat.com

گیارہوں باب

سرسید احمد خان کی ملی خدمات

مسلمان برعظیم کی ایک عظیم ترین قوم تھی۔ انگریزوں کی آمد سے قبل ہندوستان پر مسلمان کئی صدیوں سے حکمران تھے اور اس ملک کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ برطانوی راج کے قیام سے مسلمان سیاسی اقتدار سے محروم ہوئے۔ انگریز کے انتقام کا نشانہ بنے، معاشی لحاظ سے پس ماندہ ہوئے۔ جاگیریں اور جائیدادیں چھن گئیں۔

اوقاف ضبط کر لیے گئے، ملازمتیں جاتی رہیں۔ تجارت اور صنعت بھی ہاتھوں سے نکل گئی۔ انگریز کی مسلم دشمنی نے ان سے خوداعتمادی اور عزت نفس کی دولت چھین لی۔

اس مایوسی اور زبوں حالی کے دور میں سرسید احمد خاں کی شخصیت مسلمانان ہند کے لیے خضر راہ ثابت ہوئے۔ آپ نے کمال تدبر و فراست سے مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دیا۔ انھیں مایوسی اور احساس کم تری سے نکال کر سرگرم عمل کیا۔ انگریزوں کی بدگمانیوں کو دور کر کے ان کے دلوں سے نفرت اور حقارت کے جذبات کو سرد کرنے کی کوشش کی۔ ہندو جو مغربی تعلیم حاصل کر کے اور حکومت سے تعاون کر کے اپنے لیے مراعات حاصل کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے میں انگریز سے کم زور نہیں لگا رہے تھے۔ سرسید احمد خاں نے انگریز کو باور کرایا کہ جنگ آزادی میں ہندو اور مسلم دونوں شریک ہوئے لیکن اب وہ مسلمانوں سے الگ ہو کر انگریز کو اپنی وفاداریوں کی یقین دہانی کرا رہا ہے اور اس طرح جنگ آزادی کا سارا بار مسلمانوں کے کندھوں پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو گیا ہے۔ سرسید احمد خاں رسالہ اسباب بغاوت ہند میں جنگ آزادی میں ہندو مسلم شراکت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ”جنگ ہندوؤں نے شروع کی، مسلم دل جلے تھے وہ بھی اس میں شریک ہو گئے۔“

Marfat.com

سر سید احمد خاں جانتے تھے کہ مسلمانوں کی حکومت ہونے کے باوجود انگریزوں کو برعظیم سے نہیں نکال سکے۔ جنگ آزادی نے نہ صرف مسلمانوں کی حکومت ختم کردی ہے بل کہ انھوں نے ہر مزاحمتی کو کچل کے رکھ دیا ہے۔ اب اس کے سوا کچھ نہیں رہ گیا سمندر میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ اس لیے انگریز سے نجات حاصل کرنا کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ اس کے ساتھ اسی کی زبان میں بات کی جائے۔ اس مقصد کے لیے مغربی تعلیم کا حصول ضروری ہے تاکہ مشرق و مغرب میں ہم آہنگی پیدا ہو۔

1۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم و تہذیب سے آراستہ کرنا:

سر سید احمد خاں نے مغربی علوم کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں پیدا شدہ شک و شبہات دور کرنے کی کوشش کی۔ انگریزی سے نفرت کی بنا پر مسلمانوں پر نہ صرف ملازمتوں کے دروازے بند رہتے بل کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور بُعد بھی قائم رہتا۔ ان حالات کے پیش نظر جدید مغربی علوم کا سیکھنا ضروری تھا کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت اور دوستی کی فضا قائم ہو سکے۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے 1859 میں مراد آباد میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ 1863ء میں غازی پور میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں انگریزی پڑھانے کا بھی اہتمام تھا۔ 1864ء میں غازی پور میں ہی سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مغربی علوم کا انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمہ کرنا تھا۔

کمیٹی خواستگار ترقی و تعلیم مسلمانان ہند نے ایک کالج قائم کرنے کا عزم کیا اور 1872ء میں محمڈن کالج فنڈ کمیٹی قائم کی تاکہ کالج کے قیام کے لیے چندہ اکٹھا کیا جائے۔ 1875ء میں ایم اے او ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی جو ترقی کرتے کرتے 1877ء کو کالج بن گیا۔

سر سید احمد خان علی گڑھ کالج کو برعظیم کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ناکافی سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی 1886ء میں بنیاد رکھی جس کا مقصد برعظیم میں تعلیمی رجحان پیدا کرنا اور مسلمانوں تک علی گڑھ کا پیغام پہنچانا تھا۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے لیے رسالہ تہذیب

Marfat.com

خلاق جاری کیا۔ اس رسالے نے قوم کی نشاۃ ثانیہ میں موثر کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کو
ریزی تعلیم کی رغبت دلائی اور معاشی وسماجی برائیوں سے بچنے کی تلقین کی۔

۔انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان خوش گوار فضا قائم کرنا:

سر سید احمد خاں نے نہ صرف مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں سے دوستی قائم کرنے کا مشورہ دیا بلکہ انگریزوں کو بھی احساس دلایا کہ مسلمانوں کے بارے میں جو شک و شبہات ان کے دلوں میں موجود ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے انھیں اپنے رویے میں تبدیلی کرنے اور انداز فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی غرض سے ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' کے عنوان سے چند پمفلٹ شائع کیے۔ عیسائیت اور اسلام کو آسمانی مذہب ثابت کرنے کے لیے تبئین الکلام کے نام سے بائبل کی تفسیر لکھی۔ تحقیق لفظ نصاریٰ اور رسالہ طعام اہل کتاب بھی ایک دوسرے کے قریب کرنے کی ایک کوشش تھی۔ سر ولیم میور (William Moure) کی کتاب لائف آف محمد کا جواب خطبات احمدیہ لکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ثابت کیا۔ سر ولیم ہنٹر (William Hunter) کی ''دی انڈین مسلمانز'' کے اعتراضات کا موثر جواب دے کر مسلمانان ہند کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔

3۔مسلمانوں کو احتجاجی سیاست سے دور رکھنا:

سر سید احمد خاں مسلمانوں کو احتجاجی سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ احتجاجی سیاست سے مسلمانوں کو نقصان ہی ہو سکتا تھا جب کہ اس سے فائدہ ہندوؤں کو ہوتا۔ برعظیم میں مغلیہ سلطنت ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان تاج برطانیہ کے ماتحت آ جانے کی وجہ سے اب حکومت میں شمولیت اکثریت کی بنیاد پر ہی ممکن تھی۔ ہندو عددی اعتبار سے اکثریت میں تھا اس لیے مغربی جمہوریت سے فائدہ اسی کو ہونا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی تو سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی۔ وہ ہندو تعصب سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندو کانگرس کے ذریعے مسلمانوں کو آلہ کار بنائیں گے اور جب گوہر مراد ہاتھ آئے گا تو تے

Marfat.com

کی طرح آنکھیں پھیرلیں گے۔ سرسید احمد خاں مسلمانوں کو پہلے زیورِ تعلیم سے مزین کر
چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے سے قبل سیاسی سرگرمیو
سے دامن بچانے اور کانگرس سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کی۔

4۔ دوقومی نظریے کا فروغ:

1867ء میں ہندوؤں نے اُردو کی مخالفت کی۔ اس سے پہلے سرسید احمد خا
ہندو اور مسلم کو حسین دلھن کی دو خوبصورت آنکھیں قرار دیا کرتے تھے لیکن اُردو ہند
جھگڑے نے ان کو دنگ کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ترک کر
دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی تو سرسید نے
ہندو اکثریت کی اس جماعت سے الگ تھلگ رہنے کی ہدایت کی۔ ہندوؤں کے اس
رویئے نے سرسید کو دوقومی نظریے کا علم بردار بنا دیا۔ آپ مسلم قوم کے تشخص کے لیے
کوشاں رہے۔ اسی دوقومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں نے تحریک پاکستان شروع کی اور
آپ کے قائم کردہ علی گڑھ کالج کے طلبہ نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔

سیرت وکردار:

سرسید احمد خاں مسلمانانِ ہند کے ایک عظیم راہنما اور محسن تھے۔ ان کی شب وروز
کی مساعی نے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کی جس سے ان میں قومی تشخص اجاگر ہوا۔
سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو جہالت، احساس کمتر اور ضعیف الاعتقادی کی
دلدل سے نکال کر اس قابل بنایا کہ وہ ہر میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں۔
سرسید احمد خاں کی تحریک تصور پاکستان اور دوقومی نظریے کی بنیاد بنی۔ سرسید
احمد خاں نے اپنی ساری زندگی قوم وملت کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے جو ملک وملت
کے لیے درست جانا اسے عملی جامہ پہنا کر چھوڑا۔ مخالفین کی مخالفت اور تنقید کا کبھی بُرا نہ
مانا۔ بل کہ وہ کام کرتے رہے اور قوم سازی میں اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اکبر آلہ آبادی نے کیا
خوب کہا ہے۔

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو، فرق جو ہے کہنے کرنے والے میں

Marfat.com

کانگریس کے بارے میں آپ نے جو رائے قائم کی۔ تحریک پاکستان میں کانگریس نے مسلمانوں کی مخالفت کر کے اسے سچ کر دکھایا۔ اس سے آپ کی دور اندیشی، معاملہ فہمی اور سیاسی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا ہر قدم مسلمانان ہند سے خلوص اور سچی محبت کا آئینہ دار ہے۔ آپ واقعی ایک تاریخ ساز شخصیت تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دی۔

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانان ہند انگریزوں کے زیر عتاب تھے جس کے باعث ان کی مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی۔ سرسید احمد خان مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کے مستقبل کے بارے میں انتہائی فکر مند تھے۔ آپ نے قوم کے مرض کا عمیق جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ برعظیم میں مسلمانوں کی بقاء اور محفوظ مستقبل تین باتوں پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے

۱ مسلمانوں کو مایوسی اور احساس کمتری سے نکالنے کے لیے جدید علم کی طرف راغب کیا جائے۔

۲ حکومت اور مسلمانوں کے درمیان اعتماد کی فضا قائم کی جائے۔

۳ مسلمانوں کو اس وقت تک سیاست سے دور رکھا جائے جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو جاتے۔

اس وقت جب پوری قوم احساس کمتری، مایوسی اور کس مپرسی کا شکار تھی۔ ان باتوں پر عمل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ تاہم سرسید احمد خاں نے ان نامساعد حالات میں مسلمانان ہند کی خدمات کا بیڑا اُٹھایا۔ مسلمان انگریز سے اس قدر بدظن تھے کہ وہ حکومت کے تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے نزدیک مغربی علوم مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ کر دیں گے۔ سرسید احمد خاں اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے لیے درس و تدریس کا الگ انتظام ہو۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانان ہند کی تعلیم کے لیے علی گڑھ میں ایک سکول قائم کیا جو مسلمانوں کی یونیورسٹی بنا اور ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ اس تحریک نے مسلمانان ہند کی جدوجہد آزادی میں جو کردار ادا کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جو خدمات سرانجام دیں ان کا جائزہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت لیا جائے گا۔

1۔ سیاسی خدمات

Marfat.com

2۔ تعلیمی خدمات

3۔ مذہبی وسماجی خدمات

1۔سیاسی خدمات:

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں اور مسلمانوں میں نفرت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مسلمانان ہند اپنی تباہی اور زبوں حالی کا ذمہ دار انگریز کو سمجھتے تھے اور انگریز جنگ آزادی کی ساری ذمہ داری مسلمان پر ڈال کر ان کو من حیث القوم ختم کرنے کی فکر میں تھا۔ سرسید احمد خاں نے محسوس کیا کہ انگریز برعظیم کی قسمت کا مالک بن چکا ہے اب اس سے دو دو ہاتھ کرنا ممکن نہیں رہا اور اس کا تجربہ جنگ آزادی میں کیا جا چکا ہے۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندو مسلمان کو تنہا چھوڑ چکا ہے اور وہ انگریز کی حمایت اور دوستی کا دم بھر رہا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا عدم تعاون اور نفرت کی روش اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے ایک حقیقت پسندانہ روش اختیار کرنے سے انگریز سے نفرت اور دشمنی ترک کر کے مسلمانان ہند کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کی۔

سرسید احمد خاں کی سیاسی خدمات:

1۔ مسلمانوں کے بارے میں شک وشبہات دور کرنا۔
2۔ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ۔
3۔ مسلمانوں کو احتجاجی سیاست سے الگ رکھنا۔
4۔ مذہبی ومعاشرتی اقدار میں قدر مشترک تلاش کرنا۔

1 مسلمانوں کے بارے میں شک وشبہات دور کرنا:

جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان غلط فہمیوں نے ایک خلیج حائل کر دی۔ سرسید احمد خاں نے انگریزوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے اور صحیح حالات کو سامنے لانے کی کوشش کی۔

(الف) رسالہ بغاوت ہند۔

(ب) لائل محمڈنز آف انڈیا۔

Marfat.com

(الف) رسالہ بغاوت ہند:

سرسید احمد خاں نے جنگ آزادی ختم ہوتے ہی ایک پمفلٹ ''رسالہ بغاوت ہند'' کے نام سے لکھا۔ اور اس کی پانچ سو کاپیاں چھپوا کر برطانیا کے اراکین پارلیمنٹ اور حکومت برطانیا کو بھیجیں۔ اس میں انھوں نے بغاوت کی وجوہات سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی۔ رسالہ بغاوت ہند لکھ کر اراکین پارلیمنٹ اور حکومت برطانیا کو بھیجنا غداری کے مترادف تھا اور غدار کی سزا موت تھی۔ جنگ آزادی کے بعد موت کی سزا تو معمولی شک پر بھی دے دی جاتی تھی۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ اس بغاوت کے تمام تر ذمہ داری انگریز حکمرانوں کی عاقبت نااندیشی اور غلط رویے پر عائد ہوتی ہے۔ ہندوستانیوں کی مذہب اور معاشرے کے آداب و رسومات کو ہدف تنقید بناتے رہے۔ عیسائی مبلغین کو کھلی چھٹی تھی اور عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلتے رہے۔

انگریز نے مجلس قانون ساز کی رُکنیت اپنے تک محدود رکھی اور اس میں ہندوستانیوں کو شریک نہیں کیا گیا۔ اس طرح انگریز کو ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات کا علم نہ ہو سکا۔ بغاوت ہندوؤں نے شروع کی، مسلمان دل جلے تھے وہ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ اس رسالے کے ذریعے انگریزوں کے ذہنوں سے مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا۔

اس رسالے کے نتیجے میں کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور برعظیم تاج برطانیا کے ماتحت چلا گیا۔ 1861ء کے کونسل ایکٹ کی رو سے اہل ہند کو کونسل کی رکنیت کا حق مل گیا اور چار سال تک سرسید احمد خاں وائسرائے ہند کی کونسل کے ممبر رہے۔

(ب) لائل محمڈنز آف انڈیا:-

رسالہ بغاوت ہند کی پانچ سو کاپیاں برطانیا میں اراکین پارلیمنٹ اور حکومت انگلستان کو بھیجی گئی تھیں۔ اس طرح وہ صحیح حالات سے آگاہ ہوئے لیکن کمپنی کے انگریز جو ابھی تک ہندوستان میں تھے وہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانیوں کا شکار تھے۔ ان کی زہرناکیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے کے لیے سرسید احمد خاں نے ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' کے عنوان سے مضامین کا سلسلہ شروع کیا جس میں مسلمانوں کے ان خاندانوں کی

Marfat.com

تفصیلات دی جاتی تھیں جنھوں نے 1857ء کے ہنگامے میں انگریزوں کی طرف داری اور خیر خواہی میں اپنی جانیں تک لڑادی تھیں۔

مذہبی اعتبار سے بھی عیسائی اور مسلمان ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کے دلوں میں جو بدگمانیاں پیدا ہوئی ہیں وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ بل کہ وہ تعصب اور پروپیگنڈے کا نتیجہ ہیں۔ یوں سرسید احمد خاں نے انگریزوں کے ذہنوں کو مسلمانوں کے لیے صاف کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔

2۔ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ:

سرسید احمد خاں کو مسلمانوں کے مفادات اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی پر رسالہ اسباب بغاوت ہند تحریر کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ سرسید احمد خاں نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر رسالہ بغاوت ہند کی پانچ سو کاپیاں برطانیا کے ارباب بست و کشاد کو روانہ کیں۔ آپ نے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

(الف) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔
(ب) قانون ساز مجلس ہند میں نمائندگی۔
(ج) البرٹ بل کی حمایت۔
(د) دوقومی نظریے کے ذریعے قومی تشخص۔

الف۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس:

مسلم لیگ کے قیام سے پہلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ہی مسلمانان ہند کی رہنمائی کا واحد ادارہ تھا۔ اس میں مسلمانوں کے مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا اور اسی کے پلیٹ فارم سے مسلمان اپنی ضروریات اور مشکلات حکومت کے سامنے پیش کرتے۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ہی 1906ء میں مسلم لیگ قائم کی گئی۔

ب۔ قانون ساز مجلس ہند میں نمائندگی:

قانون مجالس ہند 1861ء میں ہندوستانیوں کی شمولیت کی گنجائش رکھی گئی۔

Marfat.com

سر سید احمد خاں چار سال تک مجلس قانون ساز کے ممبر رہے اس دوران میں آپ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے۔

ج۔ البرٹ بل کی حمایت:

1870ء کے قانون کی رو سے کسی یورپین کا مقدمہ ہندوستانی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش نہیں ہوسکتا تھا۔ 1883ء میں ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا جس میں اس سے امتیازی سلوک کو ختم کرنا تھا۔ سر سید احمد خاں نے اس بل کی حمایت کی اور کہا کہ قانون سے ہی عوام کو حکومت پر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ جب تک دونوں قوموں کے لیے یکساں قانون نہیں ہوگا اس وقت تک حکومت پر ہندوستانیوں کا اعتماد بحال نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے درمیان اصل محبت اور ملاپ پیدا ہوگا۔

د۔ دوقومی نظریے کے ذریعے قومی تشخص:-

اُردو ہندی تنازعے نے سب مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ آج ہندو ان کی زبان کے درپے ہیں تو کل وہ ان کے وجود سے بھی نجات حاصل کرنے کی فکر میں ہوں گے۔ اس سے قبل سر سید احمد خاں ہندوستانیوں کی وکالت کرتے تھے۔ آپ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک حسین دلھن کی دو خوبصورت آنکھیں قرار دیتے تھے لیکن۔ ہندی اُردو تنازعے نے سر سید احمد خاں کی فکر میں بھی تبدیلی پیدا کر دی۔ اس واقعے کے بعد آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اب دونوں قومیں کسی معاملے میں اکٹھی نہیں ہوسکیں گی اور آئندہ ان میں اختلاف بڑھتا ہی جائے گا۔ اس کے بعد سر سید احمد خاں نے اپنی تمام کوششیں مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں۔

آپ مغربی جمہوریت کو ہندوستان میں رائج کرنے کے خلاف تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ برعظیم ایک وسیع ملک ہے جس میں مختلف اقوام اور مذہب کے لوگ رہتے ہیں ان کی معاشرت میں تضاد ہے۔ صدیوں ایک جگہ رہنے کے باوجود وہ ہم رنگ و ہم مزاج نہیں ہوئے۔

آپ پہلے مسلم راہنما ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے لیے قوم کا لفظ استعمال کیا۔ اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنا قومی تشخص قائم کیا اور اس کے نتیجے میں

Marfat.com

مسلمانان ہند الگ وطن ''پاکستان'' حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

3۔ مسلمانوں کو احتجاجی سیاست سے دور رکھنا:

سر سید احمد خاں سمجھتے تھے کہ انگریز برعظیم میں قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے ہندوستانیوں نے ایک بھرپور کوشش جنگ آزادی کی صورت میں کی ہے لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیے اب مسلمانوں کو حالات سے مفاہمت اور سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ جنگ آزادی نے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی ہے۔ انگریزوں سے تعاون کے بغیر اب مسلمانوں کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا اور ترقی کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو احتجاجی سیاست سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور سر سید احمد خاں کے انتقال 1898ء تک مسلمان سیاست سے الگ ہی رہے۔

1885ء میں کانگرس کی بنیاد رکھی گئی تو سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو اس سے لاتعلق رہنے کی ہدایت کی۔ کانگرس نے ہندوستان میں برطانوی طرز کی جمہوریت نافذ کرنے اور سرکاری ملازمتوں پر مقابلے کے امتحان کے ذریعے بلا امتیاز بھرتی کرنے کا مطالبہ کیا۔ بظاہر تو یہ مبنی بر حقیقت مطالبات تھے لیکن اس کے پس منظر میں ہندو قوم کی فلاح و بہبود ہی مضمر تھی۔ سر سید احمد خاں نے ان مطالبات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے لیے جس میں مختلف اقوام آباد ہیں، مغربی طرز کی جمہوریت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے علیحدہ نشستیں مخصوص کی جائیں۔ مسلمان تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے ہیں اس لیے مقابلے کے امتحانات میں ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کے لیے کوٹہ مخصوص کیا جائے۔

4۔ دو قومی نظریے کا فروغ:

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو قومی تشخص دینے کے لیے سماجی، مذہبی، سیاسی اور تعلیمی میدان میں سر بلند رکھنے کی کوشش کی۔ جب تک مسلمان برعظیم میں حکمران رہے انھیں کبھی بھی اقلیت ہونے کا احساس نہیں ہوا لیکن جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کو

Marfat.com

آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ اس موقعے پر سر سید احمد خاں خضر راہ بن کر قوم کی مسیحائی کے لیے آئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بحیثیت قوم الگ تشخص دیا۔ کانگرس کی متحدہ قومیت سے بچا کر دو قومی نظریئے کے ذریعے مسلمانوں کو ایک زبردست قوت بنا دیا۔ اس نظریئے کے پیشِ نظر مسلمانوں نے تحریک پاکستان شروع کی اور انگریزوں و ہندوؤں سے الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سر سید احمد خاں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے ایک قوم کا لفظ استعمال کیا اور دو قومی نظریئے کے ذریعے کانگرس کی مغربی طرز کی جمہوریت اور قابلیت کی بنا سرکاری ملازمتوں کے حصول کے زہر کا تریاق پیش کیا۔ اسی وجہ سے سر سید احمد خاں کو دو قومی نظریئے کا علم بردار اور پاکستان کے معمارِ اول کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

5۔ مذہبی و معاشرتی اقتدار میں قدرِ مشترک تلاش کرنا:۔

سر سید احمد خاں نے انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔ جس کے نتیجے میں انگریزوں کے شک و شبہات دور ہوئے اور مسلمانوں کی نفرت و حقارت کم ہوئی۔ سر سید احمد خاں نے ایک طرف انگریزوں کو بتایا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی عزت و حرمت کے قائل ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کو بتایا کہ انگریز آسمانی مذہب کو مانتا ہے اس لیے اس کے ساتھ کھانا پینا، بیاہ شادی کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اس بنیاد پر انگریز سے نفرت کرنا تعصب اور لاعلمی ہے۔ سر سید احمد خاں نے مذہبی و معاشرتی طور پر ایک دوسرے کے قریب کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کوششیں کیں۔

(الف) رسالہ احکام طعام اہل کتاب۔

(ب) تبیین الکلام۔

(ج) رسالہ تہذیب الاخلاق۔

الف۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب:

سر سید احمد خان نے اس رسالے کے ذریعے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ مل جل کر جائز چیزوں کا کھانا درست قرار دیا۔ اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کے دلوں سے

Marfat.com

انگریزوں کے خلاف نفرت اور حقارت کو کم کرنا تھا۔

ب۔ تبئین الکلام:

سرسید احمد خاں نے بائبل کی تفسیر تبئین الکلام کے نام سے لکھی۔ سرسید احمد خاں نے کہا کہ بائبل آسمانی کتاب ہے اور غیر تحریف شدہ ہے۔ مسلمان بائبل کو الہامی کتاب تو سمجھتے ہیں لیکن تحریف سے پاک قرار نہیں دیتے۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کے بر عکس اسے غیر تحریف شدہ قرار دے کر اس کی تفسیر کی تاکہ مسلمان بائبل کی تعلیمات سے آگاہ ہوں۔ آپ نے بائبل کے احکامات کو اسلام کے عین مطابق ثابت کیا۔

رسالہ تہذیب الاخلاق:۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے لیے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ یہ رسالہ آپ کے مذہبی، سماجی اور اصلاحی افکار کا ترجمان تھا۔ اس رسالے کے ذریعے آپ نے مسلمانوں کو فرسودہ رسومات ترک کر کے مغربی تعلیم اور سائنسی نظریات کو اپنانے کی ہدایت کی۔

سرسید احمد خاں ایک ہمہ جہت شخصیت تھے جن کی نظروں سے مسلمانوں کی فلاح و ترقی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہوا۔ آپ نے مسلمانان ہند کی ہر شعبہ زندگی میں راہنمائی کا بیڑہ اُٹھایا اور کمال دانش مندی سے ان کو احساس کمتری اور زبوں حالی سے نکال کر جرائت اور حوصلے سے دوچار کیا۔ اس حوصلے کے بل بوتے پر مسلمانوں نے اپنے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا اور پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اسی بنا پر آپ کو پاکستان کا معمار اول اور دو قومی نظریئے کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

سرسید احمد خاں کے سیاسی افکار اور عملی کاوشوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سرسید احمد خاں نے مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کے لیے کبھی اپنے مال و جان کی پرواہ نہیں کی۔ جس بات کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھا اس کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور اسے عملی جامہ پہنا کے چھوڑا۔

سرسید احمد خاں کا طریقہ کار یہ تھا کہ انگریز کے دلوں میں مسلمانان ہند کے لیے نرم گوشہ پیدا کرنے کے لیے ان سے خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ اس سے بعض مؤرخ ین نے غلط نتیجہ نکالا اور انھیں خوشامدی قرار دے دیا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ انھوں

Marfat.com

نے جو اپنی قوم کے لیے درست سمجھا اس پر عمل کیا۔ آپ سرکاری ملازم تھے لیکن مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے لائل محمڈنز آف انڈیا کے سلسلہ وار مضامین شائع کیے اور اپنی ملازمت کی پرواہ نہ کی۔

سر سید احمد خاں نے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر رسالہ بغاوت ہند لکھا اور اس سے ثابت کیا کہ مسلمان اور ہندو دونوں جنگ آزادی میں شریک تھے۔ جب کہ انگریز کا نشانہ ستم صرف مسلمان بن رہے ہیں اور جنگ آزادی انگریزوں کے غلط رویے کی وجہ سے شروع ہوئی۔ رسالہ بغاوت ہند کے مطالعے کے بعد کوئی بھی غیر متعصب مؤرخ انھیں خوشامدی قرار نہیں دے سکتا۔ وہ مسلمانوں کے سچے خیر خواہ اور عظیم محسن تھے جن کو برعظیم کے مسلمان کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ تحریک پاکستان کی پہلی اینٹ آپ نے رکھی اور باقی راہنما اس عمارت کو اوپر اٹھاتے چلے گئے جو آج ان کے نام کو باقی رکھنے کے لیے کافی ہے۔

انگریز نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان ان کے نظام تعلیم کو تباہ و برباد کر کے پہنچایا۔ اس نظام تعلیم میں فارسی، دفتری زبان تھی۔ حکما اور وکلا سب اسی نظام کے پرُوردہ تھے لیکن انگریزی نے مسلمانوں کے تعلیمی ادارے مفلوج کر کے رکھ دیے، پڑھے فارسی بیچے تیل والا معاملہ بن کے رہ گیا۔ انگریز نے نئے نظام حکومت میں انگریزی کو دفتری زبان قرار دیا اور یہ جدید تعلیم کے حصول کا ذریعہ بن گئی۔

انگریز نے برعظیم کو پوری طرح قابو میں لانے کے بعد ایسے اسباب پیدا کر دیئے تھے جن سے برعظیم کے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ انگریز ان کے مذہب اور تہذیب کو پامال کرنا چاہتا ہے۔

برعظیم میں مغربی تعلیم کا آغاز عیسائی مشنریوں نے کیا جو تعلیم کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ اس لیے مسلمان جدید تعلیم کی طرف راغب نہ ہوئے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مغربی علوم اور نئی نئی ایجادات کے اپنانے سے ان کے عقائد بگڑ جائیں گے۔ اس وجہ سے مسلمان اعلیٰ عہدے حاصل کرنے میں ناکام رہے اور چھوٹی چھوٹی ملازمتوں سے انگریز نے جان بوجھ کر ان کو دور رکھا۔ لہٰذا مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں بہت پیچھے رہ گئے۔

ایسے آڑے وقت میں سر سید احمد خاں برعظیم کے مسلمانوں کے لیے خضر راہ ثابت ہوئے وہ تعلیم کو ہی قوم کے تمام مسائل کا واحد مداوا سمجھتے تھے۔ جب کہ مسلمان

Marfat.com

انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔اس لیے مسلمانان ہند کو تعلیم کی طرف راغب کر کے لیے سرسید احمد خان کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چوں کہ آپ کا جذبہ مسلم قوم کے لیے صادق تھا۔اس لیے آپ مسلمانوں کو مغربی تعلیم کی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔تاہم اس کے لیے آپ نے ایک ایسا قومی تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا جو برعظیم کے مسلمانوں کے لیے تعلیمی مرکز کا کام دے۔سرسید احمد خاں نے تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کوششیں کیں۔

الف۔ مدرسہ مرادآباد۔

ب۔ مدرسہ غازی پور۔

ج۔ سائنٹیفک سوسائٹی۔

د۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔

ہ۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن۔

و۔ ایم اے او کالج علی گڑھ کا قیام۔

ز۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔

الف۔مدرسہ مرادآباد:

سرسید احمد خاں مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے پرجوش حامی اور داعی تھے۔تعلیم ان کے نزدیک دور حاضر کا تقاضا اور وقت کی راگنی تھی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں نے اشاعت تعلیم کی کوششوں کا آغاز مرادآباد کے ایک فارسی مدرسے سے کیا۔ مرادآباد کا فارسی مدرسہ 1858ء قائم ہوا لیکن یہ زیادہ دیر نہ چل سکا اور ایک سرکاری سکول میں ضم کر دیا گیا۔

ب۔مدرسہ غازی پور:۔

سرسید احمد خاں مرادآباد سے تبدیل ہو کر غازی پور پہنچے اور 1864ء میں آپ نے غازی پور میں ایک سکول قائم کیا جس میں انگریزی زبان پڑھانے کا بھی انتظام تھا۔یہ مدرسہ بعد میں وکٹوریہ سکول کے نام سے جاری رہا۔

ج۔سائنٹیفک سوسائٹی:

سرسید احمد خاں یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو مغربی علوم سے اس لیے نفرت ہے

Marfat.com

کہ وہ انگریزی زبان میں ہے اور دوسرا انگریزی زبان ہندوستان کے عام طبقے میں ابھی عام نہیں ہوئی۔ اس لیے مغربی علوم انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیے جائیں تا کہ ان کی اشاعت ہو۔ چنانچہ آپ نے 1863ء میں غازی پور میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مغربی علوم انگریز زبان سے اُردو میں ترجمہ کیے جائیں اور ان کی اشاعت کی جائے۔ اس سوسائٹی نے چند ہی برسوں میں علم تاریخ، اقتصادیات، زراعت اور کیمسٹری کی قابل قدر کتب کا ترجمہ کیا۔ جب سر سید احمد خاں کا تبادلہ غازی پور سے علی گڑھ ہوا تو 1866ء میں سوسائٹی کی مستقل عمارت تعمیر ہوئی اور سوسائٹی نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

د۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ:

سائنٹیفک سوسائٹی کے زیر اہتمام 1866ء میں سر سید احمد خاں نے ایک ہفت روزہ اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نکالا۔ اس کا مقصد ہندوستانیوں کو برطانوی نظام حکومت سے روشناس کرانا اور انگریزوں کو ہندوستانیوں کے احساسات و جذبات سے آگاہ کرنا تھا۔ اس کا ایک کالم انگریزی میں اور دوسرا کالم اردو میں ہوتا تھا تا کہ دونوں طبقے اس سے استفادہ کر سکیں۔ سائنٹیفک سوسائٹی میں مختلف موضوعات پر جو علمی مقالے پڑھے جاتے ہیں وہ سب اس اخبار کی زینت بنتے تھے۔ اس طرح اس میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور علمی موضوعات پر مضامین شائع ہوئے۔

ہ۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن:۔

1866ء میں سر سید احمد خاں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ اس کے صدر سر سید احمد خاں کے دوست راجہ کشن داس اور سیکرٹری خود سر سید احمد خاں تھے۔ اس کا مقصد ہندوستانیوں میں مغربی تعلیم کو عام کرنا اور ایسی یونیورسٹی کا قیام تھا جس میں مغربی علوم اُردو زبان میں پڑھائے جائیں۔ لیکن اُردو ہندی تنازعے نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

اس کے بعد سر سید احمد خاں نے مسلم قوم کے احیاء میں دلچسپی لینا شروع کی اور اپنے آپ کو محض مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے ایک کمیٹی خواستگار ترقی و تعلیم مسلمانان ہند قائم کی۔

Marfat.com

و۔ایم اے او کالج علی گڑھ کا قیام:۔

کمیٹی خواستگار ترقی وتعلیم مسلمانان ہند نے مسلمان کے لیے ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لیے محمڈن کالج فنڈ کمیٹی قائم کی تا کہ کالج کے لیے چندہ اکٹھا کیا جائے۔ سر سید احمد خان نے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے انگریزوں سے بھی بھاری چندے لیے۔ زندہ دلان پنجاب نے دل کھول کر اس ادارے کے چندہ دیا۔اس طرح 1875ء میں ایم اے او ہائی سکول کا افتتاح کر دیا گیا جو 1877ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ بن گیا۔

علی گڑھ کالج نے مسلمانوں کو مغربی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ کالج مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔اس طرح اس نے ایک عظیم تحریک کا روپ دھار لیا۔ اور برعظیم کے مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

علی گڑھ کی تقلید میں مسلمانوں نے برعظیم میں کئی دوسرے تعلیمی ادارے بھی قائم کیے جن کی بدولت مسلمانوں نے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کیا اور انگریزوں اور ہندوؤں کی چالوں کا توڑ کر کے اپنے لیے ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ز۔محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس:۔

1886ء میں سر سید احمد خاں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی جس کا مقصد برعظیم کے مسلمانوں میں تعلیمی رجحان پیدا کرنا تھا۔ سر سید احمد خاں جانتے تھے کہ صرف علی گڑھ کالج پورے ہندوستان کی تعلیمی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تحریک پر اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ (چھوٹا علی گڑھ) سندھ مدرسۃ الاسلام اور اسلامیہ کالج پشاور وجود میں آئے۔

سر سید احمد خاں مذہبی اعتبار سے سید احمد شہید کی اصلاحی تحریک سے متاثر تھے لیکن وہ اہل حدیث مسلک سے قریب تر ہوتے گئے۔انھوں نے مذہب کو بھی اپنے مشن کے تابع کرنے کی کوشش کی۔ وہ مذہب کے ذریعے مسلمانوں اور نگریزوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے اذہان کو جدید علوم ونظریات کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔اس لیے آپ نے مسلمانوں میں وسعت نظر اور آزاد خیالی پیدا کرنے کے لیے ایسے اقدامات کیے کہ لوگوں نے آپ کو کرسٹان اور ''نیچری'' کہنا شروع کر دیا۔

سر سید احمد خاں کا دور مسیح مشنریوں کا زمانہ تھا۔انھوں نے عیسائیت کی ایسے انداز

Marfat.com

ے تبلیغ کی کہ اگر کوئی عیسائی نہ بنے تو کم ازکم اپنے سماج سے متنفر اور مذہب سے برگشتہ ہو جائے۔عیسائی مشنریوں کے خیالات سے سرسید احمد خاں آزاد خیال ہوئے تو مرزا غلام احمد قادیانی نے مذہب کو بازیچہ اطفال سمجھ کر مجدد اور نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا لیکن عوام نے سب کچھ کھونے کے باوجود اپنے مذہب اور عقائد کو سینے سے لگائے رکھا۔

سرسید احمد خاں کی سماجی و مذہبی خدمات :-

1. تبیین الکلام۔
2. رسالہ طعام اہل کتاب۔
3. رسالہ تہذیب الاخلاق
4. راہ سنت ورد بدعت۔
5. کلمۃ الحق۔
6. خطبات احمدیہ۔
7. قرآن پاک کی تفسیر۔
8. دارالاطفال مراد آباد۔

1۔ تبیین الکلام :-

سرسید احمد خاں نے بائبل کی تفسیر ''تبیین الکلام'' لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عیسائیت اور اسلام کے عقائد و نظریات میں یکسانیت ہے۔اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ثابت کیا جائے کہ مسلمان انگریز کے لیے دل میں کدورت نہیں رکھتے اور انگریز کو بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب،نفرت اور کینہ کو دور کر کے خلوص نیت سے ان کو اپنا خیر خواہ سمجھنا چاہیے۔

2۔ رسالہ طعام اہل کتاب :-

اس رسالے کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر حلال چیزوں کا کھانا جائز ہے۔اس کی غرض و غایت دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں سماجی تعلقات استوار کرنا تھا۔

3۔ رسالہ تہذیب الاخلاق :-

مسلمانوں کے مذہبی اور معاشرتی اصلاح کے لیے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری

Marfat.com

کیا۔ سرسید یورپی تہذیب اختیار کرنے کے زبردست حامی تھے۔ بقول ابوالکلام آزاد
کے ذہنی رجحانات اور مذہبی نظریات پر جتنے گہرے اثرات تہذیب الاخلاق نے چھوڑے
ہیں۔ ہندوستان کے کسی اور رسالے نے نہیں چھوڑے۔

4۔ راہ سنت ورد بدعت:۔

آپ نے یہ رسالہ سنت کی تائید اور بدعت کے رد میں تحریر کیا۔ اس سے آپ
مقصد مسلمانوں میں روشن خیالی پیدا کرنا، عام رسم و رواج کو مذہب نہیں بل کہ معاشرتی
خرافات قرار دے کر انھیں رد کرنے کی راہ دکھانا تھا۔

5۔ کلمۃ الحق:۔

اس رسالے سے آپ نے سید احمد شہید بریلی کی تحریک کی تائید کی اور اپنے آپ
کو حنفی ثابت کرنے کی کوشش کی تا کہ لوگوں کے ذہنوں سے سرسید احمد خاں کے بارے میں
غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

6۔ خطبات احمدیہ:۔

سرسید احمد خاں کا جذبہ اسلام اس وقت دیدنی تھا جب آپ نے خطبات احمدیہ
لکھی۔ خطبات احمدیہ سر ولیم میور کی تعصب بھری کتاب ''لائف آف محمد'' کے جواب میں
لکھی اور ایک ایک اعتراض کا مدلل جواب دیا۔

7۔ قرآن پاک کی تفسیر:۔

آپ نے قرآن مجید کی تفسیر سات جلدوں میں تحریر کی جس میں مافوق الفطرت
کی عقلی اور سائنسی توجیہ کی۔ آپ کی تاویلات کی وجہ سے علما نے انھیں اسلام کے خلاف
قرار دیا اور آپ پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے۔ آپ کا کہنا تھا کہ مسلمان مذہب کے بغیر
لقمہ بھی نہیں توڑتے اس لیے انھیں ان کے فرسودہ خیالات کو روشن خیالی میں تبدیل کرنے
کے لیے مذہبی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دینا پڑی۔

8۔ دارالاطفال مرادآباد:۔

سرسید احمد خاں نے یتیم اور لاوارث بچوں کے لیے مرادآباد میں ایک یتیم خانہ
قائم کیا۔ کیوں کہ عیسائی مشنری ہندوستان کے یتیم اور لاوارث بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے
ایسے ادارے قائم کر کے انھیں عیسائی بنا رہے تھے۔ آپ نے مرادآباد میں ایک یتیم خانہ

Marfat.com

م کر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایسے ادارے کھولنے کی راہ دکھائی۔ اس یتیم خانے میں سلمان اور ہندو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ الگ انتظام کیا گیا تا کہ ہندو یہ نہ کہ اس کہ جو کام انگریز کرنا چاہ رہا ہے وہی سر سید احمد خاں بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ کی تحریک نے تعلیمی، سیاسی، معاشرتی اور علمی و ادبی شعبوں میں گراں قدر دمات سرانجام دیں لیکن سب سے زیادہ آپ کی سماجی اور مذہبی کاوشوں پر اعتراضات ئے۔ آپ کے اصلاحی مشن نے طرز کہن کے ہر نشان کو نشانہ بنایا اور اس کی زد میں ہب بھی آ گیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے جب بھی مغربی تعلیم اور سائنسی علوم کے ے میں بات کی جائے تو وہ مذہب کی آڑ لے لیتے ہیں۔ اس لیے مذہبی نظریات و بالات میں جدیدیت لائے بغیر مسلمانوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا مشکل ہے۔

سر سید احمد خاں کی مذہبی کاوشوں نے انگریز کی نفرت، حقارت اور زہرناکی کو کافی دتک ختم کر دیا اور آہستہ آہستہ انگریز کے دل میں مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو نے الیکن مسلمانوں نے سر سید احمد خاں کے مذہبی نظریات و عقائد کو قبول نہ کیا۔ تاہم آپ کی زیروں نے ایک طبقے کو آزاد خیال اور مذہب سے بیگانہ ضرور کر دیا۔

سر سید احمد خاں نے مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سماجی، مذہبی، سیاسی اور علمی یدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں لیکن آپ نے اپنے فرصت کے اوقات کو علمی و دبی مشاغل کے لیے وقف رکھا۔ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام 1847ء میں شروع کیا ور مرتے دم تک اسے جاری رکھا۔ آپ نے مذہب، اخلاقیات اور تاریخ کے مختلف موضوعات پر بلند پایہ مضامین، رسالے اور کتب لکھیں۔

آپ اُردو ادب میں نثر نگاری کے ایک نئے اسلوب کے بانی ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں میں سلیس، رواں اور عام فہم نثر کو رواج دیا۔ آپ نے مشکل موضوعات کو عام فہم اور سیدھے سادھے اسلوب میں بڑی خوش اسلوبی سے بیان کر کیا۔ آپ نے اُردو ادب کو زندگی کے بہت قریب کر دیا۔ آپ کے اس انداز تحریر نے دوسرے ادیبوں کو بھی متاثر کیا۔ سر سید احمد خاں کے رفقاء کار یعنی شبلی، حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی چراغ علی نے کئی بلند پایہ تعلیمی، تمدنی موضوعات کو اردو زبان میں سیدھے سادھے اور عام فہم اسلوب میں بیان کر کے لوگوں تک پہنچایا۔

سر سید احمد خاں کی علمی و ادبی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

Marfat.com

1۔ آثار الصنادید۔

2۔ تاریخی کتب کی درستی۔

3۔ تاریخ سرکشی بجنور۔

4۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند۔

5۔ رسالہ راہ سنت ورد بدعت۔

6۔ کلمۃ الحق۔

7۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب۔

8۔ تبیین الکلام۔

9۔ خطبات احمدیہ۔

10۔ قرآن پاک کی تفسیر۔

11۔ رسالہ تہذیب الاخلاق۔

1۔ آثار الصنادید:۔

سرسید احمد خاں نے دہلی کی تاریخی عمارات کا حال اور اپنے ہم عصر مشاہیر کا تذکرہ 1847ء میں تحریر کیا۔ آثار الصنادید کی تصنیف کی بدولت سرسید کا ماہرین آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔ 1861ء میں اس کا موسیو گارساں دتاسی نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا اور لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے آپ کو اعزازی رکن مقرر کیا۔ 1889ء میں اڈنبرا یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری پیش کی۔

2۔ تاریخی کتب کی درستی:

آپ نے آئین اکبری، توزک جہانگیری اور تاریخ فیروز شاہی کی درستی کی اور تصحیح شدہ ایڈیشن شائع کر کے تاریخ دانی کا ثبوت باہم پہنچایا۔

3۔ تاریخ سرکشی بجنور

سرسید احمد خاں جنگ آزادی میں بجنور میں تھے۔ آپ نے ہنگامہ کے دوران کے چشم دید واقعات تاریخ سرکشی بجنور میں لکھ کر انگریزوں سے ہمدردی وحمایت کا اظہار کیا اور اپنے ہم وطنوں کو بتایا کہ اس ہنگامے سے انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں کا نقصان ہوا ہے۔

Marfat.com

4۔رسالہ اسباب بغاوت ہند:۔

اس رسالے میں آپ نے انگریزی نظام پر زبردست تنقید کی اور انگریزوں کو بتایا کہ جنگ کے ذمہ دار ہندوستانی ہی نہیں بل کہ خود انگریز بھی ہیں۔

5۔رسالہ ردسنت ورد بدعت:

سرسید احمد خاں نے سنت کی تائید اور بدعت کے رد میں یہ رسالہ تحریر کیا۔

6۔کلمۃ الحق:

اس رسالے میں سرسید احمد خاں نے سید احمد شہید بریلی کی اصلاحی تحریک کی تائید کی۔

7۔رسالہ احکام طعام اہل کتاب:

اس رسالے میں مسلمانوں کے لیے عیسائیوں کے ساتھ مل جل کر کھانے کو جائز قرار دیا۔اس سے آپ کا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں میں سماجی تعلقات کو استوار کرنا تھا۔

8۔تبئین الکلام:

سرسید احمد خاں نے بائبل کی تفسیر ''تبئین الکلام'' کے نام سے لکھی۔اس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ عیسائیت اور اسلام دونوں آسمانی مذہب ہیں۔اس لیے اس کے ماننے والوں کو بھی ایک دوسرے سے قریب ہونا چاہیے۔

9۔خطبات احمدیہ:

سرسید احمد خاں نے سر ولیم میور کی تعصب بھری کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر کیے گئے اعتراضات کا مدلل جواب ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے دیا۔

10۔قرآن پاک کی تفسیر:

سرسید احمد خاں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھنی شروع کی اور سات جلدیں شائع کیں لیکن اس پر مسلمانوں کی طرف سے سخت تنقید ہوئی۔

11۔رسالہ تہذیب الاخلاق:

رسالہ تہذیب الاخلاق نے اُردو زبان کی درستی و آراستی کی اور مسلمانوں کو ترقی

Marfat.com

کی راہ پرڈالنے کے لیے قابل قدر مضامین کی اشاعت کی۔تہذیب الاخلاق کے چھٹے سال میں 226 مضامین شائع ہوئے جن سے 112 سرسید احمد خاں کے لکھے ہوئے تھے۔ سرسید احمد خاں نے اپنی تحریروں میں سلیس اور عام فہم اردو کو رواج دیا۔اس وجہ سے آپ کا جدید اُردو نثر کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔

............☆☆............

Marfat.com

بارہواں باب

تحریک علی گڑھ

سر سید احمد خاں ایک انجمن تھے اور علی گڑھ کالج ایک تحریک تھی۔ اس کالج نے مسلمانوں کو ایک مرکز مہیا کیا۔ مسلمان طلبہ کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی کہ وہ نہ صرف برعظیم میں ہندوؤں کے ہم پلہ بن گئے بل کہ دوسرے ممالک اور دوسری اقوام میں بھی سرفراز ہوئے۔ ''علی گڑھ تحریک کا دوسرا نام سر سید احمد خان ہے اور سر سید احمد خان کا دوسرا نام علی گڑھ تحریک ہے''۔

قیام کے مقاصد:

علی گڑھ کالج کے قیام کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ مسلمانوں کے تعلیمی جمود کو توڑ کر انھیں مغربی تعلیم کی طرف راغب کرنا۔
2۔ کالج کو مسلمانوں کی تہذیبی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنانا۔
3۔ حکومت اور مسلمانوں کے درمیان اعتماد کی فضا قائم کرنا۔

علی گڑھ کالج کا قیام:

1869 میں سر سید احمد خاں انگلستان گئے اور اپنے قیام کے دوران میں کیمرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کا بغور مشاہدہ کیا اور ہندوستان واپس آکر مسلمانوں کے لیے ایک ایسی ہی مثالی درس گاہ کے قیام کی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک کمیٹی ''خواستگاران ترقی تعلیم مسلمانان ہند'' قائم کی جس نے ''محمڈن کالج فنڈ کمیٹی''، تشکیل دی اس طرح 24 مئی 1875ء کو علی گڑھ میں ایم اے او ہائی سکول قائم ہوا اور 1877ء میں ہائی سکول سے کالج کے درجے میں ترقی دی گئی۔ سر سید احمد خاں کی

Marfat.com

خواہش تھی کہ یہ ادارہ یونیورسٹی بن جائے مگر اس خواہش کی تکمیل ان کی زندگی کے بعد 1921ء میں پوری ہوئی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس:

سرسید احمد خاں ایم اے او کالج علی گڑھ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم ضرورت کے لیے ناکافی سمجھتے تھے چناں چہ پورے ہندوستان میں علم کی شمع روشن کرنے کے لیے 1886ء سے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔اس کے اغراض و مقاصد درج ذیل تھے۔

1۔ مسلمانانِ ہند میں یک جہتی واتحاد پیدا کرنا۔
2۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم میں نئی تبدیلیاں کرنا۔
3۔ جدید تعلیم کی ترویج
4۔ مسلمان مصنفین کی کتب کی اشاعت۔
5۔ تہذیب وثقافتی اصلاح و ترقی۔
6۔ مسلم خواتین کی تعلیم کی ترغیب۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد کو عام کرنے کے لیے ہندوستان بھر میں رابطہ کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ایجوکیشنل کانفرس ہر سال مختلف بڑے بڑے شہروں میں اپنے اجلاس منعقد کرتی جس میں سرسید احمد خاں، مولانا شبلی، مولانا حالی، محسن الملک اور ڈپٹی نذیر احمد جیسے قائدین، تعلیم کی اہمیت معاشرتی وسماجی برائیوں کی نشان دہی کرتے۔ مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا اعلان بھی اسی کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں 1906ء میں کیا گیا۔

علی گڑھ کالج کے اساتذہ:

کالج سٹاف میں یورپین اساتذہ کی خدمات مستعار لی گئیں۔کالج کے لیے کم از کم چار پروفیسروں اور سکول کے ہیڈ ماسٹر کے لیے انگریز ہونا لازمی تھا۔ چناں چہ پرنسپل تھیوڈور بیک، فلسفے میں پروفیسر آرنلڈ، انگریزی میں سر والٹر ریلے اور ماریسن کالج کے تدریسی عملے میں شامل کیے گئے۔فارسی میں مولانا شبلی نعمانی اور ریاضی میں جادو ناتھ

Marfat.com

چکرورتی جیسے یگانہ روزگار استاد تدریسی شعبے میں شامل ہوئے۔

علی گڑھ کالج کے طلبہ:

اس کالج نے برعظیم کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے کئی اعلیٰ پائے کے مدبر تیار کیے۔ جن میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، صاحبزادہ آفتاب احمد، میاں محمد شفیع، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، نواب محمد اسماعیل خاں، خواجہ ناظم الدین، نوابزادہ خاں لیاقت علی خاں، اے کے فضل الحق، سردار عبدالرب نشتر اور ڈاکٹر ذاکر حسین اور شیخ محمد عبداللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

دوقومی نظریہ:

علی گڑھ کالج میں ہندو اور مسلم طلبہ اکٹھے پڑھتے تھے ہندوؤں کی تنگ نظری اور تعصب نے کالج کے ماحول کو بھی متاثر کیا۔ کالج کے ایک ہندو خزانچی شام بہاری لال نے ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپے غبن کر کے کالج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ہندوستان کے امن وسکون کو تہ وبالا کرنے والی ہندو مذہبی تحریکوں سے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ برعظیم میں ہندو اکثریت کے ساتھ مسلم اقلیت کا اکٹھے رہنا مسلم تشخص کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ مغرب جمہوریت کے تحت میدان سیاست میں اُترنا مسلمانوں کے لیے خودکشی ہے۔ اگرچہ مسلمان عددی اعتبار سے کم ہیں لیکن وہ ماضی کی موثر اور شاندار روایات کی حامل اقلیت رہے ہیں۔ انگریز کے بعد برعظیم میں دو بڑی قومیں ہیں جن کی تہذیب وثقافت ایک دوسرے کی ضد ہے۔ جس طرح آگ اور پانی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں اسی طرح دونوں قوموں کا ایک ملک میں رہنا ناممکن ہے۔ یہی سے دوقومی نظریے کی بنیاد پڑی اور علی گڑھ کالج اس کا سب سے بڑا علم بردار تھا۔

قومی تشخص کی بیداری میں علی گڑھ کالج کے طلبہ کا کردار:

اس تعلیمی تحریک کے نتیجے میں علی گڑھ کالج سے نوجوان طلبہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے طویل عرصے تک انگریزی سامراج اور ہندو رام راج کے مذموم عزائم کا بڑی استقامت اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ان نوجوانوں نے

Marfat.com

مسلم قومیت کے علم کو بلند رکھا اور ان نامساعد حالات میں بھی قومی تشخص کو برقرار رکھا۔ 1919ء تک علی گڑھ مسلمانوں کی علمی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔

تحریک پاکستان میں علی گڑھ کالج کے طلبہ:

اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار ہوا اور ان میں جدید طرز پر قومیت کا احساس پیدا ہوا۔ قومیت کے اس جذبے کو عام کرنے کے لیے علی گڑھ کالج کے طلبہ قریہ قریہ، گاؤں گاؤں پہنچے اور نظریہ پاکستان کو لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ اس طرح علی گڑھ کے طلبہ نے حریت و آزادی کی جوت مسلمانوں کے دلوں میں جگائی اور عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھ کر من حیث القوم اپنا نقطہ نظر حکومت کے سامنے پیش کیا۔

تحریک علی گڑھ کا معاشرتی پہلو:

اس تحریک سے بالواسطہ طور پر زندگی کے ہر میدان میں بے شمار فوائد حاصل ہوئے انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مذہبی افکار اور معاشرتی نظام سمجھنے میں مدد ملی۔ تحریک علی گڑھ نے مسلمانان ہند کو "تعلیم ہی سب کچھ" کے اصول پر کاربند رکھنے کی کوشش کی۔ اس سے علی گڑھ کا مقصد یہ تھا کہ میدان سیاست میں اُترنے سے پہلے معاشرتی اور تعلیمی میدان میں اپنی صفیں درست کر لیں۔

مسلمانان ہند سر سید احمد خاں کی وفات تک اپنی صفیں درست کر چکے تھے۔ آخر 1906ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے غیر سیاسی پلیٹ فارم سے ہی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے قیام کا اعلان ہوا۔ جس کی وساطت سے علاحدہ نمائندگی اور قومی تشخص کے بقاء کی کامیاب جنگ لڑی گئی اور مسلماناں ہند اپنے لیے الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سر سید احمد خاں علی گڑھ کے ذریعے مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ بحال کرنا چاہتے تھے اور انھیں ایسے راستے پر گامزن کرنا چاہتے تھے جس پر چل کر وہ منزل تک بہ آسانی پہنچ سکیں۔ اس طرح علی گڑھ کالج ایک تحریک بن گیا۔

Marfat.com

تحریک علی گڑھ کا تعلیمی پہلو:

تحریک علی گڑھ میں تعلیمی پہلو پر سب سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ سرسید احمد خاں تعلیم کو ہی مسلمانوں کی زبوں حالی اور پس ماندگی کا علاج سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج نے مسلمانوں میں جدید علوم کے حصول کا شعور بیدار کیا جس کے بعد ہر شعبہ زندگی میں مسلمان ہندوؤں کے شانہ بشانہ آگے بڑھنے لگے۔ اس تحریک کے انداز پر دوسری مسلم تحریکوں کا اجرا بھی ہوا جنھوں نے مسلمانوں کی اصلاح و کردار سازی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

تحریک علی گڑھ کا مذہبی پہلو:

سرسید احمد خاں نے مذہب کو زندگی کے سب شعبوں سے زیادہ اہمیت دی۔ وہ مذہب کو بھی قوم کی تعمیر اور ترقی کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد اکرام کی رائے ''موجِ کوثر'' کے حوالے سے بڑی وزنی ہے ''سرسید احمد خاں کی مذہبی تصنیفات کا مقصد مشنریوں کے مقابلے میں مشنریوں کے مقابلے سے زیادہ ان اعتراضات کی تردید تھی جو سر ولیم میور (William Moure) اور دیگر مغربی مصنف اور خود مشنری اسلام پر کیا کرتے تھے۔''

جنگ آزادی کے بعد جس ادارے نے مسلمانوں کو ڈھارس دی وہ تحریک علی گڑھ تھی۔ اس تحریک نے مسلمانان ہند کو مایوسی اور ناامیدی کی وادی سے نکال کر قومی تشخص برقرار رکھنے کا حوصلہ و عزم دیا۔

تحریک علی گڑھ سرسید کے بعد:

سرسید احمد خاں نے مسلماناں ہند کی تعلیمی، سماجی اور سیاسی ترقی کے لیے جو مرکز قائم کیا تھا وہ ان کی وفات 1898ء کے بعد بھی آپ کے مخلص رفقاء کی سرپرستی میں ارتقا کی منزلیں طے کرتا رہا۔

سید محمود کا دور:

1889ء میں سرسید نے ٹرسٹی شپ بل منظور کروالیا جس کی رو سے کالج کا

Marfat.com

انتظام و انصرام کمیٹی کے بجائے ایک ٹرسٹ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس ٹرسٹ کے سیکرٹری خود سرسید بنے اور جائنٹ سیکرٹری ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید محمود بنائے گئے۔ ٹرسٹ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آپ کے رفقا کار پرنسپل تھیوڈور بیک اور دیگر یورپین شاف کو کالج اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے جب کہ سرسید ان کی علمی قابلیت کے معترف تھے اور سیاسی طور پر بھی ان کو کالج سے وابستہ رکھنا چاہتے تھے۔

سرسید احمد خاں کے بعد ڈاکٹر سید محمود ٹرسٹ کے سیکرٹری بنے لیکن وہ سرسید کے دور کا جوش و جذبہ قائم نہ رکھ سکے۔ مے نوشی نے ان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا تھا۔ طلبہ کی تعداد 565ء سے کم ہو کر صرف 343 رہ گئی۔ ٹرسٹ کے اراکین کی محاذ آرائی نے جلد ہی انھیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

نواب محسن الملک کا زمانہ:

ڈاکٹر سید محمود کے بعد نواب محسن الملک ٹرسٹ کے سیکرٹری بنے۔ آپ نے کالج کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں طلبہ کی تعداد 343 سے بڑھ کر 800 ہو گئی۔ ان کے زمانے میں چھ لاکھ روپے یونی ورسٹی بنانے کے لیے چندہ جمع ہوا۔ اسی دور میں علی گڑھ کے طلبہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ مولانا شوکت علی کی قیادت میں انتہا پسند طلبہ کالج کے انگریز پرنسپل اور یورپین شاف کو ہٹانا چاہتے تھے جب کہ صاحبزادہ آفتاب احمد کی قیادت میں اعتدال پسند طلبہ انھیں برقرار رکھنے کے حامی تھے۔ تاہم نواب محسن الملک کی دانش مندی کے باعث تصادم کی نوبت نہ آئی۔ 1907ء میں نواب محسن الملک نے وفات پائی۔

نواب وقار الملک کا دور:

نواب محسن الملک کی وفات کے بعد نواب مشتاق حسین وقار الملک ٹرسٹ کے سیکرٹری بنے۔ نواب وقار الملک علی گڑھ کے اولڈ بوائز کے انتہا پسند گروپ کے ہم نوا رہ چکے تھے اس لیے یورپی شاف کے ساتھ ان کے تعلقات خوش گوار نہ رہ سکے۔

1906ء میں ڈھاکا کے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت نواب وقار الملک نے کی اور اسی میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ 1911ء

Marfat.com

میں تنسیخ بنگال پر آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ انگریزوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں۔ 1912ء میں وہ صحت کی خرابی کی بنا پر سیکرٹری شپ سے مستعفی ہو گئے۔

نواب اسحاق خاں کا زمانہ:

1912ء میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے بیٹے نواب اسحاق خاں ٹرسٹ کے سیکرٹری بنے۔ ان کے دور میں بھی علی گڑھ کے اولڈ بوائز کے انتہا پسند اور اعتدال پسند کی آپس میں ٹھنی رہی۔ 1920ء میں مسلمانوں نے مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لیے 20 لاکھ روپے کا ہدف پورا کر لیا اور علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنا دیا گیا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین کا عہد:

1917ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں لندن چلے گئے تو ڈاکٹر ضیا الدین کالج کے پرنسپل بنے۔ یورپین سٹاف نے 1917ء میں متفقہ طور پر استعفیٰ دے دیا لیکن اس سے کالج کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور مسلم سٹاف نے اس کی تلافی کر دی۔

تحریک عدم تعاون کی وجہ سے سرکاری اور غیر سرکاری [illegible] کا شکار ہوئے لیکن ڈاکٹر ضیاء الدین نے طلبہ کو احتجاجی سیاست سے [illegible] کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ کالج سے اپنے ہم نوا طلبہ کو ساتھ لے [illegible] اسلامیہ کے نام سے علی گڑھ میں ایک متوازی ادارے کی بنیاد رکھی جسے بعد ازاں دہلی منتقل کر دیا گیا۔

علی گڑھ کے معترضین:

شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ بہت سے زعمانے سرسید کی تحریک کو ہدف تنقید بنایا۔ انھوں نے تحریک علی گڑھ کو (1) اس تحریک کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں ذہنی مرعوبیت اور احساس کمتری پیدا ہوئی۔ فکری اور تہذیبی طور پر مسلمانوں کو مغربی تہذیب کا غلام بنا دیا اس طرح انگریزوں کو سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں پر تہذیبی غلبہ بھی حاصل ہو گیا۔ (2) مغربی تعلیم کی وسیع تر اشاعت نے مسلمانوں میں اپنی تہذیب و تمدن پر افتخار کرنا ختم کر دیا۔ (3) کالج کے نصاب میں

Marfat.com

دینیات کو شامل کیا گیا لیکن اس سے اسلام سے طلبہ کی وابستگی اسلامی اقدار کی برتری او
مذہبی افکار کی حقانیت کا احساس پیدا نہ ہوسکا۔

(4) اس نظام تعلیم کی مخالفت میں مسلمانوں نے دیو بند، ندوۃ العلما اور جامعہ ملیہ جیسے ادارے قائم کیے۔ اس طرح مسلم معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو گیا۔ پہلا طبقہ جدید علوم سے بہرہ ور تھا تو دوسرا طبقہ قدیم علوم کا امین تھا۔ اس سے مسلم معاشرے کے اتحاد اور یکجہتی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ تا ہم دونوں مکتبہ فکر نے قومی ترقی کے لیے اپنا اپنا بھر پور کردار ادا کیا۔ بقول شیخ محمد اکرام ''سرکاری ملازمت کے حصول کو علی گڑھ کا اہم ترین مقصد بنانے کا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں بہت درجے کی مادیت پسندی پیدا ہو گئی جن لوگوں نے مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم پائی تھی ان میں سے تو سرسید، محسن الملک، وقار الملک، حالی، شبلی اور ڈپٹی نذیر احمد پیدا ہوئے اور مقدمہ شعر و شاعری، مسدس حالی اور شعر العجم جیسی کتب تصنیف کیں لیکن جن روشن خیالوں نے کالج کی عظیم الشان عمارتوں میں تعلیم حاصل کی وہ مطمع نظر کی پستی سے فقط اس قابل ہوئے کہ کسی معمولی دفتر کے کل پرزے بن گئے۔ چناں چہ کالج کوئی بھی دوسرا حالی، شبلی اور سرسید پیدا نہ کر سکا''۔

سرسید احمد خاں نے علی گڑھ سے جو امیدیں لگا رکھی تھیں ان سے مایوسی ہی ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ ''فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا، نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر'' لیکن جو بھی علی گڑھ سے نکلا اس کا سر اس تاج سے خالی تھا تا ہم دائیں ہاتھ میں فلسفہ اور بائیں ہاتھ میں نیچرل سائنس کی ڈگری موجود تھی۔

اُردو زبان کا دفاع:

اُردو کے معنی ''لشکر'' کے ہیں۔ مغلوں کے لشکروں نے جب ہندوستان کی چھاؤنیوں میں قیام کیا تو وہاں مسلمانوں اور مقامی لوگوں کا باقاعدہ میل جول ہوا۔ چھاؤنیوں کے فوجیوں کی زبان ترکی، فارسی، عربی اور برج بھاشا تھی۔ فوجیوں کے ملاپ اور زبانوں کے اختلاط کے سبب ایک مشترکہ زبان نے جنم لیا۔ اس مشترکہ زبان کا نام اُردو یعنی لشکری زبان پڑ گیا۔ مسلمان اس زبان کو بیرون ملک سے اپنے ہم راہ نہیں لائے بل کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی میل ملاپ سے ایک مشترکہ بولی وجود میں

Marfat.com

آئی جو ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے علمی وادبی زبان بن گئی۔ آسان اور دلچسپ ہونے کے باعث سارے ہندوستان میں سمجھی اور بولی جانے لگی۔ اُردو زبان کی تعمیر و ترقی میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو ادباء اور شعرا نے بھی حصہ لیا۔ رتن ناتھ سرشار، منشی پریم چند، چکبست، فراق اور تلوک چند محروم نے اُردو زبان و ادب میں بڑا نام پایا۔

ہندی اردو تنازعے کا پس منظر:

ہندو جب مسلمانوں کی سلطنت کے دباؤ سے آزاد ہو گئے تو مسلمانوں کی تہذیب کا ہر نشان ان کے دل میں خار بن کر کھٹکنے لگا۔ ان کا تعصب اور تنگ نظری اس وقت کھل کر سامنے آئی جب انھوں نے مسلم اور ہندی تہذیب کے مشترکہ ورثے اُردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ فرانس کے مشہور متشرق گارساں دتاسی نے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا "ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔"

ہندی اُردو تنازعے کا آغاز:

انگریزوں نے اُردو فارسی کی جگہ انگریزی زبان کو اہمیت دینا شروع کی تو ہندو ان کی اُردو مخالفت پالیسی سے شہ پا کر 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے عدالتوں اور دفتروں میں اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کی جگہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو منظم کرنے اور مؤثر بنانے کے لیے کمیٹیاں قائم کی گئیں اور دیگر مذہبی و سماجی اور سیاسی تحریکوں نے بھی اُردو کی مخالفت شروع کر دی۔

اُردو ہندی تنازعے سے ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں مسلمان راہنماؤں کو بڑا افسوس ہوا۔ سرسید احمد خان جو ہندو مسلم کو دلہن کی دو خوبصورت آنکھیں کہا کرتے تھے۔ انھیں یقین کامل ہو گیا کہ جن ہندوؤں کو آج مسلمانوں کی زبان گوارا نہیں وہ کل مسلمانوں کا وجود کیسے برداشت کریں گے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید اور بنارس کے کمشنر مسٹر شیکسپیئر کی ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔ سرسید احمد خاں نے کہا اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل و جان سے شریک نہ

Marfat.com

ہوسکیں گی۔ ابھی تک تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں، بڑھتا نظر آتا ہے۔ انھوں نے کہا اگر آپ کی پیش گوئی صحیح ہوئی تو نہایت افسوس ہے۔ آپ نے کہا مجھے بھی افسوس ہے مگر اپنی پیش گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔

1869ء میں سرسید احمد خان انگلستان میں تھے۔ اس دوران میں سائنٹیفک سوسائٹی کے ہندو ممبر نے بابو شیو پرشاد کی قیادت میں یہ مطالبہ کیا کہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے دوسرے کالم میں اُردو کے بجائے ہندی زبان تحریر کی جائے۔

1871ء میں بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر کیمبل (G.Campbell) نے سائنٹفک سوسائٹی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس موقع پر مولوی امداد علی نے اُردو زبان میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ استقبالیے کی زبان علمی وادبی تھی جو انگریز گورنر کی سمجھ سے بالا تر تھی۔ اس نے اُردو کو غیر ملکی زبان قرار دیتے ہوئے ملکی زبان ہندی قرار دے کر اس کے اجرا کا حکم دے دیا۔

1862ء میں ولیم ہنٹر کی قیادت میں ایک تعلیمی کمشن ہندوستان آیا۔ سرحد اور پنجاب کے ہندوؤں نے اُردو کے بجائے ہندی کو سکولوں میں رائج کرنے کے لیے یادداشتیں پیش کیں۔ اس کے جواب میں پنجاب کے مسلمانوں نے انجمن حمایت اُردو قائم کی۔ اس نے کمیشن کو اُردو کے حق میں یادداشتیں پیش کیں۔ خطرہ تھا کہ کمیشن ہندی اُردو تنازعے میں الجھ کر اپنے اصلی مقصد کو فراموش کر دے گا۔ اس موقعے پر سرسید نے کمیشن کی راہنمائی کی کہ ہندی اُردو تنازعہ ہندوستان کا سیاسی جھگڑا ہے اس لیے کمیشن کو اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

1898ء میں یوپی کے ہندوؤں نے گورنر انٹونی میکڈانل کو عدالتوں اور دفتروں میں اُردو کے بجائے ہندی زبان کو رائج کرنے کی یادداشت پیش کی۔ گورنر کی مسلم دشمنی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس نے 1900 میں ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط صوبے میں رائج کر دیا۔ یوں لڑاؤ اور حکومت کرو کے ہندی اُردو تنازعہ ایک ہتھیار انگریزوں کے ہاتھ آ گیا جسے انھوں نے بڑی ہوشیاری سے استعمال کیا۔

Marfat.com

اردو کا دفاع:

سرسید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس تحریک کی سخت مخالفت کی اور ہندوؤں کی تحریروں کا بڑے موثر اور مدلل انداز میں جواب دیا۔ اس کے علاوہ بنارس گزٹ اور نورالبصار (لکھنؤ) نے بھی اُردو کے دفاع کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ مسلمانوں نے اُردو کے دفاع کے لیے اِلہ آباد میں سنٹرل ایسوسی ایشن قائم کی۔

محسن الملک کی خدمات:

نواب محسن الملک سرسید کی وفات کے بعد علی گڑھ ٹرسٹ کے سیکرٹری بنے۔ انھوں نے اُردو کے دفاع کا بیڑا اُٹھایا۔ انھوں نے اُردو ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی جس نے مختلف مقامات پر جلسے منعقد کر کے اُردو کی مخالفت کی مذمت کی۔ نواب محسن الملک نے ٹاؤن ہال علی گڑھ میں جلسہ عام منعقد کر کے گورنر میکڈانل کی اُردو دشمنی پر خوب لے دے کی۔ گورنر اس سے بڑا برہم ہوا۔ اس نے علی گڑھ کالج کے ٹرسٹیوں کا اجلاس بلا کر دھمکی دی کہ اگر نواب محسن الملک نے اُردو کی حمایت جاری رکھی تو کالج کی مالی امداد روک لی جائے گی۔ نواب محسن الملک کو کالج کی خاطر اُردو کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

مسلم لیگ کی اُردو دفاعی کوشش:

1909ء میں ایک مرتبہ پھر ہندی اُردو تنازعے نے سر اُٹھایا۔ اس موقعے پر آل انڈیا مسلم لیگ نے اُردو کے دفاع کی ذمہ داری سنبھالی اور اُردو کے تحفظ اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے متعدد قراردادیں منظور کیں۔

کانگرسی راج اور اُردو مخالفت:

1937ء میں کانگرس کو مختلف صوبوں میں اپنی حکومت کے قیام کا موقع ملا تو اس نے ہندی کو لازمی مضمون قرار دے دیا۔ کانگرس نے اردو کے بجائے ہندوستانی کے

Marfat.com

نام سے ایک نئی زبان کے رائج کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستانی زبان سے مراد ایسی
زبان تھی جس سے عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ نکالنے کے بعد صرف ہ
زبان ہی باقی رہ جاتی تھی اور یہی کانگرس کا مقصد بھی تھا۔

کانگرس وزارتوں نے 1937-1939 کے دوران میں مسلمانوں کو سیا
طور پر نیچا دکھانے اور اُردو زبان سے محروم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ مسلمانوں
کانگرس کے اُردو زبان کو نقصان پہنچانے کے ہتھکنڈوں کے خلاف پرزور احتجاج کیا
مسلم لیگ نے اپنے اکتوبر 1937ء کے لکھنؤ اجلاس میں اُردو کے تحفظ اور ترویج وتر
کے لیے قرارداد منظور کی۔ 1939ء میں کانگرس وزارتوں کے ٹوٹنے پر مسلمانوں
''یوم نجات'' منایا۔

ہندی اُردو تنازعے کے اثرات:

ہندی اُردو تنازعے نے ہی مسلمانوں کو قومی تشخص بخشا۔ قومی مسلم راہنماؤں
نے مسلم قوم کی تعمیر وترقی ہندوؤں سے الگ کرکے شروع کی اور جلد ہی انھیں اپنے پاؤں
پر کھڑا کر دیا۔ ہندی اُردو تنازعے نے ہندوستان کی تاریخ میں دوررس نتائج چھوڑے اور
ہندو مسلم تعلقات پر گہرے اثرات مرتب کیے وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ سرسید احمد خاں کے نقطہ نظر میں تبدیلی۔
2۔ دوقومی نظریے کا فروغ۔
3۔ ہندو مسلم اختلافات کی ابتدا۔
4۔ سیاسی تنظیم کی ضرورت۔
5۔ حکومت سے بدظنی۔
6۔ الگ وطن کا مطالبہ۔

1۔ سرسید احمد خاں کے نقطہ نظر میں تبدیلی:

سرسید احمد خاں جو ہندو مسلم کو دلھن کی دو خوب صورت آنکھیں کہتے تھے۔
انھیں سوچنے پر مجبور کر دیا کہ برعظیم پاک و ہند میں ہندو مسلم اتحاد اور دونوں قوموں کا
اشتراک اب ممکن نہیں رہا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی تمام سرگرمیوں کو مسلمانوں کی تعمیر

Marfat.com

قی کے لیے محدود کرلیا۔

۔دوقومی نظریے کا فروغ:

اس تنازعے نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ برعظیم میں دو قومیں بستی ہیں اور ی دونوں قوموں کے مستقبل کی راہیں الگ الگ ہیں۔

۔ہندو مسلم اختلافات کی ابتدا:

اُردو ہندی تنازعے نے ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری کو بے نقاب کر یا۔ اس نے دونوں اقوام کے درمیاں پائے جانے والے اتحاد یگانگت کو بری طرح تاثر کیا۔ اس تنازعے نے دونوں قوموں کے درمیان نفاق ونفرت کی ایک ایسی خلیج ائل کردی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی اور بعد میں اس کو ختم کرنے ی کوئی مخلصانہ کوششیں بھی ہوئیں لیکن وہ سب بے مقصد ہو کر رہ گئیں۔

۔سیاسی تنظیم کی ضرورت:

علی گڑھ کالج مسلمانوں کی تعلیمی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس مرکز نے اُردو کے دفاع کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ کالج کو انگریز حکومت کی طرف سے گرانٹ ملتی تھی اور احتجاجی تحریک سے طلبہ کو دور رکھنا، اس کا نصب العین تھا۔ اس لیے کالج سے باہر ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو مسلمانوں کے مفادات کا دفاع کر سکے۔

اُردو کے خلاف ہندوؤں کی مہم نے مسلمانوں پر منظم ہونے کی اہمیت واضح کر دی۔ چناں چہ مسلمانوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ جس نے اُردو کے تحفظ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

5۔حکومت سے بدظنی:

ہندی اردو جھگڑے کے دوران میں انگریز حکومت نے جس طرح کھل کر ہندوؤں کی حمایت کی اس سے مسلمانوں کا ان سے بدظن ہو جانا فطری تقاضا تھا۔ اس تحریک کے بعد حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے دل کھٹے ہو گئے۔ مسلمانوں نے

Marfat.com

اپنے مفادات کے لیے حکومت کی بجائے اپنے اتحاد و قوت پر بھروسا کرنا شروع کر دیا

6۔ الگ وطن کا مطالبہ:

ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری نے برعظیم کے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ کریں جس میں ان کا مذہب، ثقافت اور زبان محفوظ رہ سکے
چناں چہ 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں ''قرار داد لاہور'' منظور ہوئی اور سات سال کی جدوجہد مسلسل کے بعد مسلمان ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

............☆☆............

Marfat.com

تیرہواں باب

آل انڈیا کانگرس کا قیام

جواب: انیسویں صدی کے نصف آخر میں برعظیم پاک و ہند میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں بہت سے انجمنیں وجود میں آئیں۔ اس سیاسی بیداری کے پس منظر میں بہت سے معاشی، معاشرتی اور سیاسی عوامل کارفرما تھے۔

ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہونے اور کانگرس کے قیام کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ سیاسی وحدت۔
2۔ ذرائع مواصلات میں ترقی۔
3۔ برطانیا سے فاصلے کی کمی۔
4۔ تعلیمی ترقی۔
5۔ معاشی بدحالی۔
6۔ سماجی تحریکیں۔
7۔ پریس کا فروغ۔
8۔ جنگ آزادی کے بعد عوام سے امتیازی سلوک۔
9۔ لارڈ لٹن کے دور میں امتیازی قوانین کا نفاذ۔
10۔ البرٹ بل۔
11۔ سماجی تحریکیں۔

1۔ سیاسی وحدت:

جنگ آزادی کے بعد پورا برعظیم انگریزوں کے نظام حکومت کے تحت آ گیا اور اس طرح یہ ایک سیاسی وحدت بن گیا۔ انگریز نے پورے ہندوستان میں ایک ہی نظام حکومت اور ضابطہ قانون نافذ کر کے یہاں کے باشندوں کو ایک وحدت کا احساس دلایا۔ اس سے ہندوستانیوں میں سیاسی آزادی کا شعور بیدار ہوا۔

Marfat.com

2۔ ذرائع مواصلات میں ترقی:

جنگ آزادی کے بعد برعظیم میں ذرائع مواصلات میں حیرت انگیز حد تک ترقی ہوئی۔ پورے ملک میں سڑکوں اور ریلوں کا جال بچھا دیا گیا۔ ڈاک اور تار کے محکمے قائم ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ملک کے مختلف حصوں میں بسنے والے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ اس طرح سیاسی بیداری اور آزادی کے لیے راہ ہموار ہوئی۔

3۔ برطانیہ سے فاصلے کی کمی:

نہر سویز کی تعمیر کے باعث برعظیم اور برطانیہ کے درمیان سفر آسان اور مختصر ہو گیا۔ ہندوستانی برطانیہ پہنچ کر مغربی تہذیب و سیاست کا مطالعہ کرنے لگے۔ انگریز قوم کی آزادی پسندی کو ہندوستانیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو جذبہ حب الوطنی ان کے دلوں میں انگڑائی لینے لگا۔ انگریزوں کے لیے بھی وطن واپس پہنچنا سستا اور آسان ہو گیا۔ اس طرح انھوں نے برعظیم میں کم رہنا شروع کیا اور یہاں کے معاملات میں دلچسپی کم ہوتی چلی گئی۔

4۔ تعلیمی ترقی:

مغربی تعلیم کے لیے انگریزی ذریعہ تعلیم تھی۔ اس طرح یہ زبان تعلیم یافتہ طبقے کی مشترکہ زبان بن گئی۔ اس زبان کے ذریعے سے تعلیم یافتہ طبقے نے انگریز کے نظام حکومت کا مطالبہ کیا۔ اس سے ان پر آزادی، مساوات، جمہوریت اور جذبہ قومیت کا راز کھلا۔ ان کے انداز فکر میں تبدیلی رونما ہوئی اور جذبہ حب الوطنی پیدا ہوا۔ مغربی نظام حکومت کے اصولوں کی روشنی میں انگریز حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لیا جانے لگا۔

انگریزوں کے زیر سایہ ایک نئے طبقے نے جنم لیا اور اس نے نئی زبان، نئے انداز، نیا فلسفہ اور نئے ہتھیار وضع کیے اور پھر ان ہی نئے ہتھیاروں کو انگریزوں کے خلاف استعمال کیا۔ تعلیم یافتہ افراد نے مغربی مفکرین سے حریت، مساوات، قومیت، جمہوریت اور حب الوطنی جیسے افکار سے گہرا اثر قبول کیا اور انھوں نے ہندوستانیوں کے لیے بھی انگریزوں کے برابر حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔

Marfat.com

5۔معاشی بدحالی:۔

مغلوں کے دور میں ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا لیکن انگریزوں کے دور میں صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی کے باوجود برعظیم کے لوگ معاشی بدحالی کا شکار تھے۔ برطانوی حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے بجائے دفاع پر زیادہ خرچ کرتی تھی اور باقی دولت انگلستان منتقل ہو جاتی تھی۔ تجارت میں درآمد اور برآمد کی تمام سہولتیں انگریزوں کو میسر تھیں۔

معاشی بدحالی کے ساتھ ساتھ قحط اور ناگہانی آفات نے بھی لوگوں کو بدحال کر دیا۔ جنوبی ہند میں 77-1976ء میں پچاس لاکھ کے قریب افراد قحط کی نذر ہو گئے اور اس وقت لارڈ لٹن (Lord Ltton) شمالی ہندوستان میں دہلی دربار منعقد کیے ہوئے تھا۔ گویا ''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ اس معاشی بدحالی نے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ غیر ملکی حکومت کے چُنگل سے چھٹکارا حاصل کریں۔

6۔سماجی تحریکیں:۔

مغربی افکار کی بدولت مسلمانوں اور ہندوؤں میں کئی علمی سماجی اور مذہبی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان میں سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی راجا رام موہن رائے کی تحریک ''برہمو سماج'' ٹیگور کی تحریک ''دیو سماج'' سردیانند سرسوتی کی تحریک ''آریا سماج'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تحریکوں کے فروغ سے ہندوستانیوں نے روشن ہند کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ ان تحریکوں نے عوام کے شعور کو بیدار کر کے سیاست کی راہ دکھائی۔

7۔پریس کا فروغ:

اس دور میں ہندوستانی پریس نے بھی خاصی ترقی کی۔ ملکی اخبارات و رسائل عوام کے جذبات اور خیالات کے ترجمان بن گئے۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق، دی بنگالی، بمبئے، سماچار اور انڈین میرر (Indian Mirror) کی دلچسپ اور جذباتی تحریروں نے ہندوستانیوں میں روشن خیالی پیدا کی۔ پریس کی بدولت عوام ملکی اور غیر ملکی حالات سے باخبر رہنے لگے۔ اخبارات نے رائے عامہ کی بیداری

Marfat.com

میں نمایاں حصہ لیا۔

8۔ جنگ آزادی کے بعد عوام سے امتیازی سلوک:

انگریزوں نے برعظیم کے لوگوں کو احساس کمتری کا شکار بنائے رکھنے کا طریقہ اپنائے رکھا۔ ہندوستانیوں کے ساتھ معاشرتی امتیاز برتا جاتا۔ ان کے لیے ریل کے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے پر پابندی تھی۔ اس طرح انگریز کے خلاف ردعمل ایک فطری امر تھا۔

ہندوستان کے لیے اعلیٰ ملازمتوں پر پابندی تھی۔ ملکہ وکٹوریہ نے اپنے سیاسی اعلان میں ہندوستانیوں کو نوید سنائی تھی کہ ملک کے تمام طبقات سے یکساں سلوک کیا جائے گا اور ملازمتوں کے لیے رنگ ونسل یا مذہب وملت کو روا نہیں رکھا جائے گا لیکن عملی طور پر ہندوستانیوں کے لیے اعلیٰ ملازمتوں کا حصول ناممکن بنا دیا گیا۔

9۔ لارڈ لٹن کے دور میں امتیازی قوانین:۔

انگریز نے کبھی بھی ہندوستانیوں کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھا۔ وائسرائے ہند لارڈ لٹن کے دور اقتدار میں ایسے کئی امتیازی قوانین منظور کیے گئے جس سے برعظیم کے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔

لارڈ لٹن کے امتیازی قوانین:

الف۔ جنوبی ہندوستان کو 77-1876 میں خوف ناک قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس سے پچاس لاکھ انسان لقمہ اجل بن گئے۔ لارڈ لٹن اس وقت دہلی دربار کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ 1877 میں لارڈ لٹن نے دہلی میں دربار منعقد کیا اس وقت ہندوستانیوں کی نفرت بام عروج تک پہنچ چکی تھی۔

ب۔ جنگ افغان دوم کی وجہ سے ہندوستانی خزانے پر خاصا بوجھ پڑا۔ اس کی تلافی کے لیے حکومت نے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کیے جو ان کی استطاعت سے باہر تھے۔ اس نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔

ج۔ 1878 ءمیں ورنیکلر پریس ایکٹ کے تحت ہندوستانی اخبارات کو مختلف پابندیوں میں جکڑ دیا گیا جب کہ انگریزی اخبارات اس سے مستثنیٰ تھے۔

Marfat.com

د۔ سول سروس کے امتحان کی عمر 21 سال سے کم کر کے 19 سال کر دی گئی۔ ان دنوں مقابلے کے امتحان برطانیا میں منعقد ہوتے تھے۔ اتنی چھوٹی عمر میں وہاں جا کر مقابلے کے امتحانات میں شریک ہونا مشکل تھا۔

ہ۔ قانون اسلحہ 1878ء میں منظور ہوا جس کی رو سے ہندوستانیوں پر بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا لیکن یورپی باشندوں پر ایسی کوئی پابندی نہیں تھی۔

و۔ برطانوی تاجروں اور صنعت کاروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے روئی پر سے درآمدی ٹیکس ختم کر دیا گیا۔

لارڈ لٹن کے عہد پر ایک مدبر انگریز ولیم ویڈر برن نے کہا کہ اس کے عہد کے اختتام پر ہندوستان انقلاب کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

10۔ البرٹ بل:

لارڈ لٹن کے بعد لارڈ رپن (Lord Ripn) وائسرائے ہند مقرر ہوا۔ اس نے ہندوستانیوں کے معاملات میں خاصی دلچسپی لی۔ وائسرائے نے امتیازی قوانین کو ختم کرنے کے لیے البرٹ بل (ILBERT BILL) پیش کیا جس کی رو سے دیسی عدالتیں یورپی باشندوں کے مقدمات کی سماعت کر سکتی تھیں۔ سر سید احمد خاں اور ہندوستان کے دیگر راہنماؤں نے اس بل کی پر زور حمایت کی مگر یورپی باشندوں نے اس کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ مجلس قانون ساز میں یورپی باشندوں کی اکثرت تھی اسے لیے یہ بل مسترد ہو گیا تاہم یہ بل قومی راہنماؤں کے لیے ایک پکار اور للکار بن کر گیا اور ہندوستانیوں کے لیے سیاسی تنظیم اور احتجاجی سیاست کی اہمیت واضح ہو گئی۔

11۔ سماجی تحریکیں:

اُنیسویں صدی کے آخر میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کئی مذہبی اور سماجی تحریکیں وجود میں آئیں۔ جنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کی یاد دلا کر آگے بڑھنے کی تلقین کی۔

برعظیم کی سیاسی بیداری مغربی تعلیم کی مرہون منت ہے۔ کیوں کہ مغربی تعلیم

Marfat.com

کی ابتداء بنگال سے ہوئی تھی۔ اس لیے آزادی کے لیے پہلی کوشش بھی۔ بنگال نیشنل لیگ کا قیام 1884ء میں ہوا۔ اس نے دی سٹار ان دی ایسٹ The Star in the east پمفلٹ نکال کر ہندوستانیوں کو خواب غفلت سے جگا کر آزادی کی راہ پر گامزن کیا۔

کانگرس کا قیام:

انگریزوں کے ہندوستانیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی وجہ سے بے چینی اور اضطراب بڑھنے لگا۔ لارڈ لٹن کے عہد میں ہندوستان انقلاب کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ ان حالات کی پیش نظر انگریز بھی ایک ایسے ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کرنے لگے جو تخریبی اور احتجاجی سیاست کے بجائے قراردادوں اور درخواستوں کا سہارا لے۔ اس پر مسٹر ایلن آکیوین ہیوم (Allan Ectavian Hume) نے سوچا کہ ملک میں کسی ایسے ادارے کی اشد ضرورت ہے کہ جس کے ذریعے عوام اپنے خیالات کا اظہار کر کے اپنے جذبات کی بھڑاس نکال سکیں۔ مسٹر اے ای ہیوم نے اس تجویز کو برطانوی حکام اور وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن (Lord Dufferin) کے سامنے رکھا۔ وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن نے اس منصوبے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ 28 دسمبر 1885ء کو اے ای ہیوم نے گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج بمبئی میں ڈبلیو سی بینرجی (W.C. Banneji) کی صدارت میں 72 اراکین کی موجودگی میں انڈین نیشنل کانگرس (Indian National Congress) کی بنیاد رکھی۔ مسٹر ہیوم نے خود سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔

کانگرس کے پہلے صدر ڈبلیو سی بینرجی نامزد ہوئے۔ کانگرس کے پہلے اجلاس میں صدر کانگرس وصدر اجلاس مسٹر ڈبلیو سی بینرجی نے برطانوی حکومت کی نوازشات کی تعریف کی، مغربی علوم کی اشاعت کے لیے حکومت کا شکریہ ادا کیا اور برطانوی حکومت کے ساتھ ہندوستانیوں کی وفاداری کا پرزور الفاظ میں اعلان کیا۔

کانگرس کا دوسرا اجلاس 1886ء میں کلکتہ میں ہوا۔ اس کی صدارت پارسی رہنما دادا بھائی نوروجی (Dada Bahi Naoroji) نے کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم برطانوی حکومت کے ریڑھ کی ہڈی تک وفادار ہیں اور انگریز حکومت سے جو فوائد ہمیں

Marfat.com

حاصل ہیں ہم ان کی مکمل طور پر قدر کرتے ہیں۔ اس اجلاس کے شرکا کو لارڈ ڈفرن نے گورنمنٹ ہاؤس میں گارڈن پارٹی دی۔

کانگرس کا تیسرا اجلاس 1887ء میں مدراس میں ہوا۔ اس کی صدارت مسلمان جسٹس بدرالدین طیب جی (Badru Ddin Tayyabji) نے کی۔ اس اجلاس میں بھی انگریز کی وفاداری کا اعلان کیا گیا۔ شرکاء اجلاس کو گورنر مدراس نے استقبالیہ دیا۔

کانگرس کے مقاصد:

1۔ برعظیم کے تمام باشندوں کو متحد کر کے ایک قوم کی شکل دینا۔

2۔ ہندوستانیوں میں سماجی، سیاسی، اخلاقی اور ذہنی بیداری پیدا کرنا۔

3۔ برطانوی حکومت سے برعظیم کے باشندوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ازالے کے لیے مودبانہ کوشش کرنا۔

4۔ تاج برطانیا سے وفاداری کے جذبے کو فروغ دینا۔

5۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے مناسب قدم اٹھانا۔

کانگرس متحدہ قومیت کی علم بردار تھی۔ اس لیے اس نے پہلے ہی اجلاس میں مطالبہ کیا کہ سرکاری ملازمت میں بھرتی مقابلے کے امتحان کے ذریعے کی جائے۔ یہ مطالبہ بظاہر انصاف پر مبنی تھا لیکن مسلمان جو تعلیمی میدان میں ہندو سے کہیں پیچھے تھے، کے لیے انتہائی نقصان دہ تھا۔ اگلے سال کانگرس نے مطالبہ کیا کہ صوبائی کونسلوں کے انتخاب کے لیے سادہ جمہوری طریقہ اختیار کیا جائے۔ کانگرس کا مسلمانوں کے لیے یہ مطالبہ بھی نقصان دہ تھا کیونکہ وہ عددی اعتبار سے اقلیت میں تھے۔ اس سے مقصد ہندوؤں کا مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل کرنا تھا۔

سر سید احمد خاں کا مسلمانوں کو کانگرس سے الگ رہنے کا مشورہ:

سر سید احمد خاں دو برس تک کانگرس کے مطالبات کا جائزہ لیتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر کانگرس کے مطالبات پورے ہو جائیں تو مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے سخت نقصان پہنچے گا۔ چناں چہ سر سید احمد خاں نے مسلمان کو مشورہ دیا کہ وہ کانگرس

Marfat.com

میں شمولیت اختیار نہ کریں۔

کانگرس سیاست کا اصل روپ:

1905ء کو تقسیم بنگال ہوئی جس سے مسلمانوں کو بنگال میں کچھ فوائد کی توقع ہوئی۔ لیکن مسلمانوں کا فائدہ ہندوؤں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ چناں چہ 1905ء کے بعد کانگرس جسے ہندو مسلم نمائندگی کا دعویٰ تھا، متعصب ہندوؤں کی لونڈی بن کر رہ گئی۔

کانگرس کے انتہا پسند اور متعصب لیڈروں میں بال گنگا دھر تلک سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے دشمن سیواجی مرہٹے کو قومی ہیرو قرار دیا اور اس کے فریب کو اس لیے جائز قرار دیا کہ وہ مسلم اقتدار کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح کانگرس سیاست کا اصل روپ کھل کر سامنے آگیا اور کانگرس کے اس دعوے کی قلعی کھل گئی کہ وہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

کانگرس نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور آخر 1911ء میں بنگال کی تنسیخ کردی گئی۔ ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری مسلمانوں پر عیاں ہوئی تو انھوں نے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی ترجمان اور واحد نمائندہ جماعت نے کانگرس سے برعظیم کی آزادی کے لیے کئی معاہدے کیے لیکن ہر بار کانگرس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس طرح دونوں جماعتوں کے راستے جدا ہو گئے اور مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے الگ وطن حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو گئی۔

انگریز نے آہستہ آہستہ ہندوستانیوں کے گلے کی رسی ڈھیلی کرنا شروع کی تا کہ وہ امید اور خوش فہمی میں مبتلا رہیں اور تخریبی اور احتجاجی سیاست سے باز رہیں۔ 1885ء میں کانگرس کے قیام سے بھی ہندوؤں کے دل کی آواز زبان سے سنی جانے لگی۔

انگریز نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے جس سے برعظیم میں بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑ رہی تھی۔ انگریز بھی محسوس کر رہا تھا کہ جو لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے یہ ابل کر ہندوستان کے امن و سکون کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ انگریز جنگ آزادی کے واقعات کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برطانوی حکومت نے کانگرس کے قیام کی حوصلہ افزائی کی تا کہ اسے ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات سے آگاہی

Marfat.com

ہوتی رہے۔

قانون مجالس ہند 1892ء:-

ہندوستان میں آئینی اصلاحات کا ارتقاء بتدریج ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی 1861ء کا ایک ایکٹ ہے جس کی رو سے ہندوستانیوں کو پہلی دفعہ کونسلوں میں نامزدگی ملی۔ 1861ء کے ایکٹ سے 1892ء کے قانون مجالس ہند کے دوران میں ہندوستانی اپنے حقوق اور زیادہ سے زیادہ خود اختیاری کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔

جب کونسلوں کی توسیع اور ان میں منتخب عناصر کی شمولیت کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا گیا تو لارڈ ڈفرن نے ہنگامہ آرائی سے بچنے کے لیے مزید اصلاحات کی سفارش کی۔ یہ سفارشات 1892ء کے قانون مجالس ہند کی شکل میں منظور ہوئیں۔

1۔ گورنر جنرل کو اپنی کونسل میں انتظامی ارکان کے علاوہ کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سولہ ارکان کی نامزدگی کا اختیار دیا گیا جب کہ مدراس اور بمبئی کے گورنر اپنی کونسلوں میں کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ بیس ارکان نامزد کر سکتے تھے۔ اس طرح بنگال کا گورنر بیس اور صوبہ اودھ کا گورنر پندرہ ممبر نامزد کر سکتا تھا۔

2۔ زائد ارکان میں سے 2/5 کا غیر سرکاری ہونا ضروری تھا۔

3۔ نئے نامزد ارکان کو مخصوص ادارے منتخب کر سکتے تھے لیکن کونسلوں کے رکن بننے کے لیے ضروری تھا کہ اسے گورنر جنرل یا متعلقہ گورنر نامزد کرے۔

4۔ کونسلوں کے ممبران چھے دن کا نوٹس دے کر سوال پوچھ سکتے تھے۔

5۔ کونسل کا صدر بغیر وجہ بتائے سوال مسترد کر سکتا تھا۔

6۔ بجٹ پر بحث کی اجازت دے دی گئی۔

قانون مجلس ہند کا جائزہ:

1892ء کے ایکٹ کو ہندوستان کے آئینی اصلاحات کے ارتقاء میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں پہلی بار انتخابات کے اصول انتخاب بالواسطہ کو شامل کیا گیا۔ میونسپل کمیٹیاں ڈسٹرکٹ بورڈ، یونیورسٹیاں اور چیمبرز آف کامرس اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے تھے اور پھر گورنر جنرل یا متعلقہ گورنر نامزد کرتا تھا۔ ان اداروں کے انتخاب

Marfat.com

کے بغیر حکومت کی نامزدگی ممکن نہیں تھی۔

حکومت کونسل کے غیر سرکاری ارکان کے نقطہ نظر سے آگاہ ہو جاتی تھی اور کونسل کے ممبروں کے سامنے اپنی معاشی پالیسی کی وضاحت کر کے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتی تھی۔

کونسلوں کا بجٹ سازی میں کوئی عمل دخل نہیں تھا تاہم وہ بجٹ پر مجموعی نظر ڈال کر اس کی خوبیوں اور خامیوں پر تبصرہ کر سکتے تھے۔

ووٹ کا حق عوام کی بجائے صرف مخصوص اداروں کو ہی حاصل تھا۔ عوام میں سے بھی بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار ہی ووٹر ہو سکتے تھے۔ اس لیے بعض صورتوں میں انتخابی حلقہ صرف محدود ووٹروں پر ہی مشتمل ہوتا تھا۔

کونسلوں میں غیر سرکاری ارکان کی تعداد بہت کم تھی۔ وائسرائے کی کونسل کے چوبیس ارکان میں سے چودہ سرکاری اور دس غیر سرکاری ہوتے تھے۔ وائسرائے کی کونسل میں پنجاب کو کوئی نمائندگی حاصل نہیں تھی جب کہ بنگال کی سات کروڑ آبادی کی نمائندگی صرف سات ارکان کرتے تھے۔

قانون مجلس ہند 1892ء کو قانون مجلس ہند 1861ء پر ہر اعتبار سے برتری حاصل تھی۔ یہ کہا جائے کہ انگریز دھیرے دھیرے ہندوستانیوں کو اقتدار میں شامل کر رہا ہے تھا تو بے جا نہیں ہوگا۔

ہندوستانی بھی زیادہ سے زیادہ خود اختیاری کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔ اگرچہ وہ اس نمائندگی کو غیر موثر جانتے تھے لیکن حکومت کے معاملات میں عمل دخل کو کافی سمجھتے تھے۔ جس طرح حکومت اقتدار میں ہندوستانیوں کو سست روی سے شامل کر رہی تھی اتنی ہی تیزی سے ہندوستانی حق خود اختیاری کے لیے کوشاں تھے۔

یہ ایکٹ انگریز کی بخشی ہوئی مخصوص جمہوریت کی طرف پہلا قدم تھا۔ جس سے تمام تر فائدہ ہندو کو پہنچا۔ اس ایکٹ کے بعد تمام ہندوستان میں انتخاب کرانے کے انتظامات کیے گئے۔ پنجاب میں ایک کونسل قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ نئے قوانین پر بحث کی اجازت مل گئی ہے۔

............☆☆...........

Marfat.com

چودھواں باب

تقسیم بنگال

بنگال کا صوبہ بہت وسیع و عریض اور بے آباد تھا۔ حکومت کے لیے بڑا مشکل تھا کہ کلکتے سے اتنے بڑے صوبے کا انتظام چلا سکے۔ اس لیے اس کی تقسیم ایک انتظامی معاملہ بن گیا تھا۔ لیکن تقسیم بنگال برعظیم کی تاریخ میں ایک ہنگامہ خیز واقعہ ثابت ہوئی۔ اس نے آل انڈیا نیشنل کانگرس کے متحدہ قومیت کی قلعی کھول دی اور اس کا دعویٰ باطل ہو گیا کہ وہ ہندوستان کے سب طبقوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ تقسیم بنگال نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندو کو مسلمانوں کی بہتری ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اس واقعے نے ہندو مسلم تعلقات کو کشیدہ کر دیا۔ مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور سیاسی میدان میں ہندوؤں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔

تقسیم کی وجوہات:

1۔ صوبہ کی وسعت۔
2۔ انتظامی مسائل۔
3۔ مشرقی علاقوں میں پس ماندگی۔
4۔ ذرائع مواصلات کی کمی۔
5۔ تعلیمی اور ثقافتی ضرورت کی اجارہ داری۔
6۔ تمدن و زبان میں فرق۔
7۔ صنعت و تجارت کی اجارہ داری۔
8۔ کلکتہ شہر پر بڑھتا ہوا دباؤ۔

Marfat.com

1۔صوبہ کی وسعت:

بنگال کے صوبے میں موجودہ بنگلا دیش، مغربی بنگال، بہار اور اڑیسہ کے علاقے شامل تھے۔ یہ علاقے کی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے برعظیم کے تمام صوبوں سے بڑا تھا۔ ابتدا میں بنگال کا حاکم ہی گورنر جنرل کہلاتا تھا۔۔ بعد میں اُسے ایک الگ گورنر کے ماتحت کر دیا گیا۔ 1905ء میں اس صوبے کا انتظام چلانا گورنر کے بس کی بات نہ تھی۔ گورنر اس صوبے کے ڈھاکا اور چٹاگانگ جیسے اہم شہروں کا دورہ بھی پانچ سالوں میں صرف ایک بار ہی کر سکتا تھا۔

حکومت صوبے کی وسعت کو محسوس کر رہی تھی لارڈ کرزن (Lord Curzon) کے ہندوستان مین آنے سے قبل حکومت صوبے کو تقسیم کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

2انتظامی مسائل:

اتنے وسیع صوبے میں نظم و نسق بحال رکھنا اور اس میں امن و امان قائم رکھنا بڑا مشکل تھا۔ مشرقی اضلاع کے جنگلات ڈاکوؤں اور چوروں کے اڈے بن کر رہ گئے تھے۔ جرائم کی تعداد تشویش ناک حد تک بڑھ گئی تھی۔

مشرقی اضلاع مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے پس ماندہ تھے۔ یہ اضلاع دریاؤں، ندی نالوں، دلدلوں اور جنگلات کی وجہ سے آفت زدہ رہتے تھے لیکن حکومت ان کی کوئی موثر مدد نہیں کر سکتی تھی۔ ان اضلاع کے لوگوں کو انصاف حاصل کرنے کے لیے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے فیصلے خود ہی کر لیتے تھے۔ جرائم کے انسداد کے سلسلے میں بھی حکومت کوئی موثر کارروائی کرنے سے قاصر تھی۔

3۔مشرقی علاقوں میں پس ماندگی:

مشرقی علاقے مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے حکومت کی ترقیاتی سکیموں سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت کی ساری توجہ کلکتہ اور اس کے ملحقہ ضلعوں تک محدود رہتی تھی۔ بڑے بڑے زمین دار اور جاگیردار کلکتہ میں رہتے تھے۔ مشرقی اضلاع کی ذرخیز زمینوں کو اپنے گماشتوں کے ذریعے سے قابو میں رکھے ہوئے تھے۔ ان حالات

Marfat.com

سے کاشتکاروں اور زمینداروں میں تلخی پیدا ہونا قدرتی امر تھا جس کے ازالے کے لیے تقسیم ضروری تھی۔

4 ذرائع مواصلات کی کمی:-

صوبے کے مشرقی اضلاع دریاؤں اور ندی نالوں کی گزرگاہوں، دلدلوں اور گھنے جنگلوں کی وجہ سے اور مرکز سے دور ہونے کے باعث ذرائع آمد و رفت بہت پس ماندہ تھے۔اس وجہ سے یہ اضلاع ہمیشہ بدانتظامی کا شکار رہتے تھے۔

5۔تعلیمی وثقافتی ضرورت:

بنگال کے مغربی اضلاع میں تعلیم اور ثقافت فروغ پا رہی تھی۔اس طرح بنگال ثقافتی اعتبار سے بھی دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا تھا۔مشرق بنگال پس ماندگی اور زبوں حالی کا نام تھا تو مغربی بنگال خوش حالی کی علامت بن گیا تھا۔بنگلا زبان اور بنگلا ثقافت مغربی اضلاع میں فروغ پا رہی تھی۔تعلیمی سہولتیں بھی مغربی حصے کو زیادہ میسر تھیں۔

6۔تمدن و زبان میں فرق:

مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور مغربی بنگال میں ہندو عددی اکثریت میں تھے۔اس طرح ثقافتی اعتبار سے یہ صوبہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ مغربی اضلاع والے مسلم بنگلا کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگے تھے۔اس لیے ضروری تھا کہ مشرقی اضلاع کے باسیوں میں خود اعتمادی بحال کرنے کے لیے انھیں مغربی اضلاع سے الگ کر کے ترقی کے مواقع مہیا کیے جاتے۔

7۔صنعت و تجارت کی اجارہ داری:

ملازمتوں اور صنعت و تجارت پر مغربی بنگالیوں کی اجارہ داری تھی۔ یہ لوگ مشرقی اضلاع کو پس ماندہ رکھ کر انھیں اپنی معاشی گرفت میں لیے ہوئے تھے۔ پٹ سن مشرقی اضلاع کی پیداوار تھی مگر اس کی مصنوعات کے کارخانے مغربی اضلاع میں بنائے گئے تھے۔

Marfat.com

8۔کلکتہ شہر پر بڑھتا ہوا دباؤ:

کلکتہ کی رونق دوبالا ہو رہی تھی۔ جب کہ چٹا گانگ کی بندرگاہ عدم توجہ کا شکار تھی۔ مرکزی اور صوبائی دارالحکومت ہونے کی وجہ سے کلکتہ انگریز کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔

کلکتہ دریائے ہگلی کے کنارے ہونے کی وجہ سے طغیانی کے ایام میں جہازوں کو بندرگاہ سے دور رہنا پڑتا جب کہ چٹا گانگ ایک عمدہ قدرتی بندرگاہ تھی لیکن مشرقی اضلاع میں ہونے کی وجہ سے عدم توجہ کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔

کلکتہ صوبائی اور مرکزی دارالحکومت ہونے کی وجہ سے بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسرے علاقوں سے منتقل ہونے والے لوگوں کی آبادی کے دباؤ کا شکار تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ مشرقی اضلاع کو الگ کر کے چٹا گانگ کو بھی اہمیت دی جائے تا کہ اس بڑھتی ہوئی آبادی اور نقل مکانی کے رجحان کو کم کیا جائے۔ تقسیم سے مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کو یکساں ترقی کے مواقع ملیں اور ان کی محرومیوں کا ازالہ ہو اور تقسیم کے باعث بہتر نظم و نسق سے حکومت کی گرفت مضبوط ہو۔

تقسیم کی تجویز:

1874ء میں آسام صوبہ بنا اور اسے صوبہ بنگال سے الگ کر دیا گیا۔
1899ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند بن کر آیا تو اس نے انتظامیہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے پر زور دیا۔ 1904ء میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے خود بنگال کے مشرقی علاقوں کا دورہ کیا اور 1905ء میں لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کی ایک تجویز منظوری کے لیے لندن بھیج دی جو معمولی ترمیم کے بعد منظور کر لی گئی۔

تقسیم بنگال 16 اکتوبر 1905ء کو لارڈ کرزن نے بنگال کی تقسیم کا اعلان کیا۔ نئے صوبے کا نام مشرقی بنگال و آسام رکھا گیا۔ اس صوبے میں آسام و سلہٹ، چٹا گانگ ڈھاکا، راج شاہی اور مالدہ کے علاقے شامل تھے۔ ڈھاکا تاریخی شہر اس نئے صوبے کا صدر مقام قرار پایا۔ اس نئے صوبے کا رقبہ ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو مربع میل اور آبادی ایک کروڑ دس لاکھ تھی۔

Marfat.com

مسلمانوں کا ردعمل:

مسلمانوں نے تقسیم کا مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن جلد انھیں تقسیم بنگال کے فوائد کا احساس ہو گیا۔ مشرقی بنگال کے مسلم راہنماء نواب سر سلیم اللہ خان نے اسی روز حکومت برطانیا کا شکریہ ادا کیا۔

ہندوؤں کا ردعمل:

تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کا ردعمل بہت شدید تھا۔ ہندوؤں نے تقسیم بنگال کو بنگالی قوم کے خلاف ایک سازش قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس طرح حکومت بنگالی قوم میں تفریق اور نفرت پیدا کرنا چاہتی ہے۔

تقسیم بنگال کے اثرات:

1۔ مشرقی بنگال کی ترقی۔
2۔ ڈھاکا کے شہر کی اہمیت میں اضافہ۔
3۔ تعلیمی وثقافتی ترقی۔
4۔ معاشی استحصال سے نجات۔
5۔ کلکتہ پر آبادی کے دباؤ میں کمی۔
6۔ مشرقی علاقوں کی محرومی کا ازالہ۔
7۔ مشرقی بنگال کے مسلمان ترقی کی راہ پر۔
8۔ سودیشی تحریک۔
9۔ دہشت گردی۔

1۔ مشرقی بنگال کی ترقی:

تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال کو برعظیم کے ایسے صوبے کی حیثیت حاصل ہوگئی جہاں مسلمان اکثریت میں تھے۔ اس طرح مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور ان کی ترقی کے امکانات روشن ہو گئے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کا یہ مفاد ایک آنکھ نہ بھایا، انھوں نے تقسیم بنگال کی مخالفت میں طوفان کھڑا کر دیا۔

Marfat.com

2۔ ڈھاکا کی شہر کی اہمیت میں اضافہ:

ڈھاکہ ایک تاریخی شہر اور قدرتی بندرگاہ تھی۔ جب اسے مشرقی بنگال کا صدر مقام بنایا گیا تو اس کی رونق دوبالا ہوگئی۔ ڈھاکا مشرقی بنگال کا تجارتی مرکز بن گیا۔ ڈھاکا سے مسلم اخبارات جاری ہوئے۔ ڈھاکا میں عدلیہ اور انتظامیہ کے دفاتر قائم ہوئے گویا ڈھاکا کلکتے کا ہم پلہ شہر بن گیا۔

3۔ تعلیمی وثقافتی ترقی:

مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کی غرض سے ڈھاکا میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ نئے ماحول میں جب مسلمانوں کو تعلیم کی بہتر سہولتیں میسر آئیں تو ان کی تعداد میں پانچ سال میں 35 فی صد کا اضافہ ہوا۔ تعلیمی ترقی نے مسلمانوں کو سیاسی شعور عطا کیا جس کی بدولت وہ ملکی معاملات میں زیادہ دلچسپی لینے لگے۔

4۔ معاشی استحصال سے نجات:

مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ مشرقی بنگال کے الگ صوبے بننے سے ملازمتوں میں مسلمانوں کی کثریت کا امکان روشن ہوگیا۔ مشرقی بنگال چائے اور پٹ سن کا گھر تھا اس تقسیم سے مشرقی بنگال میں کارخانے لگنے کا اور اس سے مسلمانوں کی خوش حالی کی امید پیدا ہوگئی۔

5۔ کلکتہ پر آبادی کے دباؤ میں کمی:

کلکتہ بنگال کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے انگریز اس کی تعمیر و ترقی میں خاص توجہ دیتے تھے اس لیے لوگ نقل مکانی کر کے اس شہر میں آباد ہو رہے تھے۔ اس طرح اس کی آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ لیکن تقسیم بنگال کے بعد ڈھاکا بنگال کا دوسرا بڑا شہر بن گیا اور مشرقی بنگال کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے یہ بھی انگریز کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس طرح کلکتہ پر آبادی کا دباؤ کم ہونے لگا۔

Marfat.com

6۔مشرقی علاقوں کی محرومی کا ازالہ:

مشرقی بنگال کی آمدنی کا بڑا حصہ مشرقی علاقوں کی تعمیر و ترقی پر خرچ ہونے لگا۔ مشرقی علاقے ترقی کی راہ پر گامزن ہونے لگے۔ اس سے امکان پیدا ہوا کہ مشرقی علاقوں کی محرومی کا ازالہ ہو جائے گا۔ اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر کے بیان کے مطابق بنگالی ہندوؤں نے پورے بنگال اڑیسہ، آسام حتی کہ یوپی تک کو اپنی چراہ گاہ بنا رکھا تھا۔

7۔مشرقی بنگال کے مسلمان ترقی کی راہ پر:

تقسیم بنگال کے بعد مشرقی بنگال کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی شروع ہوئی تو مسلمان کاشت کاروں کو ہندو زمین داروں کے ظلم وستم سے نجات ملی اور ناجائز ٹیکسوں سے چھٹکارے کی توقع پیدا ہوئی اور زمین کے مالکانہ حقوق کا تصفیہ ہوا۔ اس طرح مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی ترقی کے امکانات روشن ہو گئے۔

8۔سودیشی تحریک:

تقسیم بنگال کو منسوخ کرانے کے لیے ہندوؤں نے 7اگست 1905ء کو سودیشی تحریک کا آغاز کیا۔ غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کیا اور سودیشی تحریک میں کانگرس نے کھدر کے کپڑے کا استعمال حب الوطنی کی علامات قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو کارخانہ داروں اور تاجروں نے سودیشی تحریک کے نام پر خوب روپیا کمایا۔

9۔دہشت گردی:

1908ء میں ہندوؤں کی مخالفانہ روش نے باقاعدہ دہشت گردی کی صورت اختیار کر لی جس کے نتیجے میں ہر طرف بدامنی، بے چینی اور افراتفری کی فضا قائم ہو گئی۔ گورنر کی گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے کی کوشش کی گئی۔ وائسرائے ہند لارڈ منٹو پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہوتی چلی گئی۔

☆☆

Marfat.com

پندرواں باب

شملہ وفد

شملہ وفد کو جدوجہد آزادی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس وفد کے مطالبات میں سب سے اہم مطالبہ برعظیم کے مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب کا تھا۔ اس سے مسلمانوں کا قومی تشخص اجاگر ہوا اور دوقومی نظریے کو تقویت ملی جس کے نتیجے میں مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔

شملہ وفد کا پس منظر:

1۔ تقسیم بنگال۔
2۔ انڈین کونسل ایکٹ 1892ء
3۔ ہندو مسلم دشمنی۔
4۔ نئی اصلاحات کا اعلان
5۔ مسلم نیابت کی اہمیت
6۔ جداگانہ طریق انتخاب۔

1) تقسیم بنگال:

تقسیم بنگال کے اعلان کی وجہ سے ہندوؤں میں سخت ناراضی پائی جاتی تھی۔ نواب سلیم اللہ خاں کے الفاظ میں ہمارے بدخواہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تقسیم بنگال سے لازمی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر لیں گے۔ حد یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگرس تک چیخ اٹھی۔ اس سال 1905ء میں کلکتہ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس گوکھلے کی صدارت میں منعقد ہوا۔ حکومت کے اس فیصلے کے

Marfat.com

خلاف گو کھلے صاحب بھی بادل کی طرح گرجے اور پانی کی طرح برسے۔ بڑی تند اور شوخ تجویزیں منظور کی گئیں۔

حکومت تقسیم بنگال کے فیصلے سے غیر مطمئن ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے سوچ رہی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ تقسیم بنگال کو قائم رکھنے کے لیے مسلم قوت کو یکجا کریں اور انگریز کو اعتماد میں لیں۔

2) انڈین نیشنل کونسل ایکٹ 1892ء:

اندین کونسل ایکٹ میں مغربی جمہوریت کے سادہ طریق انتخاب سے ہندوؤں کو فائدہ پہنچا تھا۔ برعظیم کے لوگوں کے لیے جو مخصوص نشستیں رکھی گئی تھیں وہ ہندوؤں کو ہی اکثریت کی وجہ سے مل سکتی تھیں۔ ایکٹ 1892ء کے نفاذ کا جائزہ لینے والی کمیٹی نے تسلیم کیا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے کافی نمائندگی نہیں مل سکی ہے۔ مسلمانوں کی موثر نمائندگی کے لیے ضروری تھا کہ جداگانہ طریق انتخاب کے ذریعے سے مسلمان اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں۔

3) ہندو مسلم دشمنی:

ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ بنگال کے ہندوؤں کی شورش کو کانگرس نے تمام ملک میں پھیلا دیا تھا جس کے نتیجے میں کئی جانیں ضائع ہو گئی تھیں۔ مسلمان ہندوؤں کی نفرت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ہندوؤں نے اب برملا کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا دشمن انگریز نہیں بل کہ مسلمان ہیں۔

اُردو ہندی تنازعے نے بھی مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ ان کے حقوق کا تحفظ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انھیں جداگانہ نیابت کا حق نہیں دے دیا جاتا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے وہ زمینی، تمدنی، ثقافتی، لسانی اور مذہبی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے سیاسی اعتبار سے بھی انھیں جدا ہی رکھا جانا چاہیے۔

4) نئی اصلاحات کا اعلان:

1905ء میں برطانیا میں لبرل پارٹی برسر اقتدار آئی۔ اس نے اعلان کیا کہ جلد

Marfat.com

ہی برعظیم میں نئی اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔ ان اصلاحات میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری ہو گیا کہ مسلمان اپنے آپ کو ایک قوت ظاہر کریں اور انگریز کو اعتماد میں لیں۔

5) مسلم نیابت کی اہمیت:

مسلمان برعظیم کی ایک عظیم قوت رہ چکے تھے۔ ان کی شان دار ماضی کی روایات اور آثار ابھی تک برعظیم میں ان کی عظمت کی چغلی کھا رہے تھے۔ ان کی ان شاندار روایات اور ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو 1892ء کے ایکٹ میں کوئی نمائندگی نہ دی گئی تھی بل کہ انھیں ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

تقسیم بنگال نے مسلمانوں کو علمی، تہذیبی اور سیاسی طور پر سہارا دیا اور وہ ہندو سیاست کی راہ میں رکاوٹ بننے کے اہل ہو گئے۔ مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ جب تک انھیں جداگانہ نیابت کا حق نہیں دیا جاتا وہ اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے۔

6) جداگانہ طریق انتخاب:

مسلمانوں کو کانگرس کے رویئے سے مایوسی ہوئی۔ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو کانگرس سے الگ رہنے کی ہدایت کی۔ سر سید احمد خاں کی زندگی میں ہی ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید محمود اور علی گڑھ کالج کے انگریز پرنسپل مسٹر بیک نے مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کی بنا پر الگ نیابت کے حق میں ایک یادداشت مرتب کی تھی۔

مسلمان جداگانہ طریق انتخاب کے لیے انگریز کو اعتماد میں لینا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں نواب محسن الملک نے علی گڑھ کالج کے انگریز پرنسپل آرچ بولڈ (Archbold) کو وائسرائے ہند لارڈ منٹو (Lord Minto) سے وقت لینے کی ہدایت کی۔ وائسرائے نے مسلمانوں کے وفد سے ملنے اور ان کے مطالبات کو توجہ سے سننے کا یقین دلایا۔

وفد کی تیاری:

نواب محسن الملک نے سید حسین بلگرامی کی مدد سے سپاس نامہ کا مسودہ تیار کیا۔ 16 دسمبر 1906ء کو لکھنؤ میں سر عبدالرحیم کی زیر صدارت سپاس نامے کو آخری شکل دی گئی

Marfat.com

اور نواب محسن الملک نے 35 مسلم قائدین کا یک وفد تشکیل دیا جو برعظیم کے تمام صوبوں کے نمائندوں پر مشتمل تھا۔

شملہ وفد کے مطالبات:

مسلمانوں کے لیے جداگانہ طرز انتخاب:

ہندو اور مسلمانوں کے حلقے جدا جدا کر دیئے جائیں۔ مسلمان ووٹر صرف مسلمان امیدواروں کو اور ہندو ووٹر صرف ہندو امیدواروں کو ووٹ دیں۔

آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی:-

مسلمانوں کی تاریخی، ثقافتی اور سیاسی اہمیت کے پیش نظر آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں دی جائیں۔

ملازمتوں میں تناسب کا حصہ:

ملازمتوں میں مسلمانوں کو تناسب کے اعتبار سے جگہ دی جائے۔

یونیورسٹیوں میں نمائندگی:

یونیورسٹیوں کے سنڈیکیٹ اور سینٹ میں مسلمانوں کو متناسب نمائندگی دی جائے۔

مسلم یونیورسٹی کے قیام میں تعاون:

علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی کا درجہ دینے کے لیے مالی امداد دی جائے۔ اس وفد کا سب سے اہم مطالبہ مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے حصول کا تھا۔

لارڈ منٹو سے ملاقات:

35 مسلمان راہنماؤں کا یہ وفد سر آغا خان کی قیادت میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں ملا۔

Marfat.com

وفد کی پذیرائی:

لارڈ منٹو نے شملہ وفد کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا اور جداگانہ انتخاب کے اصول سے اتفاق کیا۔ لارڈ منٹو نے مسلم نمائندوں کا سپاس نامہ وزیر ہند لارڈ مارلے (Lord Morley) کے پاس بھیج دیا۔ لارڈ مارلے نے مسلمانوں کے علیحدہ نیابت کے مطالبے کو مان لیا۔

جداگانہ انتخاب کے حق نے مسلمانوں کو ایک عظیم قوت بنایا۔ اسی حق سے قومی تشخص اُجاگر ہوا۔ جداگانہ انتخاب کے حق نے ہی مسلمانوں کو حصول پاکستان کی راہ دکھائی۔ اس لیے جداگانہ انتخاب کے اصول کو قیام پاکستان کی طرف پہلا اہم قدم کہا جاتا ہے۔

..........☆☆..........

Marfat.com

سولہواں باب

آل انڈیا مسلم لیگ

برعظیم میں مسلم تاریخی، ثقافتی اور سیاسی لحاظ سے ایک عظیم قوت تھے لیکن جنگ آزادی کے بعد ان کی شان دار روایات تاریخی اور ثقافتی اقدار کو ختم کرنے اور مسلمان کو احساس کمتری کا شکار کرنے کے لیے انگریز نے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا بل کہ انگریز کے ساتھ ہندو بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔

مسلمان راہنماؤں کو انگریز اور ہندو کے اس حربے کا بخوبی علم تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کی اٹھان کے لیے اور من حیث القوم زندہ رکھنے اور قوم تشخص اجاگر کرنے کے لیے کئی اہم اقدام کیے۔

1) مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری کے لیے اقدامات:

الف: سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن۔

ب: محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔

ج: محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن۔

د: محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ۔

ہ: انجمن حمایت اسلام لاہور۔

و: محمڈن پولٹیکل آرگنائزیشن۔

الف) سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن۔

1870ء میں سید امیر علی نے برعظیم کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لیے اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم کرنے کے لیے سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس ایسوسی ایشن کا صدر دفتر کلکتہ میں تھا۔ اس کے اغراض و مقاصد میں مسلمانوں کی ترقی کے لیے تمام جائز ذرائع بروے کار لانا اور برعظیم کی دیگر اقوام سے خوش گوار

Marfat.com

تعلقات قائم کرنا تھا۔

ب) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔

1886ء میں سرسید احمد خاں نے مسلمانان ہند کی تعلیمی ترقی کے لیے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں مسلمان راہنما اپنی تقریروں سے قوم کو حوصلہ اور جذبہ پیدا کرتے۔ اس کانفرنس نے تعلیم کے ذریعے سے قوم کو سیاسی شعور عطا کیا اور اسی کانفرنس کے ڈھاکا کے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

ج) محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن۔

دسمبر 1893ء میں سرسید کے صاحبزادے سید محمود نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت اجتماعی تحریک سے دور رکھنے کے لیے اور انگریز حکومت سے تعاون کے لیے محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں نے اس کے ذریعے سے اپنے حقوق کے تحفظ کی آواز بلند کی۔

د) محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ۔

بنگال کے مسلم رہنما نواب عبداللطیف نے محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ قائم کی۔ اس کا مقصد بنگالی ہندوؤں کے زہریلے پروپیگنڈے کا توڑ پیدا کرنا اور مسلمانوں کی سیاسی تربیت کرنا تھا۔

ہ) انجمن حمایت اسلام لاہور۔

انجمن حمایت اسلام کی بنیاد 1884ء میں رکھی گئی۔ اس ادارے کے مقاصد میں مسلمان طلبہ کی تعلیم کا اہتمام کرنا تھا۔ مسلمانوں کے سماجی وثقافتی اقدار کے تحفظ اور فروغ کے لیے کوشش کرنا اور اسلام دشمنی سرگرمیوں کا تحریری وتقریری جواب دینا تھا۔

و) محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن۔

1903ء میں سہارن پور (یوپی) میں محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن قائم کی گئی

Marfat.com

جس کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ تھا۔

ان تنظیموں کے باوجود مسلمان راہنما محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی ایک سیاسی تنظیم قائم کی جائے جو مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق کا تحفظ کر سکے۔ سیاسی حقوق کے حصول کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی جس کے قیام کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ ہندی اردو تنازعہ۔
2 مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری۔
3۔ تقسیم بنگال۔
4۔ کانگرس کا متعصبانہ رویہ۔
5۔ انتہا پسند ہندو قیادت۔
6۔ فرقہ پرست ہندو جماعتیں۔
7۔ دل آزار ہندو لٹریچر۔
8۔ ہندو مسلم فسادات۔
9۔ انگلستان میں لبرل پارٹی کی کامیابی۔
10۔ شملہ وفد کی کامیابی۔
11۔ وقت کی پکار۔

1۔ ہندی اردو تنازعہ۔

1867ء کے ہندی اردو تنازعے سے ہندو کی تنگ نظری اور تعصب واضح ہو گیا۔ سر سید احمد خاں اس سے پہلے ہندو اور مسلم کو دلھن کی دو خوبصورت آنکھوں سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور دونوں قوموں کی ترقی کے لیے کوشاں تھے لیکن اس واقعے نے ان کی بھی آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو اُردو دشمنی کے ذریعے مسلمانوں کے وجود سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو کی تنگ نظری اور تعصب نے مسلمانوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کا احساس دلایا۔

2۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری۔

بیسویں صدی کے آغاز میں برعظیم کے حالات نے ایسی کروٹ لی کہ جنھوں

Marfat.com

نے مسلمانان ہند کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ ان پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ کانگر[س] متحدہ قومیت کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن وہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ سے ہمیشہ دامن بچاتی ہے۔ اس طرح مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک ملک گیر سیا[سی] جماعت کے قیام کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ سید حسن ریاض ''پاکستان ناگریز تھا'' صفحہ 51 پر لکھتے ہیں۔

''مسلمان دیکھ رہے تھے کہ وہ لاکھ سیاست سے الگ رہیں مگر سیاست نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ملک کی تحریک اور حکومت کا ہر قدم ان پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس طرح زمین کی چیزوں پر بارش، دھوپ اور ہوا''۔

3۔ تقسیم بنگال۔

تقسیم بنگال نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ رہ کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کا تصور دیا۔ اگرچہ تقسیم بنگال انگریزی حکومت نے انتظامی مشکلات کے پیش نظر کی تھی لیکن جلد ہی اس نے مسلمانوں پر ترقی کی راہیں کھول دیں۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کی یہ ترقی کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی اور انھوں نے اس تقسیم کی مخالفت شروع کر دی۔ کانگرسی لیڈروں نے اسے کل ہند مسئلہ بنا دیا۔ مسلمانوں کو اس سے یہ احساس ہوا کہ انھیں اپنے حقوق کی نگہداشت کے لیے منظم ہونا چاہیے اور اپنے ملی و سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک سیاسی تنظیم قائم کرنی چاہیے۔

4۔ کانگرس کا متعصبانہ رویہ۔

انڈین نیشنل کانگرس متحدہ قومیت کا دم بھرتی تھی اور سب ہندوستانیوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی، تقسیم بنگال نے اس کی سب ہندوستانیوں کی نمائندگی کا پول کھول دیا۔ چودھری محمد علی ''ظہور پاکستان'' میں لکھتے ہیں۔

''لیکن جب عوامی تحریکوں کا دور دورہ ہوا تو خالصۃً ہندو محرکات عمل کا زیادہ سہارا لیا جانے لگا اور اس طرح مشترکہ قومیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد ہندی قومیت کا ظاہری پراہن، غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ تھا لیکن اس کی باطنی روح ہندو اُمنگوں کی آئینہ دار تھی''۔

Marfat.com

کانگرس کے متعصبانہ رویئے نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے مسلم مفادات سے ذرہ بھر بھی دلچسپی نہیں۔ کانگرس کے تقسیم بنگال کی شدید مخالف کی بنا پر ڈھاکا کے سر سلیم اللہ خاں نے مسلمانوں کی الگ تنظیم کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔

5۔ انتہا پسند ہندو قیادت۔

بال گنگا دھر تلک (Bal GANGA Dehr Tilk) اور سر یندر ناتھ بینرجی (Erander Nath Bneerji) جیسے متعصب اور تنگ نظر ہندو لیڈر کانگرس اور ہندو سیاست پر چھا گئے۔ کانگرس کو ہندوستان کی واحد سیاسی جماعت ہونے کا دعویٰ تھا لیکن اس کی باگ دوڑ انتہا پسند ہندو لیڈروں کے ہاتھ میں تھی جو ہندوستان کو مسلمانوں کے وجود سے صاف کرنا چاہتے تھے۔ کانگرس کے پلیٹ فارم سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا اور مسلمانوں کے خلاف تحریکیں شروع کی گئیں۔ مسلمانوں کو ملیچھ (ناپاک) کہ کر ہندو راج قائم کرنے کے لیے کوششیں تیز تر کر دی گئیں۔ ہندو مسلمانوں سے اس دور کا انتقام لینا چاہتے تھے جو وہ کئی صدیاں یہاں کے حکمران رہے تھے۔

بال گنگا دھر تلک مسلم دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے سیوا جی کو اس لیے آزادی ہند کا ہیرو قرار دیا کہ وہ اپنی فریب کاریوں کے ذریعے ڈاکوؤں اور ملیچھوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتا تھا۔ محرم کی طرز پر اس نے گنپتی کا میلا شروع کیا جس میں مسلمانوں کے خلاف گیت گائے جاتے اور انھیں برا بھلا کہا جاتا۔ اس طرح اس نے ہندوستان میں مسلم دشمنی کا بیج بو دیا جو متواتر پروان چڑھتا رہا۔

6۔ فرقہ پرست ہندو جماعتیں۔

اُنیسویں صدی کے آخر میں کئی انتہا پسند جماعتیں احیائے ہندومت کے لیے میدان عمل میں آئیں۔ آریا سماج نے مسلمانوں کو ملیچھ قرار دیا اور اس کے بانی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اسلام کے خلاف کیچڑ اچھالا۔

ہندو مہا سبھا مسلم دشمنی اور مخالفت میں سب سے بڑھ گئی۔ اس نے ہندومت کے احیاء کے لیے اور ہندوستان کو غیر ہندو عناصر سے پاک کرنے کی تحریک چلائی۔ اس

Marfat.com

کا نعرہ تھا ''شدھی ہو جاؤ یا ہندوستان چھوڑ دو'' یعنی ہندومت کو قبول کر لو یا ملک سے ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح فرقہ پرست ہندو جماعتوں نے ہندو نوجوانوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت کی فضا ہموار کر دی۔

7۔ دل آزار ہندو لٹریچر۔

اس دور میں بنگالی ادب میں ایسی کتابیں لکھی گئیں جن کا مقصد مسلمانوں کے دور اقتدار کو داغ دار کرنا اور مسلم تہذیب وتمدن میں کیڑے نکالنا تھا۔ ان کتابوں میں مسلمانوں کو غاصب اور ڈاکو قرار دیا گیا اور ان کے عہد حکومت کو ہندو دشمنی کا دور قرار دے کر ان کے ہر نقش کو ہندوستان سے مٹانے کی ترغیب دی گئی۔ ایسی ہی دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' اور بنکم چندر چیڑجی (Bincum Chindar Chirrji) کا ناول ''انندمٹھ'' تھا۔ ستیارتھ پرکاش میں اسلام پر رکیک حملے کیے گئے اور انندمٹھ میں مسلمانوں کو غاصب، لٹیرا اور جنونی کہ کر ان کو ہندوستان سے مار بھگانے کی راہ دکھائی گئی۔ ''بندے ماترم'' کا دل آزار ترانہ کانگرس نے اسی ناول سے لیا تھا۔

8۔ ہندو مسلم فسادات

ہندوؤں کے نزدیک گائے ایک مقدس جانور ہے۔ مسلمان گائے کا گوشت کھاتے تھے۔ 1882ء میں آریا سماج نے گائے کی حرمت کا نعرہ لگایا اور گاؤ ماتا کی حفاظت کے لیے ''گاؤ رکھشا'' کی تنظیم قائم کر لی۔

جنوبی ہند کے ہندوؤں نے محرم کے دنوں میں گنپتی کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منانا شروع کیا۔ ہولی کے تہوار پر مسلمانوں پر گندگی پھینکی جاتی۔ پیپل کے درخت کی ٹہنی کاٹنے پر مسلمانوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔ ہندوؤں نے مساجد کے سامنے نماز کے اوقات میں ڈھول اور باجے بجانے شروع کر دیئے۔ اس طرح کئی مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے اور دونوں قوموں کے درمیان میں کشیدگی بڑھتی چلی گئی۔

9۔ انگلستان میں لبرل پارٹی کی کامیابی۔

1905ء کے انتخابات میں برطانیہ میں لبرل پارٹی (Liberal Party) برسر اقتدار آئی۔ اور وزیر ہند لارڈ مارلے (Lord Morley) نے برعظیم میں آئینی

Marfat.com

سلاحات نافذ کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مسلمانوں نے ایک سیاسی تنظیم کی ضرورت کو بری
رح محسوس کیا جو نئی آئینی اصلاحات میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کر سکے۔ اس سلسلے
ں فوری اقدام شملہ وفد کی صورت میں کیا گیا۔ اور اگلے سال مسلمانوں میں سیاسی تنظیم
ئم کی گئی جو کانگرس کے مقابلے میں مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لیے سیاسی
رو جہد کرے۔

10۔ شملہ وفد کی کامیابی۔

تقسیم بنگال اور انگلستان میں لبرل پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد نواب
سن الملک نے سارے ملک سے 35 مسلمان راہنماؤں کا ایک نمائندہ وفد تیار کیا جو یکم
کتوبر 1906ء کو وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے سر آغا کی قیادت میں شملہ کے مقام پر ملا۔
س وفد نے وائسرائے ہند کے سامنے ایک عرض داشت پیش کی اور مسلمانوں کے لیے
جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔

شملہ وفد کی کامیابی سے مسلمانوں نے ضرورت محسوس کی کہ مسلمانوں کی
یک سیاسی تنظیم ہونی چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے
جد مسلسل کرے۔

11۔ وقت کی پکار۔

مسلمان ایک عرصہ تک سیاست سے دامن بچاتے رہے تھے لیکن اب کانگرس
کی ہندو نواز پالیسی سے مسلمانوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس سے
مسلمانوں کو احساس ہونے لگا تھا کہ انھیں اب ایک سیاسی جماعت بنانا پڑے گی۔

انگلستان میں لبرل پارٹی کی کامیابی کے بعد وزیر ہند لارڈ مارلے نے
ہندوستانیوں کی آئینی اصلاحات کا مژدہ سنایا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو فوری طور پر ایک
سیاسی تنظیم کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مسلم لیگ کا قیام:

شملہ وفد کے ارکان ابھی شملہ میں ہی تھے کہ نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکا
نے انھیں خط کے ذریعے ایک سیاسی تنظیم قائم کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

Marfat.com

چناں چہ شملہ وفد کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلا
میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی داغ بیل ڈالی جائے۔1906ء میں نواب وقارالملک
صدارت میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکا میں ہوا جس میں آل ا
مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تا کہ مسلمانوں کے سیاسی محاذ کی منصوبہ بندی اور نمائندگی
جاسکے۔سر آغا خاں اس کے پہلے صدر اور سید حسن بلگرامی اس کے سیکرٹری چنے گئے
گڑھ میں مسلم لیگ کا صدر دفتر قائم کیا گیا جو 1910ء میں لکھنؤ منتقل ہوا۔ مسلم لیگ
دستور اساسی مولانا محمد علی جوہر نے تیار کیا۔

اغراض و مقاصد:

(1) برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم۔
(2) مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ۔
(3) برعظیم کی دیگر اقوام سے مفاہمت پیدا کرنا۔

(1) برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم:

ہندوستان کے مسلمانوں میں برطانوی حکومت کے لیے وفاداری کا جذبہ پید
کرنا اور حکومت کی کارروائیوں اور مسلمانوں کے اقدامات سے پیدا شدہ غلط فہمیوں ک
ازالہ کرنا تا کہ برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم پیدا ہو۔

(2) مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ:

مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور ان کے مطالبات کو حکومت تک
پہنچا کر اس کی توجہ مبذول کرانا۔

(3) برعظیم کی دیگر اقوام سے مفاہمت پیدا کرنا:

مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی قربانی دیے بغیر برعظیم کی دیگر اقوام کے
ساتھ مفاہمت اور رواداری پیدا کرنا تا کہ ہندوستان کی ترقی میں مسلمان اپنا کردار اد
کر سکیں۔

30 دسمبر 1907ء کو مسلم کا پہلا اجلاس کراچی میں بمبئی کے سر آدم جی پیر بھائی

Marfat.com

ی صدارت میں ہوا۔ اس میں مسلم لیگ نے بالا اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ دوسرا جلاس 18 مارچ 1908ء کو جسٹس شاہ دین ہمایوں کی صدارت میں علی گڑھ میں ہوا۔ سرا اجلاس 30 دسمبر 1909ء کو امرتسر میں سر علی امام کی صدارت میں ہوا۔

سلم لیگ کے نصب العین میں تبدیلی:

1911ء میں صوبہ بنگال کی تقسیم کو منسوخ کر دیا گیا حالاں کہ مسلمانوں کو کئی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ یہ برقرار رہے گی۔ اس سے مسلمانوں کے جذبہ وفاداری کو نت دھچکا لگا۔

چناں چہ 1913ء میں مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کر لی گئی اور حسب ذیل سلم لیگ کے مقاصد قرار پائے۔

- حکومت خود اختیاری کا ہندوستان کے مناسب حال اور موزوں نظام قائم کرے۔
- حکومت موجودہ نظام میں فوری اصلاحات نافذ کرے۔
- قومی اتحاد کو ترقی دینے کے لیے ہندوستان کی دیگر اقوام سے تعاون کیا جائے۔

کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت:

مسلم لیگ کے نئے مقاصد کانگرس کے مقاصد سے ہم آہنگ تھے۔ اس طرح اس تبدیلی سے ہندو مسلم اتحاد کے لیے راہ ہموار ہوگئی۔ 1913ء میں قائد اعظم مولانا محمد علی اور سید وزیر حسن کی تحریک سے مسلم لیگ میں شامل ہوئے ''مسلم لیگ کے بانیوں کا خیال تھا کہ جماعت کانگرس کے حریف کی حیثیت سے کام کرے گی لیکن محمد علی جناح نے لیگ میں شرکت کرتے ہی نقطہ نظر ہی بدل دیا۔ مسلم لیگ کے پنڈال میں کانگرس کی تعریف ہونے لگی۔

بقول مسز سروجنی نائیڈو (Mrs.SAROJINIDO) محمد علی جناح (Cross Bencher) اتحاد کے سفیر بن گئے تھے۔

Marfat.com

مسلم لیگ کی اہمیت:

مسلم لیگ جلد ہی مسلمانوں کی اہم ترین نمائندہ جماعت بن گئی۔ اس
ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق و مفادات اور جذبات و احساسات کی احسن طر
سے ترجمانی کی۔

مسلم لیگ کے قیام نے ثابت کر دیا کہ کانگرس سارے ہندوستان کی نما
جماعت نہیں ہے بل کہ وہ صرف ہندوؤں کے مفادات کی نمائندہ جماعت ہے۔ مسل
اور ہندو دو الگ قومیں ہیں۔ جن کے مفادات بھی جدا ہیں۔ ہندوؤں کے مفادات
نگہداشت کانگرس کرتی ہے اور مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ مسلم لیگ
ذمے ہے۔

مسلم لیگ کو 1913ء میں قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میسر آ گئی۔ آپ
مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کیا اور مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ
دیا۔ آخر کار مسلمان قائداعظم کی راہنمائی میں اپنے لیے الگ وطن پاکستان حاصل کر
میں کامیاب ہو گئے۔

............☆☆............

Marfat.com

سترہواں باب

منٹو مارلے اصلاحات

1892ء کے انڈین کونسلز ایکٹ سے ہندوستانی مطمئن نہیں تھے اوران کے بے چینی میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ انگریز کچھ مزید اصلاحات نافذ کر کے بے یقینی کی کیفیت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ 1905ء میں لارڈ کرزن (Lord Curzon) وائسرائے کے عہدے سے استعفیٰ دے کر واپس انگلستان چلا گیا اوراس کی جگہ حکومت برطانیا نے لارڈ منٹو (Lord Minto) کو وائسرائے بنا کر ہندوستان بھیجا۔ اس سال لبرل پارٹی نے انگلستان میں انتخابات جیتے اور لارڈ مارلے (Lord Morley) کو وزیر امور ہند بنا دیا گیا۔ ان دونوں کے باہمی مشورے کے نتیجے میں ہندوستان کے لیے کچھ اصلاحات تجویز کی گئیں جنھوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں منظور ہو کر ایکٹ کا درجہ حاصل کیا۔ یہ قانون مجالس ہند 1909ء یا منٹو مارلے اصلاحات (Minto Morley Reforms) کے نام سے مشہور ہے۔ اس ایکٹ کے نفاذ کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

1۔ سیاسی بیداری۔
2۔ تقسیم بنگال۔
3۔ برطانیا میں لبرل پارٹی کی جیت۔
4۔ سیاسی اصلاحات کا مطالبہ۔
5۔ ہندوستان کے مستقبل کی فکر۔
6۔ 1892ء کے کونسلرز ایکٹ کی ناکافی اصلاحات۔
7۔ جاپان کے ہاتھوں روس کی شکست۔
8۔ شملہ وفد۔
9۔ مسلم لیگ کا قیام۔

Marfat.com

10۔ مغربی تعلیم کا فروغ۔

11۔ دہشت گردی۔

1۔سیاسی بیداری:

انڈین نیشنل کانگرس نے ہندوؤں میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ کانگرس متحدہ قومیت کے نعرے سے پورے ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ کررہی تھی۔اس نے مغربی طرز کی جمہوریت کے نفاذ کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ متحدہ ہندوستان میں مغربی طرز کی جمہوریت ان کے لیے سم قاتل ہوگی۔اس لیے مسلمانوں نے کانگرس سے الگ رہ کر آئینی اصلاحات کا مطالبہ کیا۔

2۔تقسیم بنگال:

تقسیم بنگال نے سیاسی طور پر مسلمانوں کو سہارا دیا تھا۔تقسیم بنگال سے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوؤں سے الگ رہ کر وہ ترقی کی منازل جلدی اور بہ آسانی طے کر سکتے ہیں۔لیکن ہندوؤں کو مسلمانوں کی ترقی کب گوارہ تھی،انھوں نے اس کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا ''نواب سلیم اللہ خاں نے کہا'' ہمارے بدخواہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تقسیم بنگال سے لازمی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کرلیں گے''۔

3۔برطانیا میں لبرل پارٹی کی جیت:

برطانیا میں 1905ء میں انتخابات ہوئے اور اس کے نتیجے میں لبرل پارٹی (Liberal Party) اپنے مشہور لیڈر گلیڈ سٹون (Glad Stone) کی قیادت میں برسراقتدار آئی۔لبرل پارٹی کا جھکاؤ کانگرس کی طرف تھا۔اس لیے کانگرس پر اُمید تھی کہ لبرل پارٹی ہندوستان میں مزید اصلاحات نافذ کرے گی،لبرل پارٹی نے لارڈ مارلے (Lord Morley) کو وزیر امور ہند بنایا۔

4۔سیاسی اصلاحات کا مطالبہ:

لبرل پارٹی کے سراقتدار آنے سے یہ امید بندھی تھی کہ وہ ہندوستان میں بھی

Marfat.com

لبرل پالیسی اختیار کرے گی۔ اس لیے ہندوؤں کی نمائندہ جماعت انڈین نیشنل کانگرس اور مسلمانوں کی ترجمان جماعت مسلم لیگ نے بھی سیاسی اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا۔

5۔ ہندوستان کے مستقبل کی فکر:

کانگرس ہندوستانیوں کے لیے مغربی طرز کی جمہوریت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مغربی جمہوریت سے مسلمان ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر رہ جاتے۔ انھیں ہندی اردو تنازعے نے چوکنا کر دیا تھا۔ اس لیے اب وہ ہندوؤں کی چالوں سے آگاہ رہنے لگے تھے۔ انھیں سیاسی مستقبل کی فکر دامن گیر تھی۔ وہ انگریز کے علاوہ ہندوؤں سے بھی اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشاں تھے۔ جدگانہ انتخابات کا مطالبہ اسی انداز فکر کا شعوری نتیجہ تھا۔

6۔ 1892ء کے کونسلرز ایکٹ کی ناکافی اصلاحات:

کانگرس ہندوستان میں ہندراج کا خواب دیکھ رہی تھی۔ اس لیے 1892ء کے ایکٹ کی اصلاحات اس کی سوچ سے کہیں کم تھیں۔ مسلمان بھی 1892ء کی اصلاحات کو ناکافی سمجھتے تھے۔ جوں جوں ہندوستانیوں میں مغربی تعلیم عام ہوتی گئی تو ان میں سیاسی شعور بھی ترقی کرتا گیا اور ان میں حکومت میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ انگریز خود بھی 1892ء کونسلرز ایکٹ کی اصلاحات کو ناکافی سمجھنے لگے تھے۔ اس لیے 1905ء میں لبرل پارٹی نے برسر اقتدار آتے ہی اعلان کیا کہ وہ ہندوستان میں مزید اصلاحات کا ارادہ رکھتی ہے۔

7۔ جاپان کے ہاتھوں روس کی شکست:

1905ء میں جاپان نے روس کو شکست فاش دی۔ اس سے برعظیم کے لوگوں نے بھی محسوس کرنا شروع کیا کہ برطانیا بھی ناقابل تسخیر نہیں ہے۔ اس یقین کے پیش نظر سیاسی آزادی اور آئینی اصلاحات کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے ہوا کے رخ کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ اس نے ہندوستان کی بے چینی اور اضطراب کے بارے میں وزیر ہند لارڈ مارلے سے ذکر کیا تو

Marfat.com

اس سے اصلاحات کی طرف توجہ تیز تر ہو گئی۔

8۔ شملہ وفد:

1906ء میں مسلمانوں کا 35 رکنی نمائندہ وفد شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملا اور اس سے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے ہند نے اس مطالبے کو مستقبل قریب میں کی جانے والی اصلاحات میں شامل کرنے کا یقین دلایا۔

9۔ مسلم لیگ کا قیام:

1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ معرض وجود میں آئی۔ اس جماعت کے مقاصد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ، انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری کے جذبے کو فروغ دینا اور ہندوستان کی دیگر اقوام کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا تھا۔ لیکن ہندوؤں کی فرقہ پرست تنگ نظر اور متعصب جماعتوں نے اسے دفاع میں لگا دیا۔ مسلم لیگ دفاعی جنگ لڑنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے سیاسی اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ بھی کرتی رہی۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا اور انھوں نے آئینی اصلاحات کا مطالبہ کیا۔

10۔ مغربی تعلیم کا فروغ:

لارڈ میکالے کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں کو مغربی تعلیم کا اتنا حصہ دیا جائے جس سے وہ دفتروں کے کل پرزے بن کر رہ جائیں۔ لیکن سائنسی ایجادات اور نہر سویز کی کھدائی نے مشرق و مغرب کے بُعد کو ختم کر دیا۔ اس طرح ہندوستانی طلبہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں پہنچنے لگے۔ وہاں انھوں نے یورپ کی آزادی اور ہندوستان کی محکومی کو بری طرح محسوس کیا۔ مغربی تعلیم کے ذریعے مغرب کے سیاسی نظریات یعنی آزادی، جمہوریت اور مساوات نے انھیں متاثر کیا۔ ان اصولوں کی روشنی میں برطانوی حکومت کی کارکردگی اور ہندوستان میں اس کے غیر جمہوری ہتھکنڈے واضح ہو گئے اور برطانیا کی دو عملی کھل کر سامنے آ گئی۔ مغربی تعلیم نے ہندوستان کے باشندوں کو قومی وحدت کا احساس دلایا اور وہ ملک کے لیے آزادی، جمہوریت اور مساوات کا مطالبہ کرنے لگے۔

Marfat.com

11۔ دہشت گردی:

تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں نے سودیشی تحریک شروع کی تھی لیکن 1908ء میں یہ تحریک دہشت گردی کی صورت اختیار کر گئی اور تخریبی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں اس تحریک کا نشانہ حکومت تھی لیکن بعد میں مسلمانوں کو مخالفت کا نشانہ بنایا گیا۔ وائسرائے نے اس دہشت گردی کو سختی سے دبانے کی کوشش کی۔ بال گنگا دھر تلک کو جیل بھیج دیا اور تحریک پر قابو پا لیا۔ لیکن وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کو اب مزید اصلاحات سے نوازنے کی ضرورت ہے۔

اس پس منظر میں لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے ہند کے باہمی مشورے کے نتیجے میں ہندوستان کے لیے کچھ اصلاحات تجویز کی گئیں۔ جنھوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں منظور ہو کر ایکٹ کا درجہ حاصل کیا۔ یہ قانون مجالس ہند 1909ء یا منٹو مارلے اصلاحات (Minto Morley Reforms) کے نام سے مشہور ہیں۔

منٹو مارلے اصلاحات کی اہم دفعات:

(الف) انتظامی کونسلوں میں توسیع۔
(ب) مجالس قانون میں توسیع۔
(ج) مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب۔
(د) اراکین مجالس کے اختیارات میں اضافہ۔

(الف) انتظامی کونسلوں میں توسیع:

منٹو مارلے اصلاحات کے تحت پہلی مرتبہ ہندوستان کو گورنر جنرل اور گورنروں کی انتظامی کونسلوں میں شامل کیا گیا۔ بمبئی، بنگال اور مدراس کی انتظامی کونسلوں کے ارکان کی تعداد دو سے بڑھا کر چار کر دی گئی۔ وزیر ہند کی کونسل میں دو ہندوستانی ممبران کا تقرر کیا گیا اور گورنر جنرل اور صوبوں کی انتظامی کونسلوں میں ایک ایک ہندوستانی ممبر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

Marfat.com

(ب) مجالس قانون میں توسیع:

اس ایکٹ کی رو سے مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز میں توسیع کی گئی۔ وائسرائے کونسل کے زائد ارکان کی تعداد کو بڑھا دیا گیا۔

(ج) مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب:

مرکزی، صوبائی اور لوکل کونسلوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب کو تسلیم کر لیا گیا۔ قانون ساز مجالس میں مسلمانوں کے لیے الگ نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔ جن کے لیے ووٹ دینے کا حق صرف مسلمان کو تھا۔ بڑے زمین داروں اور دوسری اقلیتوں کو بھی علیحدہ نمائندگی دی گئی۔

(د) اراکین مجالس کے اختیارات میں اضافہ:

قانون ساز اسمبلیوں کے فرائض میں توسیع کر دی گئی اور تمام اسمبلیوں کو بجٹ، مفاد عامہ اور دیگر مسائل پر بحث کرنے اور قراردادیں منظور کرنے کا حق دیا گیا۔

منٹو مارلے اصلاحات کا جائزہ:

یہ اصلاحات عوامی توقعات پر پوری نہ اترتی تھیں۔ تاہم اس کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں کو جداگانہ حق انتخاب دے دیا گیا۔ اس کی مندرجہ ذیل خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

الف۔ ممبران کے انتخاب کا غیر عوامی طریقہ:

ب۔ قانون سازی میں سرکاری ممبران کی بالادستی:

ج۔ ممبران میں ذمہ داری کا فقدان:

د۔ اقلیتوں کی غیر مؤثر نمائندگی:

ہ۔ مرکز کی مداخلت:

و۔ انتخابی حلقے:

Marfat.com

الف۔ممبران کے انتخاب کا غیر عوامی طریقہ:

ان اصلاحات میں بالواسطہ انتخابات کے نظام میں ابتدائی رائے دہندگان کو کونسل کے نمائندوں سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔

ب۔قانون سازی میں سرکاری ممبران کی بالادستی:

ممبران عوام کے سامنے جواب دہ نہیں تھے اور اسمبلی میں انھیں صرف بحث کرنے کی اجازت تھی۔طاقت کا سرچشمہ حکومت تھی۔اس لیے ممبران کے اندر احساس ذمہ داری پیدا نہ ہو سکا۔

ج۔ممبران میں ذمہ داری کا فقدان:

قانون سازی میں ہندوستانیوں کو مکمل طور شامل نہ کیا گیا۔صوبائی کونسلوں میں حکومت نامزد ممبران کو اپنے ساتھ ملا کر اکثریت بنا لیتی تھی اور پھر اپنی مرضی سے قانون سازی کرتی تھی۔اس طرح غیر سرکاری ممبران کی بالادستی قائم رہتی تھی۔

د۔اقلیتوں کی غیر مؤثر نمائندگی:

اقلیتوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا لیکن ان کو آبادی کے لحاظ سے مؤثر نمائندگی نہ دے کر اس طریقے کو غیر مؤثر بنا دیا گیا۔

ہ۔مرکز کی مداخلت:

حکومت کی تمام طاقت مرکز کے ہاتھوں میں تھی۔وائسرائے ہند نے صوبوں کی قانون ساز مجالس پر کئی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔

و۔انتخابی حلقے:

انتخابی حلقوں کے انتخاب میں حکومت انصاف سے کام نہ لے سکی اور بعض حلقوں کو مایوس کن حد تک مختصر کر دیا گیا۔

انگریزوں نے ان اصلاحات کے اطلاق سے یہ سمجھا کہ اس نے ہندوستانیوں

Marfat.com

کو نعمت غیر مترقبہ سے نوازا ہے۔ کانگرس نے اس کی مخالفت اس لیے کی کہ ہندوستانیوں کو ذمہ دار حکومت کے قیام کا موقع نہیں دیا گیا تھا۔ مسلمان اصلاحات میں خامیوں کے باوجود جداگانہ انتخابات کے حق کے حصول کو ایک عظیم کامیابی سمجھتے تھے۔

............☆☆............

Marfat.com

اٹھارہواں باب

تنسیخ بنگال

1910ء میں لارڈ ہارڈنگ (Load Hrdinge) وائسرائے ہند بن کر آیا۔ اس نے ہندوؤں کو لگام دینے کی کوشش کی لیکن وہ تقسیم بنگال کی وجہ سے اتنے بے لگام ہو چکے تھے کہ ان کو قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ انگریز نے تقسیم بنگال کو ختم کرنے کے لیے ایک چال چلی۔ برطانیا کا حکمران جارج پنجم اپنی ملکہ میری کے ہمراہ رسم تاج پوشی کے لیے دہلی پہنچا اور 16 دسمبر 1911ء کو شاندار دربار منعقد کیا۔ جارج پنجم نے تقسیم بنگال کو منسوخ کرتے ہوئے کہا کہ ماضی میں ہندوؤں کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کا مداوا ہو گیا ہے۔ اس لیے اب ہندوؤں کو حکومت کے خلاف کوئی باغیانہ کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔

تنسیخ بنگال 1911ء کی وجوہات:

1۔ مشرقی بنگال:
2۔ ہندو معاشی استحصال سے نجات:
3۔ سودیشی تحریک:
4۔ دہشت گردی:
5۔ ہندو مسلم فسادات:
6۔ ڈھاکا مسلم ثقافت کا مرکز:
7۔ شملہ وفد کی کامیابی:
8۔ مسلم لیگ کا قیام:
9۔ جداگانہ حق انتخاب:
10۔ انگریز کی ہندو نواز پالیسی:

Marfat.com

1۔ مشرقی بنگال:

تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر گئے۔ برعظیم کا مشرقی بنگال واحد صوبہ بن گیا جس میں مسلمان واضح اکثریت میں تھے۔ مسلمانوں کے اس طرح خاموشی سے الگ ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونا ہندو کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ہندو نے تقسیم بنگال کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیا۔

2۔ ہندو معاشی استحصال سے نجات:

مشرقی بنگال کے ہاتھ سے نکل جانے سے ہندوؤں کے ہر طبقے نے اپنے مفادات کو خطرے میں محسوس کیا۔ کیوں کہ ''بنگالی ہندوؤں کی ساری ٹھاٹ باٹھ مشرقی بنگال کے مسلمان کاشت کاروں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کی بدولت تھی۔ چناں چہ انھوں نے اس نئے صوبے کے قیام کو اپنے ثقافتی، معاشی اور سیاسی غلبہ وتسلط کے لیے خطرہ قرار دیا اور اس کے خلاف اظہار احتجاج کے لیے جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کیا''۔

3۔سودیشی تحریک:

کانگرس نے برطانوی مصنوعات کے مقاطعے اور سودیشی کپڑے کی سرپرستی کی۔ اس سے انگریزوں کو نقصان اور ہندو بنیے کو فائدہ ہوا اور سودیشی تحریک جلد ہی عوامی تحریک بن گئی۔ ہندوستانی باشندوں نے ولایتی کپڑا ترک کر کے کھدر کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ سکولوں کے طلبہ نے ولایتی کاغذ پر امتحان دینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ہندو تاجروں نے خوب ہاتھ رنگے۔ کانگرس نے انگریز تاجروں پر دباؤ ڈالا کہ اگر وہ برعظیم میں تجارتی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو حکومت انگلستان پر بنگال کی تقسیم منسوخ کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔

4۔دہشت گردی:

کانگرس نے تقسیم بنگال کو کل ہند مسئلہ بنا دیا۔ ہندو سرگرمیاں دہشت گردی کی صورت اختیار کر گئیں۔ خلاف قانون اور متشددانہ کارروائیوں کا آتش فشاں پہاڑ بن گیا۔

Marfat.com

ریل کی پٹڑی اُکھاڑنے، تار کاٹنے اور بموں کے دھماکے روزانہ کا معمول بن گئے۔ حتیٰ کہ وائسرائے ہند لارڈ منٹو پر قاتلانہ حملہ ہوا۔" اس رجحان کی ایک ابتدائی لیکن بہت نمایاں مثال وہ متشددانہ ایجی ٹیشن ہے جس کا مقصد تقسیم بنگال کو منسوخ کرنا تھا۔ وہ شروع تو بنگال سے ہوئی تھی لیکن ہند کے دوسرے حصے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے"۔

5۔ ہندو مسلم فسادات:

تقسیم بنگال نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ وہ انگریز کے بجائے مسلمانوں کو اپنا اصل دشمن خیال کرنے لگے، ہندوؤں نے مسلمانوں کو غدار اور حکومت کا پٹھو کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح دونوں قوموں کا میل جول کم ہو کر رہ گیا۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا آغاز بنگالی ادب سے ہوا اور 1907ء میں اس نے باقاعدہ ہندو مسلم فسادات کا روپ اختیار کر لیا۔

6۔ ڈھاکا مسلم ثقافت کا مرکز:

ڈھاکا مشرقی بنگال کا صدر مقام تھا۔ یہ تاریخی شہر مسلم ثقافت کا مرکز بن گیا۔ مسلمان نقل مکانی کر کے ڈھاکا پہنچنے لگے اور جلد ہی یہ قدرتی بندرگاہ مسلمانوں کی تعلیمی، ثقافتی اور تجارتی ترقی کا گہوارہ بن گیا۔ ہندوؤں کو کلکتے کے مقابلے میں ڈھاکا کی ترقی بھی کھٹکنے لگی۔

7۔ شملہ وفد کی کامیابی:

بنگال کی تقسیم سے مسلمان زندگی کے ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کرنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کامیابیوں کو دوام بخشنے کے لیے سیاسی میدان میں منظم ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ 1906ء میں 35 مسلمان راہنماؤں کا ایک وفد سر آغا خاں کی قیادت میں شملہ میں لارڈ منٹو سے ملا اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے حق کا مطالبہ کیا۔

8۔ مسلم لیگ کا قیام:

مسلمانوں میں قوم کو منظم کرنے کے لیے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی

Marfat.com

بنیاد رکھی۔ اس سے کانگرس کا متحدہ قومیت کا نعرہ بھی باطل ہو گیا۔ کانگرس تقسیم بنگال پر مسلمانوں کی مخالفت کر کے یہ ثابت کر چکی تھی ''ہندی قومیت کا ظاہری پیراہن غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ تھا لیکن اس کی باطنی روح ہندو امنگوں کی آئینہ دار تھی''۔

مسلمانوں نے مسلم لیگ کے ذریعے کانگرس اور ہندوؤں کے پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کی کوشش کی لیکن ابھی مسلم لیگ کی عمر ہی کیا تھی کہ اس کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریاں آپڑیں۔ چودھری محمد علی (ظہور پاکستان) میں لکھتے ہیں ''مسلمان جو تعلیم، سیاسی شعور اور نشر و اشاعت کے جدید ذرائع کے استفادہ میں بہت ہی پس ماندہ تھے۔ کوئی ایسی تنظیم نہ رکھتے تھے جو اس تحریک کا مؤثر مقابلہ کر سکے۔ برطانوی حکومت نے ہندوؤں کو ایجی ٹیشن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے''۔

9۔جداگانہ حق انتخاب:

منٹو مارلے اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل جانے سے ہندو اور بھی سیخ پا ہو گئے۔ ابھی تک تقسیم بنگال کا زخم ہرا تھا کہ مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کے اصول کو انگریز سے منوا لیا۔ انگریز نے اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہیں۔ ان کی شاندار روایات اور برعظیم کے سابق حکمران قوم ہونے کی وجہ سے جداگانہ انتخاب کا حق پہنچتا ہے۔ اس سے ہندوؤں نے مسلم مخالفت کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔

10۔انگریز کی ہندو نواز پالیسی:

انگریز کی فطرت پھر عود کر آئی اور اس نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے آگے بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ہندو انگریز کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ تقسیم بنگال سے مسلمانوں کو فائدے پہنچ رہے ہیں اور مسلمان انگریز کا ازلی دشمن ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں قدم جماتے ہی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ انگریز نے خود ہی بنگال کو تقسیم کیا۔ جب تقسیم سے مسلمانوں کو فائدے حاصل ہونے لگے تو تقسیم بنگال کی تنسیخ کر دی۔ تقسیم بنگال سے ہندو مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور تنسیخ بنگال سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف صف آرا

Marfat.com

نے کی کوشش کی گئی۔

جارج پنجم نے 16 دسمبر 1911ء کو دہلی کے دربار میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کر ہندوؤں کو مژدہ سنایا۔ شاہ انگلستان کا یہ اعلان مسلمانوں پر بجلی بن کر گرا۔ تقسیم بنگال تنسیخ سے مسلمان دوبارہ ہندوؤں کی محکومی میں چلے گئے۔ اس طرح ہندوؤں نے بڑی قومی فتح حاصل کر لی۔ تاہم اس واقعے نے تحریک حصول پاکستان کے سلسلے میں ندہ کے حالات کو متاثر کیا اور مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے۔

- حکومت پر بداعتمادی کا آغاز:
- ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی:
- کانگرس کے دعویٰ کی حقیقت:
- مسلمانوں کے اضطراب میں اضافہ:
- پرجوش قیادت کا اُبھرنا:
- مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی:
- مسلم اشک شوئی:
- قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت:

حکومت پر بداعتمادی کا آغاز:

حکومت کے اس فیصلے سے مسلمانوں کو بڑی مایوس ہوئی۔ تقسیم بنگال نے مسلمانوں کو قدرے سنبھالا دیا تھا۔ نواب سلیم اللہ خاں نے تقسیم بنگال پر کہا "تقسیم بنگال نے ہمیں ایک موقع دیا تھا کہ ہم اپنی بگڑی ہوئی حالت سنبھال لیں لیکن ہمارے بدخواہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تقسیم بنگال سے لازمی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر لیں گے"۔

ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے تنسیخ کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور انگریز نے بار بار مسلمانوں کو تسلی دی کہ بنگال کی تقسیم اٹل ہے لیکن آخر حکومت ہندوؤں کے دباؤ میں آگئی اور بنگال کی تقسیم کی تنسیخ کر دی۔ نواب وقار الملک نے اعلان تنسیخ بنگال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان ان حالات کا جائزہ لیں جب وہ حکومت پر بھروسا کرنا ترک کریں اور اس سے پیدا شدہ نتائج سے عہدہ برآ ہونے کے لیے

Marfat.com

تیار رہیں‘ تنسیخ بنگال سے حکومت کا وقار خاک میں مل گیا اور مسلمانوں کو اس کے وعد
پر اعتبار نہ رہا۔ مسلمانوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انگریز طاقت کے سامنے جھکنا
اور نیاز مندی کے مقابلے میں اکڑتا ہے۔

2۔ ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی:

ہندوؤں نے تقسیم بنگال کو منسوخ کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھ
سودیشی تحریک کے ذریعے برطانوی مال کا مقاطعے کر کے حکومت کو جھکنے پر مجبور کی
دہشت گردی کے ذریعے مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر تقسیم بنگال سے دست بردار کرنے
کوشش کی۔ 1905ء سے تنسیخ بنگال 1911ء کے درمیان ہندو مسلم تعلقات انتہا
کشیدہ رہے۔ تنسیخ تقسیم بنگال کے اعلان سے مسلمانوں کو اس حقیقت کا علم ہو گیا ک
انھیں ہندوستان میں اب ایک قوم سے نہیں بل کہ دو قوموں کے ساتھ جنگ لڑنا پڑے
گی۔

تنسیخ بنگال سے ہندو مسلم اختلافات انتہا کو پہنچ گئے۔ اردو ہندی تنازعے
بعد یہ دوسرا اہم واقعہ تھا جس نے ثابت کر دیا کہ ہندو مسلمانوں کے کسی فائدے
برداشت نہیں کر سکتا اور ہندو مسلم بحیثیت قوم اکٹھے نہیں چل سکتے۔

3۔ کانگرس کے دعویٰ کی حقیقت:

تقسیم بنگال کے موقعے پر کانگرس نے کھل کر ہندوؤں کی حمایت کی اور بنگال
کے مسئلے کو کل ہند مسئلہ بنایا‘ اس سے مسلمانوں پر کانگرس کی حقیقت واضح ہو گئی۔ کانگر
ہندوستان کی تمام قوموں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی لیکن تقسیم بنگال کے موقعے پر ا
نے جو طرز عمل اختیار کیا اور تقسیم بنگال کی تنسیخ کرا کے دم لیا‘ اس نے واضح کر دیا کہ و
ہندوؤں کی جماعت ہے۔

4۔ مسلمانوں کے اضطراب میں اضافہ:

تنسیخ تقسیم بنگال سے کانگرس کی مسلم دشمنی پوری طرح عیاں ہو گئی اور
انگریز کی مسلمانوں سے غداری اور عہد شکنی سے ان سے بھی خیر خواہی کی توقعات باقی نہ
رہی۔ اس طرح مسلمان ہر طرف سے اغیار کے پنجے میں آ گئے۔ مسلمان ایک عجیب موڑ

Marfat.com

کھڑے ہوئے۔ یہ موڑ دونوں قوموں سے مسلمانوں کو اس قدر دور لے گیا کہ وہ
ارہ ایک نہ ہو سکے۔

پرجوش قیادت کا اُبھرنا:

تحریک علی گڑھ کے رہنما حکومت کے ساتھ خوش گوار تعلقات کے قائل تھے۔
لم لیگ بھی اپنے ابتدائی سالوں میں ان ہی رہنماؤں کے زیر اثر رہی اور انگریز اور
دوؤں سے خوش گوار تعلقات پر زور دیتی رہی۔ لیکن تقسیم بنگال میں ہندو دشمنی اور
مب سے ان کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا اور تنسیخ بنگال سے انگریز کا اصل روپ ظاہر
۔ مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ اب مسلمانوں کو ایک قوم سے نہیں بل کہ دو قوموں کے
تھ جنگ لڑنا پڑے گی۔

اس کے بعد مسلمانوں کی قیادت اعتدال پسند راہنماؤں کے بجائے پرجوش
دانوں میں منتقل ہو گئی جو اپنے حقوق کے لیے انگریزوں کے سامنے دست سوال دراز
نے کے بجائے طاقت کے استعمال کو ضروری سمجھتے تھے۔ وہ حکومت سے تعاون کے
ے کسی قیمت پر تیار نہیں تھے۔

۔ مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی:

تنسیخ بنگال کے واقعے کے بعد مسلمانوں نے حکمرانوں سے تعلقات پر
ظر ثانی کی ضرورت محسوس کی اور اس طرح مسلم لیگ کو اپنے مقاصد میں تبدیلی کرنا
ی۔ مسلمانوں کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ حقوق و مفادات کے تحفظ کے
لیے اتحاد، تنظیم، خود اعتمادی اور اپنے قوتِ بازو پر بھروسے کی ضرورت ہے۔

۔ مسلم اشک شوئی:

انگریز نے ہندوؤں کے دباؤ میں تقسیم بنگال کی تنسیخ تو کر دی لیکن وہ مسلمانوں
کی قوت سے بھی لاعلم نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کی ناراضی کو مول نہیں لے سکتا تھا۔ جس
مت اور جوان مردی سے مسلمانوں نے تقسیم بنگال کے بعد ہندوؤں کی تحریکوں کا مقابلہ
کیا، اس نے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم ثابت کر دیا۔
حکومت نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا لیکن اس سے اس کی کمزوری، بزدلی،

Marfat.com

عہد شکنی اور غداری سامنے آ گئی جس سے وہ نادم تھی۔ چناں چہ اس نے مسلمان
اشک شوئی کے لیے ڈھاکا میں ایک اقامتی یونیورسٹی قائم کر کے اس میں علوم شر
دینیہ کی تعلیم کا مناسب بندوبست کیا اور کونسل میں مسلمانوں کی کچھ نشستیں بڑھاد
صوبے کا صدر مقام کلکتہ کے بجائے دہلی منتقل کر دیا۔

8۔قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت:

قائداعظم محمد علی جناح 1913ء میں کانگرس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے
رکن بن گئے۔ انگریز نے تقسیم بنگال کے ذریعے ہندوؤں کو جس طرح مسلمانوں
پیچھے لگایا اور پھر ہندو مسلم دشمنی، بام عروج پر پہنچا کر تقسیم بنگال کو منسوخ کیا۔ اس سے ق
اعظم اس نتیجے پر پہنچے کہ انگریز ہندو مسلم اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ چناں
قائداعظم نے ہندو مسلم اختلافات اور تلخیوں کو کم کر کے دونوں کا رخ انگریز کی طر
موڑنے کی کوشش کی۔

..........☆☆..........

Marfat.com

انیسواں باب

میثاق لکھنؤ

تقسیم بنگال کی تنسیخ نے مسلمانوں کو حکومت سے بدظن کر دیا۔ انگریز نے پہلے بنگال کو تقسیم کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور پھر اس تقسیم کی تنسیخ کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف صف آرا ہونے کا موقع فراہم کیا۔ انگریز کی اس حکمت عملی لڑاؤ اور حکومت کرو کو دونوں قومیں سمجھ چکی تھیں۔ چناں چہ انگریز کی اس سکیم کو ناکام بنانے کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اس کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے حالات پیدا ہوئے جس سے ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہوئی۔ جن عوامل نے برعظیم کی مسلم سیاست کا رخ تبدیل کیا وہ مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ تنسیخ بنگال۔
2۔ مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی۔
3۔ قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت۔
4۔ کانگرس اور ہندو مسلم مفاہمت۔
5۔ نوجوان قیادت۔
6۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تحریک۔
7۔ انگریز کی مسلم دشمنی۔
8۔ مسجد کان پور کا سانحہ۔
9۔ جنگ عظیم اول کا آغاز۔

1) تنسیخ بنگال:-

تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ انگریزوں اور مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے دہشت گردی اور ایجی ٹیشن کے حربے اختیار کیے

Marfat.com

گئے۔ اس سے نہ تو انگریز مرعوب ہوئے اور نہ ہی مسلمان خوف زدہ ہوئے لیکن چھ سال کے بعد انگریز نے اچانک تقسیم بنگال کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمان انگریز کی اس توتا چشمی اور بدعہدی پر حیران رہ گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انگریز پر بالکل اعتماد نہیں کریں گے۔

2۔ مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی:۔

تنسیخ تقسیم بنگال کے بعد مسلمانوں نے اپنے نصب العین میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ 1913ء میں مسلم لیگ کے آئین میں مندرجہ ذیل ترمیم کر لی گئی۔

(1) حکومت خود اختیاری کا ایسا نظام قائم کیا جائے جو ہندوستان کے لیے مناسب اور موزوں ہو۔

(2) حکومت موجودہ نظام میں اصلاحات نافذ کرے۔

(3) قومی اتحاد کے لیے ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

3) قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت:

قائداعظم 1913ء میں کانگرس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے بھی رکن بن گئے۔ کانگرس کے دوسرے مسلمان راہنماؤں کی طرح آپ بھی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ چنانچہ آپ نے کانگرس اور مسلم لیگ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی انتھک کوششیں کی جس کے نتیجے میں میثاق لکھنؤ طے پایا۔

4) کانگرس اور ہندو مسلم مفاہمت:

تقسیم بنگال کی تنسیخ نے مسلمانوں کو اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کر دیا۔ انگریز دشمنی ان کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ ادھر منٹو مارلے اصلاحات نے مسلم لیگ اور کانگرس کے تعلقات کو خوشگوار بنا دیا۔ اس طرح مسلمان اور ہندو انگریز مخالفت میں متحدہ ہو گئے۔ اتحاد و اشتراک پہلی دفعہ میثاق لکھنؤ میں اور آخری بار تحریک خلافت میں دیکھنے میں آیا۔

Marfat.com

5) نوجوان قیادت:

مسلم کی سیاست سرد ہاتھوں سے نکل کر مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا حسرت موہانی جیسے گرم ہاتھوں میں منتقل ہوگئی۔ شاعر مشرق علامہ اقبال، مولانا شبلی نعمانی اور اکبرالہ آبادی جیسے شعرا نے مسلم خون کو گرما دیا۔ جوان قیادت نے قوم کو ایک نئے ولولے اور جذبے سے ہم کنار کیا جس کے نتیجے میں مسلم سیاست میں تبدیلی واقع ہوئی۔

6) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

سرسید احمد خاں علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ کر سکے۔ نواب وقار الملک نے 1911ء میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کی کوششیں تیز کر دیں اور 30 لاکھ روپے کی رقم اکٹھی کر لی۔ اس سے قبل حکومت نے علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کے لیے 20 لاکھ روپے کی شرط لگا رکھی تھی اور 30 لاکھ روپے جمع ہونے کے باوجود حکومت اپنا وعدہ وفا نہ کر سکی۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام کے مسئلے نے مسلمانوں اور حکومت کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دی۔ انگریز کی بدعہدی نے مسلم سیاست میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کر دی۔

7) انگریز مسلم دشمنی:

برعظیم کے مسلمان ترکی کو مسلم خلافت کا مرکز اور سلطان عبدالحمید کو مسلمانوں کا خلیفہ سمجھتے تھے لیکن جنگ عظیم اول کے بعد یورپ کی مختلف طاقتوں نے ترکی کی آزادی پر ہاتھ صاف کرنے شروع کر دیئے۔

1912ء میں اٹلی نے برطانیا کی شہ پا کر ترکی کے صوبے طرابلس (موجودہ لیبیا) پر حملہ کر دیا اور اسے اپنی غلامی کے شکنجے میں جکڑ لیا۔

1912ء میں بلقانی ریاستوں نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور وہ بڑھتی بڑھتی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئیں۔

ان واقعات نے برعظیم کی مسلم سیاست کو ہلا کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کے لیے برطانیا کی اسلام دشمنی ڈھکی چھپی بات نہ رہی۔

Marfat.com

اس اثناء میں برطانیا نے ایک اور چال چلی۔ برطانیا نے روس کے ساتھ مل کر ایران کی تقسیم کر لی۔ اس طرح ایران کا جنوبی حصہ برطانیا اور شمالی حصہ روس کے قبضے میں چلا گیا۔ یوں دُنیائے اسلام کے مسائل نے برعظیم کے مسلمانوں کو یورپی اقوام سے بدظن کر دیا اور وہ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کر کے انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر کرنے لگے۔

8) مسجد کان پور کا سانحہ:

تقسیم بنگال کی تنسیخ کے زخم ابھی ہرے تھے کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو ایک چرکا اور لگایا۔ اس واقعے نے مسلمانوں کے پرانے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ یو پی کے شہر کان پور کے مچھلی بازار کی سڑک کشادہ کرنے کے لیے مسجد کے ایک حصے کو یکم جولائی 1913ء میں گرا دیا گیا۔ مسلمانوں نے ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ اس پر انگریز سپاہیوں نے گولی چلا دی جس کے نتیجے میں 33 مسلمان شہید، لاتعداد زخمی ہوئے اور سیکڑوں مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ مسجد کان پور کے واقعے نے برطانیا کے خلاف نفرت کو اور بڑھا دیا۔

9) جنگ عظیم اول کا آغاز:

1914ء میں جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں ہندوستان کے راہنما اور فوج حکومت سے تعاون اس توقع پر کر رہے تھے کہ جنگ کے بعد برعظیم کو حکومت خود اختیاری دے دی جائے گی۔ اس لیے ہندوستانیوں نے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے لیے متحد ہونے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے ماضی کی تلخیاں فراموش کر دیں اور ہندوؤں نے تعصب اور تنگ نظری کو وقتی طور پر دبانے کی کوشش کی۔ چناں چہ 1915ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس بمبئی میں ہوئے جس میں دونوں جماعتوں نے تعاون اور اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔

میثاق لکھنؤ:

دونوں جماعتوں نے اپنے بمبئی کے اجلاس میں آئینی اصلاحات کے لیے ایک متفقہ سکیم تیار کرنے کے لیے کمیٹیاں مقرر کی تھیں۔ جنھوں نے ایک متفقہ آئینی سکیم

Marfat.com

تیار کی جسے دسمبر 1916ء میں لکھنؤ کے مقام پر دونوں جماعتوں نے اپنے سالانہ اجلاسوں میں منظور کرلیا۔ اس سکیم کو میثاق لکھنؤ کا نام دیا گیا۔

میثاق لکھنؤ کی اہم دفعات:

1۔ مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا حق۔
2۔ اقلیتوں کے لیے اضافی نشستیں۔
3۔ مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستیں۔
4۔ اکثریتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے کم نمائندگی۔
5۔ مرکزی کونسل میں ایک تہائی نمائندگی۔
6۔ قانون کی منظوری کے لیے تین چوتھائی ارکان کی حمایت۔
7۔ مرکز کے اختیارات۔
8۔ صوبائی اختیارات۔
9۔ وزیر ہند کی کونسل کا خاتمہ۔
10۔ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی۔

1) مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق:

کانگرس نے مسلمانوں کا جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کرلیا۔ پنجاب اور سی پی میں جہاں اس کا نفاذ ابھی تک نہیں ہوا تھا وہاں بھی نافذ کر دیا گیا۔

2) اقلیتوں کے لیے اضافی نشستیں:

کانگرس ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے اضافی نشستیں دینے پر آمادہ ہوگئی۔

3) مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستیں:

مرکز اور صوبائی کونسلوں میں مسلمانوں کی مخصوص نشستوں کی بات مان لی گئی۔

4) اکثریتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے کم نمائندگی:

مسلم لیگ نے پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں

Marfat.com

کے لیے آبادی کے تناسب کے بجائے کم تعداد میں نشستیں لینے کی بات مان لی۔ اس طرح پنجاب میں 50 فی صد اور بنگال میں 40 فی صد نمائندگی رہ گئی۔

5) مرکزی کونسل میں ایک تہائی نمائندگی:

مرکزی کونسل کے ایک تہائی نمائندے مسلمانوں سے ہوں گے اور ان کا چناؤ جداگانہ انتخاب کے اصول کے مطابق ہوگا۔

6) قانون کی منظوری کے لیے تین چوتھائی ارکان کی حمایت:

اسمبلی میں کسی مسودہ قانون کو قانون بنانے کے لیے یا قانون میں ترمیم کرنے کے لیے تین چوتھائی ارکان کی حمایت ضروری ہوگی۔

7) مرکز کے اختیارات:

مرکزی حکومت صوبائی معاملات میں مداخلت نہ کرے گی۔ مرکز اپنے اختیارات صوبائی حکومتوں پر عام نگرانی اور دیکھ بھال تک محدود رکھے گا۔

کسٹم، ڈاک، تار، ٹکسال، نمک، ریلوے، فوج اور بحریہ مرکز کے محکمے ہوں گے۔

8) صوبائی اختیارات:

مرکز کے محکموں کے علاوہ تمام آمدن کے ذریعوں پر صوبائی کونسلوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

9) وزیر ہند کی کونسل کا خاتمہ:

وزیر ہند کی کونسل ختم کر دی جائے گی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے وزیر ہند کے دو سیکرٹری ہوں گے جن میں ایک ہندوستانی ہوگا۔

10) عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی:

عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

معاہدہ لکھنؤ کی اہمیت:

1۔ دوقومی نظریے کی صداقت۔
2۔ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ۔
3۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت۔
4۔ قائداعظم کی شخصیت کا اعتراف۔
5۔ 1919ء کی اصلاحات میں میثاق لکھنؤ کی بازگشت۔

1) دوقومی نظریے کی صداقت:

معاہدہ لکھنؤ برعظیم کی آئینی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوؤں نے آئینی نقطہ نظر اور جمہوری انداز فکر سے مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ مسلمانوں نے شملہ وفد کے ذریعے لارڈ منٹو کے سامنے مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے حصول کا مطالبہ کیا تھا جسے آئینی طور پر 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات میں تسلیم کرلیا گیا تھا اور اب میثاق لکھنؤ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کرلیا۔ اس طرح دوقومی نظریے کی حقیقت اور صداقت کو انگریز اور ہندو دونوں نے تسلیم کرلیا۔

2) مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ:

میثاق لکھنؤ، مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی فتح تھی۔ جس میں کانگرس نے نہ صرف مسلمانوں کے جداگانہ طرز انتخاب کے حق کو تسلیم کرلیا بل کہ مسلمانوں کی مرکزی اسمبلی میں ایک چوتھائی کے بجائے ایک تہائی نمائندگی کو مان لیا۔ جب کہ مسلمانوں کی آبادی ایک چوتھائی تھی۔ مسلمانوں کو مرکز اور صوبوں میں آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں مل گئیں اور مسلمانوں کو اس سے تحفظ مل گیا کہ مرکز اور صوبوں میں کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی قانون میں ترمیم کی جائے گی جس کی مخالفت ان کے تین چوتھائی نمائندے کریں گے۔

Marfat.com

3) مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت:

معاہدہ لکھنؤ میں کانگرس اور مسلم لیگ دو فریق تھے۔ اس طرح مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا گیا اور کانگرس کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ وہ ہندوستان کے سب لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

4) قائداعظم کی شخصیت کا اعتراف:

قائداعظم محمد علی جناح 1913ء میں مسلم لیگ کے رکن بنے۔ اس وقت قائد اعظم کانگرس اور مسلم لیگ دونوں جماعتوں کے ممبر تھے۔ آپ کی کوششوں سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہوئی اور دونوں جماعت کے مابین معاہدہ لکھنؤ ہوا۔ اس طرح قائداعظم کی شخصیت اتحاد کی سفیر بن کر سامنے آئی اور ہندو مسلم دونوں نے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا۔

5) 1919ء کی اصلاحات میں میثاق لکھنؤ کی بازگشت:

میثاق لکھنؤ کے باعث حکومت برطانیا کو نئی آئینی اصلاحات کا اعلان کرنا پڑا۔ 1919ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ یعنی مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات میں میثاق لکھنؤ کی بہت سی دفعات کو تسلیم کر لیا گیا۔

تبصرہ:

بہت سے ہندو اور مسلمان راہنماؤں نے اسے اپنی اپنی قوم کے لیے مضرت رساں قرار دیا۔ ڈاکٹر لال بہادر کہتے ہیں کہ میثاق لکھنؤ میں کانگرس نے جداگانہ طریقہ انتخاب کو تسلیم کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کانگرس نے اب جداگانہ طریقہ انتخاب کو تسلیم کیا ہے تو کل الگ وطن کے مطالبے کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے میثاق لکھنؤ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مسلم اکثریت والے صوبوں میں کم نمائندگی تسلیم کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا گیا ہے جب کہ مسلم اقلیت والے صوبوں میں اضافی نشستوں سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

Marfat.com

مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان یہ پہلا اور آخری سمجھوتہ تھا۔اس معاہدے کے بعد دس سالوں تک دونوں نے انگریز کے خلاف کئی زوردار تحریکیں چلائیں لیکن ہندو کی تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے اتحاد کی یہ فضا قائم نہ رہ سکی۔ ہندوؤں نے نہرو رپورٹ کے ذریعے سے ایک بار پھر مسلمانوں کے وجود کی نفی کرنا چاہی لیکن جس حقیقت کو کانگرس میثاق لکھنؤ میں تسلیم کر چکی تھی اسے جھٹلانا مشکل ہو گیا۔اگر کانگرس میثاق لکھنؤ پر قائم رہتی تو مسلمانوں کے لیے الگ وطن کے مطالبے کا کوئی جواز نہ بنتا۔کانگرس نے معاہدہ لکھنؤ سے انحراف کر کے مسلمانوں کو الگ وطن کے حصول کے لیے مجبور کر دیا۔

..................☆☆..................

Marfat.com

بیسواں باب

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات

انگریز نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ ہندوستان کے باشندے ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہیں اور متحد ہو کر ان کے اقتدار کے لیے خطرہ نہ بنیں۔ آئینی طور پر ایسی پابندیوں میں جکڑے رکھا تا کہ ان کے دل میں حکومت کی بازیابی کی خواہش پیدا نہ ہو۔ لیکن جنگ اول کے آغاز سے ہی حالات نے ایسے کروٹ لی کہ انگریز نہ تو ہندوستانیوں کو متحد ہونے سے روک سکا اور نہ ہی آئینی اصلاحات سے انھیں دور رکھ سکا۔ آخر 1919ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات نافذ کرنا پڑیں۔

اسباب:

1۔ جنگ عظیم اول۔
2۔ میثاق لکھنؤ۔
3۔ ہوم رول لیگ۔
4۔ رولٹ ایکٹ۔
5۔ حادثہ جلیانوالہ باغ۔
6۔ مارشل لاء 1919ء۔
7۔ سابقہ آئین۔

1) جنگ عظیم اول:

جنگ عظیم اول 1914-1919ء جاری رہی۔ اس دوران میں انگریز کو ہندوستانیوں کے بھرپور تعاون کی ضرورت تھی۔ حکومت برطانیا نے ہندوستانیوں کا بھرپور تعاون حاصل کرنے کے لیے جنگ کے فوراً بعد سیاسی مراعات دینے اور آئینی

Marfat.com

اصلاحات نافذ کرنے کے وعدے کیے۔ جنگ ختم ہوتے ہی ہندوستانی رہنما یہ سمجھنے لگے کہ اب حکومت خود اختیاری کے مطالبے کا وقت آ گیا ہے۔

2) میثاق لکھنؤ:

ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کو لکھنؤ پیکٹ نے مشترکہ آئینی جدوجہد کے لیے متحد کر دیا تھا۔ دونوں جماعتوں نے میثاق لکھنؤ کی صورت میں ایک متفقہ فارمولا کی صورت میں وہ بنیاد بھی فراہم کر دی جس کی روشنی میں نئی اصلاحات نافذ کی جا سکتی تھیں۔

3) رول لیگ:

انی بیسنٹ (Annie Besant) نے 15 ستمبر 1916ء کو ہوم رول لیگ کی بنیاد رکھی۔ بال گنگا دھر تلک بھی اس میں شامل ہو گیا۔ اس کا مقصد تاج برطانیہ سے ہندوستان کے لیے زیادہ سے زیادہ خود اختیاری کا حصول تھا۔ انی بیسنٹ اور تلک دونوں نے مل کر دو اخبار نیو انڈیا (New India) اور نیو ایج (New Age) نکالے۔ ان اخبارات کے ذریعے ملک میں آئینی اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ چناں چہ وزیر ہند نے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے 20 اگست 1917ء کو اعلان کیا کہ جلد ہی ہندوستان میں آئینی اصلاحات نافذ کر دی جائیں گی۔

4) رولٹ ایکٹ (Rowlatt Act):

حکومت برطانیا نے 1918ء میں سر سڈنی رولٹ (Sir Sydney Rowlatt) کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی نے ہندوستان میں ابھرنے والی تحریکوں کو دبانے کے لیے ایک مسودہ قانون تیار کیا جس کے تحت۔

(1) کسی بھی ہندوستانی کو وجہ بتائے بغیر گرفتار کیا جا سکتا تھا۔
(2) ملزم کو اپنی بے گناہی خود ثابت کرنا تھی۔
(3) بغیر ثبوت اور شہادت کے سزا دی جا سکتی تھی۔

جواہر لال نہرو میری کہانی میں رولٹ ایکٹ کے بارے میں لکھتے ہیں یہ قانون نافذ تو ہو گیا لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اس کی میعاد تین برس میں ایک مرتبہ بھی

Marfat.com

اس سے کام نہیں لیا گیا۔ حالاں کہ تین سال کا زمانہ امن وسکون سے نہیں گزرا بل کہ 1857ء کے غدر کے بعد سب سے زیادہ شورش کا زمانہ تھا۔

چودھری محمد علی، ظہور پاکستان میں لکھتے ہیں جس چنگاری سے چارسو آگ بھڑک اٹھی، 1919ء میں منظور ہونے والے امتناعی قانون رولٹ ایکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ رئیس احمد جعفری ''حیات محمد علی جناح'' میں قائداعظمؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں مجرمانہ سیاسی شورش کا مسئلہ رولٹ کمیٹی نے اسی طرح اٹھایا ہے جیسے کچھ جرائم پیشہ قبائل ہم میں دفعتہً نمودار ہو گئے ہیں اور اب ضروری ہے کہ ایک قانون بنا کا ان کا صفایا اور قلع قمع کر دیا جائے لیکن قانون بنانا مرض کا علاج نہیں۔

رولٹ ایکٹ کے خلاف ہڑتالیں اور مظاہرے ہوئے۔ گاندھی نے 20 مارچ 1919 کو سیہ گرہ کی تحریک کے آغاز کا اعلان کیا جو بعد میں بدل کر 6 اپریل 1919ء کر دی گئی۔ اس طرح پورا ہندوستان ہڑتالوں اور مظاہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔

5) حادثہ جلیانوالہ باغ:

11 اپریل 1919ء کو امرتسر میں سیہ گرہ کا اعلان کیا گیا۔ اس روز شہر میں ایک عظیم جلسہ عام ہونا تھا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے شہر کے دو سرکردہ سیاسی راہنماؤں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر سیہ پال کو بات چیت کے بہانے اپنے بنگلہ میں بلایا۔ جب کچھ وقت انتظار کے باوجود دونوں لیڈر واپس نہ آئے تو لوگوں نے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف مارچ شروع کر دیا۔ پولیس نے ہجوم پر گولی چلا دی ہجوم نے مشتعل ہو کر انگریزوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ انگریزی بنک لوٹ لیے گئے اور ایک سماجی کارکن انگریز خاتون مس شروڈ جو سائیکل پر وہاں سے گزر رہی تھی۔ ایک ہندو غنڈے نے ڈنڈا مار کر بے ہوش کر دیا۔ اسی طرح حالات بے قابو ہو گئے اور مرتسر فوج کے حوالے کر دیا گیا اور شہر کا مسٹر ڈائر (Dyer) اصل حکمران بن گیا۔

13 اپرل 1919ء کو بیساکھی کے تہوار کے موقعے پر امرتسر میں ایک جلسہ ہونا تھا۔ بریگیڈیئر ڈائر نے اس پر پابندی لگا دی لیکن اس کے باوجود امرتسر کے گردونواح کے دیہاتی جلیانوالہ باغ میں جمع ہونے لگے۔ جلیانوالہ باغ تین اطراف سے اونچے اونچے مکانوں سے ڈھکا ہوا تھا اور صرف ایک راستہ داخلے کے لیے تھا۔

Marfat.com

ڈائر نے جب سنا کہ جلیانوالہ باغ میں جلسے کے لیے بھاری تعداد میں لوگ جمع ہو گئے ہیں تو وہ ڈیڑھ سو گورے اور ایک سو ہندوستانی سپاہی لے کر وہاں پہنچا اور گرجتے ہوئے کہا کہ دو منٹ میں میدان خالی کر دو۔ دو منٹ میں اتنی بھاری تعداد کا باہر نکلنا ناممکن تھا۔ چناں چہ مسٹر ڈائر نے گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ فوج کی اندھا دھند فائرنگ سے چار سو سے زائد ہندوستانی مارے گئے اور تیرہ سو سے زائد زخمی ہوئے۔ اس واقعے نے پورے امرتسر کو ہلا کر رکھ دیا۔ انگریز کی اس بربریت کے خلاف ملک گیر تحریک کا آغاز ہو گیا۔

6) مارشل لاء 1919ء:

1919ء میں پورے پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد لوگوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ مارشل لاء کے تحت مختلف اہم مقامات پر سزائے موت اور عمر قید کی سزا سنائی گئی کیوں کہ مارشل لاء میں اس سے کم سزا ہی نہیں تھی۔

7) سابقہ آئین:

آئین میں یہ بات رکھی گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد آئین پر نظر ثانی کی جائے گی اور نظام حکومت میں ہندوستانیوں کو زیادہ سے زیادہ شریک کیا جائے گا تا کہ حکومت خود اختیاری کے ادارے زیادہ سے زیادہ نشو و نما پا سکیں۔ اس سے قبل 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات نافذ کی گئیں تھیں اور اب 1919 میں آئینی اصلاحات کا نفاذ ہونا تھا۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات 1919ء:

20 اگست 1917 کے اعلان کے مطابق وزیر ہند مانٹیگو (Montagu) ہندوستان آیا۔ اور اس نے ہندوستان کا جائزہ لینے کے بعد لارڈ چیمسفورڈ (Chelmsford) وائسرائے ہند کے ساتھ مل کر ایک رپورٹ تیار کی جو مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات (Montagu Chelmsford Reforms) کے نام سے مشہور ہوئی۔ حکومت برطانیا نے 23 دسمبر 1919 کو اسے منظور کر کے قانونی حیثیت دی۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات 1919ء کے بارے میں چودھری محمد علی ''ظہور پاکستان'' میں لکھتے

Marfat.com

ہیں۔ 11 دسمبر 1919ء کو امرتسر میں کانگرس کا جو اجلاس ہوا اس میں اگرچہ ما
چیمسفورڈ اصلاحات کو ناکافی، غیر تسلی بخش اور مایوس کن قرار دیا گیا لیکن ان پر عمل
آمد کے لیے آمادگی بھی ظاہر کی گئی۔

اہم دفعات:

اس آئین کی رو سے قرار پایا کہ وزیر ہند کی تنخواہ برطانوی خزانے سے دی جا
کرے گی۔ ایک ہندوستانی ہائی کمشنر لندن میں مقرر کیا گیا۔ اسے بھی برطانوی خزانے
سے تنخواہ دی گئی اور وزیر ہند کے بعض فرائض اس کے سپرد کیے گئے۔

اس قانون کی رو سے مرکز قانون ساز اسمبلی کے دو ایوان مقرر کیے گئے۔

(الف) ایوان بالا (کونسل آف دی سٹیٹ)

(ب) ایوان زیریں
(مرکزی قانون ساز اسمبلی)

1) ایوان بالا:

ایوان بالا کے ارکان کی تعداد 60 مقرر کی گئی۔ جن میں 33 منتخب اور
27 نامزد ارکان ہوں گے۔ کونسل کی مدت انتخاب 5 سال رکھی گئی۔ ووٹر کے لیے ٹیکس یا
مالیہ دینے کی شرط برقرار رکھی گئی۔ اس طرح ایوان بالا کے ووٹروں کی تعداد 7346 تھی۔

2) ایوان زیریں:

ایوان زیریں کے ارکان کی تعداد 145 مقرر کی گئی۔ ان میں سے
103 منتخب اور 42 نامزد ارکان تھے۔ اس کی مدت 3 سال مقرر کی گئی۔ اس میں بھی
ووٹروں کے لیے ٹیکس یا مالیے کی شرط برقرار رکھی گئی۔ اس طرح ایوان زیریں کے ووٹروں
کی تعداد 909874 تھی۔

صوبائی اور مرکزی محکموں کی باقاعدہ حد بندی کر دی گئی۔ دفاع، مواصلات، سکہ
سازی، تجارت، محصولات، درآمد، برآمد اور دیسی ریاستوں سے تعلقات وغیرہ جیسے امور
مرکزی حکومت کے سپرد تھے۔

وائسرائے کی مجلس انتظامیہ کے سات ارکان مقرر کیے گئے۔ ہر رکن ایک محکمے

Marfat.com

و انچارج بنایا گیا۔

صوبوں میں نظام دوعملی ڈیارکی (Dyarch) قائم کیا گیا۔اس طرح صوبوں
محکموں کی تقسیم اس طرح ہوگئی۔

) محفوظ محکمے۔
) منتقلہ محکمے۔

)محفوظ محکمے:

محفوظ محکمے (Reserved) براہ راست گورنر اور اس کی انتظامی کونسل کے
ذت تھے مثلاً مالیات، قانون، صنعت وحرفت۔

)منتقلہ محکمے:

منتقلہ (Transferred) وہ محکمے جو صوبائی وزرا کے سپرد کیے گئے۔ان
ل تعلیم، صحت، زراعت، امداد باہمی اور مقامی تعمیر وترقی کے ادارے شامل تھے

اس قانون کی رو سے یہ فیصلہ ہوا کہ ہر دس سال کے بعد ایک شاہی کمشن
ندوستان آیا کرے گا جو یہ معلوم کرے گا کہ ہندوستان نے ان اصلاحات سے کس حد
تک استفادہ کیا ہے۔

دوعملی نظام کی ناکامی کے اسباب:

1۔ سیاسی جماعتوں کا بائیکاٹ۔
2۔ مشترکہ ذمہ داری کا فقدان۔
3۔ نوکر شاہی کی بالادستی۔
4۔ وزراء کی کمزور حیثیت اور گورنر کے وسیع اختیارات۔
5۔ محکموں کی غلط تقسیم۔
6۔ ترقیاتی شعبوں کے لیے ناکافی رقوم۔
7۔ سوراج پارٹی۔

Marfat.com

1) سیاسی جماعتوں کا بائیکاٹ:

اس نظام کی پشت پر کوئی منظم سیاسی پارٹی نہ تھی جو عوام کو قابو میں رکھ سکتی۔ اس طرح فرقہ وارانہ پارٹیوں کو گل کھلانے کا موقع مل جاتا اور وہ عوام کو بے قابو کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیتیں اور دوسری طرف وزراء پر بھی بے جا نکتہ چینی کرتیں۔

2) مشترکہ ذمہ داری کا فقدان:

گورنر ہر وزیر سے علاحدہ علاحدہ مشورے لیتا تھا جب کہ ہر وزیر انفرادی طور پر کام کرتا تھا۔ اس طرح نہ تو وزراء باہمی صلاح مشورے سے ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے اور نہ ہی گورنر وزراء سے تعاون لیتا تھا۔ جمہوری نظام کی بنیاد مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر قائم ہوتی ہے جس کا فقدان تھا۔

3) نوکر شاہی کی بالادستی:

وزراء کو سیاست کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی ان کی پشت پر عوام کی قوت تھی اور نہ ہی مروجہ نظام حکومت سے وہ پوری طرح آگاہ تھے۔ اس طرح نوکر شاہی کی چاندی تھی۔ وزراء کی نسبت سیکرٹری گورنر سے زیادہ قریب ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ گورنر وزراء کی سفارشات ٹھکرا دیتا تھا لیکن سیکرٹری کی تجاویز کو رد نہیں کرتا تھا۔

4) وزراء کی کمزور حیثیت اور گورنر کے وسیع اختیارات:

اس نظام حکومت میں مرکز میں تمام اختیارات گورنر جنرل اور صوبے میں گورنر کے ہاتھ میں تھے۔ ورزا کے ہاتھوں میں سوائے قلم دان کے اور کوئی حقیقی طاقت نہیں تھی۔ اس لیے یا تو موم کی ناک بن کر وزارت کی کرسی پر جلوہ افروز رہتے تھے یا استعفیٰ دے کر وزارت سے الگ ہو جاتے تھے۔

5) محکموں کی غلط تقسیم:

دوعملی نے پورے نظام کو غیر فطری بنا دیا تھا۔ مثلاً زراعت کا محکمہ وزیر زراعت

Marfat.com

کے پاس تھا جب کہ آبپاشی کے محکمے پر اسے کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔اسی طرح وزیر تعلیم کے ماتحت یورپین ادارے نہیں آتے تھے۔زیادہ آمدنی والے شعبے انتظامی کونسل کے پاس تھے اور کم آمدنی والے محکمے ہندوستانیوں کے سپرد تھے۔یوں وزیر اپنے فرائض کو بخوبی انجام دینے سے قاصر تھے۔

6) ترقیاتی شعبوں کے لیے ناکافی رقوم:

وزراء کو اپنے شعبوں کی تعمیر و ترقی کے لیے وافر رقم میسر نہیں تھی، اس لیے وہ اپنے شعبوں کو خاطر خواہ رقم ترقی کے لیے نہیں دے سکتے تھے۔

7) سوراج پارٹی:

بڑی سیاسی جماعتوں نے اس نظام کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔اس لیے ہندوؤں کی سوراج پارٹی انتخاب لڑ کر کونسلوں میں پہنچ گئی۔اس نے ملکی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے کے بجائے سرکاری ارکان پر بے جا نکتہ چینی شروع کر دی۔

☆☆

Marfat.com

اکیسواں باب

تحریکِ خلافت

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کا آغاز ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ یہ خلافت خلفائے راشدین کے بعد بنوامیہ، بنوعباس سے ہوتی ہوئی ترکی کے عثمانی خاندان کو منتقل ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم کے وقت ترکی اسلامی دنیا کا مرکز تھا اور خلیفہ عبدالحمید عثمانی اس کا سربراہ تھا۔

انگریز کی ترک دشمنی:

اُنیسویں صدی میں روس کی بڑھتی ہوئی جارحیت کے خلاف برطانیا نے سلطنت عثمانیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز سے ہی سیاست کی یہ فضا یکسر بدل گئی۔ روس برطانیا کا اتحادی بن گیا اور اس نے ترکی سے انتقام لینے کی راہ ہموار کرلی۔ روس نے برطانیا کو ترکی کے خاتمے کے لیے ابھارنا شروع کیا۔ اس طرح روس، برطانیا اور دیگر یورپی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کی تدابیر پر غور کرنا شروع کردیا۔

طرابلس اور بلقان کی جنگیں:

1911ء میں اٹلی نے برطانیا کی شہ پاکر سلطنت عثمانیہ کے ایک صوبے طرابلس (موجودہ لیبیا) پر حملہ کردیا۔ جب ترکوں نے اپنے صوبے کے بچاؤ کے لیے فوجیں مصر سے گزارنا چاہیں تو برطانیا نے مصر سے فوجیں گزارنے کی اجازت نہ دی۔ برطانیا کی اس چال کے نتیجے میں اٹلی نے طرابلس کو اپنی غلامی کے شکنجے میں جکڑ لیا۔

1912ء میں برطانیا نے ترکی کے یورپی مقبوضات میں بغاوت کرادی۔ جس کے نتیجے میں ترکی کی بلقان سے جنگ چھڑ گئی۔ یورپی طاقتوں نے بلقان کی مدد کی۔ اس

Marfat.com

طرح ترکی کے یورپی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے۔

طرابلس اور بلقان کے واقعات نے برعظیم کے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس سے اتحاد عالم اسلامی کے جذبات کو فروغ ملا۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار کامریڈ مولانا ظفر علی خان نے زمیندار اور ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' کے ذریعے برعظیم کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ برطانوی حکومت کی ترک دشمنی پر سخت تنقید کی۔ ترک بھائیوں کے لیے امداد مہیا کی گئی۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ایک طبی وفد ترکی بھیجا گیا۔ حکومت برطانیا کو عرض داشتیں روانہ کی گئیں لیکن اس سے اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

جنگ عظیم اوّل کا آغاز:

ان دنوں جرمنی کی دہشت ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ جرمنی کی فوجی قوت سے خائف ہو کر برطانیا نے روس اور فرانس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ ترکی نے جنگ عظیم میں برطانیا کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ کیوں کہ برعظیم برطانیا کے تسلط میں تھا اس لیے برعظیم کے مسلمانوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ برطانیا سے مسلمانوں کی ترکی خلافت سے عقیدت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ برطانیا مسلمانوں کو جرمنی کے خلاف لڑانا چاہتا تھا۔ جب کہ ترکی جرمنی کا حلیف تھا۔ چناں چہ برطانیا کے وزیر اعظم لائیڈ جارج (LLOYD GEORGE) نے برعظیم کے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ جنگ کے دوران میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی اور جنگ کے بعد مسلمانوں کی خلافت کو محفوظ رکھا جائے گا۔

ترکوں نے دردانیال (Dardanelles) کی لڑائی میں برطانوی بیڑا کو بھاری نقصان پہنچایا۔ گیلی پولی (Galipole) کے محاذ پر انگریزوں کو عبرت ناک شکست ہوئی اور عراق میں قط العماری (QUTULAMARA) کے مقام پر برطانوی فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئی۔

برطانیا نے ترکی سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اپنی سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ اس نے ایک طرف فوجی کارروائی کا سہارا لیا تو دوسری طرف کرنل لارنس (Col-Lawrence) جیسی رسوائے زمانہ شخص کی خدمات لیں۔ اُس نے عربوں کو

Marfat.com

قومیت کے نام پر ابھارا اور ترکوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ عربوں نے ترکوں کی پیٹھ میں چھرا گونپ کر اسے شکست سے دوچار کر دیا۔

خلافت کمیٹی کا قیام:

5 جولائی 1919ء کو خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ کو منظم کرنے اور متفقہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے بمبئی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کر دی گئی جس کا صدر سیٹھ چھوٹانی اور سیکرٹری حاجی صدیق کھتری منتخب ہوئے۔

مقصد:

تحریک خلاف کے بڑے بڑے اہم مقاصد:۔

(1) ترکی کی خلافت برقرار رکھی جائے۔

(2) مقامات مقدسہ ترکی کی تحویل میں رہیں۔

(3) ترکی کی سلطنت کے ٹکڑے نہ کیے جائیں۔

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس نومبر 1919ء میں دہلی میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان ''جشن فتح'' میں شریک نہ ہوں گے اور اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ ہوئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے۔

تحریک خلافت کے دوران میں جو اہم واقعات رونما ہوئے۔

(1) ہندو مسلم اتحاد۔ (2) وفد انگلستان (3) معاہدہ سیورے
(4) تحریک ترک موالات (5) جامعہ ملیہ کا قیام (6) تحریک ہجرت
(7) موپلہ بغاوت (8) چوراچوری کا واقعہ (9) سول نافرمانی کی تحریک

1) ہندو مسلم اتحاد:

خلافت کمیٹی کے پہلے اجلاس میں تعاون کی اپیل کی گئی۔ کانگرس پہلے ہی رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گر مہم شروع کر چکی تھی۔ دسمبر 1919ء میں کانگرس مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے اجلاس امرت سر میں منعقد ہوئے۔ جس میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا گیا۔ مسلمانوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عزم کیا۔

Marfat.com

2) وفد انگلستان:

1920ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد انگلستان، اٹلی اور فرانس کے دورے پر بھیجا تا کہ وزیراعظم لائیڈ جارج (Lloyd George) کو اس کے وعدے یاد دلائے اور ترکی کے لیے انصاف مانگا جائے۔ یہ وفد انگلستان میں وزیر اعظم لائیڈ جارج سے ملا اور اسے اس کے وعدے یاد دلائے لیکن اس نے جواب دیا: ''آسٹریلیا سے انصاف ہو گیا، جرمنی سے انصاف ہو چکا تو پھر ترکی اس سے کیوں بچے''۔

3) معاہدے سیورے:

برطانیا نے اپنے اتحادیوں سے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ مکہ کے شریف حسین کو عرب سلطنت کا لالچ دے کر ترکی سے الگ کردیا۔ اور ترکی پر معاہدہ سیورے (Treaty of Severes) نافذ کردیا۔ اتحادیوں نے اعلان بالفور (Balfour Declaration) کے ذریعے اسرائیلیوں کی فلسطین میں آباد کاری کا فیصلہ بھی کرلیا۔

4) تحریک ترک موالات:

خلافت وفد کی ناکامی اور معاہدہ سیورے کی تفصیلات کی اطلاع جب برعظیم پہنچی تو مسلمانوں کا اضطراب اور جوش و جذبہ بڑھ گیا۔ مئی 1920ء میں خلافت کمیٹی نے تحریک موالات کا فیصلہ کیا اور کانگرس نے عدم تعاون کی تحریک شروع کرنے کا اشارہ دیا۔

تحریک موالات کی وجہ سے کئی مسلمانوں نے حکومت کے عطا کردہ خطاب واپس کیے اور کونسلوں کی رکنیت سے استعفیٰ اور سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تعلیمی اداروں نے سرکاری گرانٹ لینے سے انکار کردیا۔

5) جامعہ ملیہ کا قیام:

مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ کالج کی انتظامیہ سے سرکاری گرانٹ نہ لینے کی

Marfat.com

اپیل کی۔ انتظامیہ نے علی گڑھ کالج کے طلبہ کو تحریک ترک موالات سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور کالج کو بند کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ کالج کے بہت سے طلبہ کو ساتھ ملا کر جامعہ ملیہ اسلامی کی بنیاد رکھی اور 1925ء میں یہ ادارہ دہلی منتقل ہوا۔

6) تحریک ہجرت:

تحریک کے دوران میں کچھ علما نے برعظیم کو دارالحرب قرار دے کر یہاں سے ہجرت کرنے کا فتویٰ دیا۔ جس پر ہزاروں مسلمانوں نے اپنا کاروبار چھوڑ کر افغانستان کی راہ لی۔ افغانستان حکومت نے اپنی سرحد بند کر کے تحریک ہجرت کو ناکام بنا دیا۔ اس سے مسلمانوں کو کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔

7) موپلا بغاوت:

ساحل مالابار پر آباد موپلا مسلمانوں پر تحریک خلافت کے دوران میں سخت تشدد کیا گیا۔ انھوں نے تنگ آ کر 1921ء میں بغاوت کر دی۔ حکومت نے اس کو سختی سے کچلا اور ہزاروں موپلے شہید کر دیے گئے۔

8) سول نافرمانی کی تحریک:

خلافت کمیٹی نے 5 نومبر 1921ء کو مسلمانوں کو سول نافرمانی کی ہدایات جاری کیں اور دسمبر 1921ء میں کانگرس نے بھی سول نافرمانی کی تحریک کی حمایت کر دی۔ اس طرح راہنماؤں کو نظر بند کر دیا گیا اور گاندھی اس تحریک کے واحد کرتا دھرتا بن کر رہ گئے۔

9) چوراچوری کا واقعہ:

فروری 1922ء میں تحریک کی حمایت میں لوگوں نے مشتعل ہو کر یوپی کے ایک گاؤں چواچوری کے تھانے کو آگ لگا دی جس میں 22 سپاہی جل مرے۔ اس وقت تحریک خلافت حکومت برطانیا کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر چکی تھی۔ گاندھی جی یہ سمجھتے تھے کہ تحریک خلافت کے کامیابی سے ہم کنار ہونے سے ہندوؤں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

Marfat.com

اس لیے گاندھی جی نے اعلان کیا کہ تحریک عدم تعاون عدم تشدد پر کار بند نہیں رہی لہٰذا اسے ختم کیا جاتا ہے۔گاندھی کے اس فیصلے نے تحریک خلافت کو ناکامی سے دوچار کر دیا۔ تحریک خلافت اس وقت بالکل بے مقصد ہو کر رہ گئی جب مارچ 1924ء میں کمال اتاترک نے ترکی میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے اسباب:

(1) شدھی اور سنگھٹن تحریکات
(2) ترکی میں صدارت کا اعلان
(3) یہودی وطن کے قیام کی سازش
(4) سعودی عربیہ کا قیام
(5) گاندھی کی قیادت
(6) ہندوؤں کی تحریک خلافت سے عدم دلچسپی
(7) تحریک ہجرت کے الم ناک نتائج۔

1) شدھی اور سنگھٹن تحریکات:

تحریک خلافت نے برعظیم کی تاریخ میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد پہلی بار ہندو مسلم اتحاد کی فضا قائم کی لیکن انگریز کی ریشہ دوانیوں اور شدھی و سنگھٹن تحریکات کی وجہ سے یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ ہندو مسلم بے جوڑ اور ناپائیدار اتحاد نے تحریک خلافت کو کامیابی سے ہم کنار نہ ہونے دیا۔

2) ترکی میں صدارت کا اعلان:

تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی کہ کمال اتاترک نے مارچ 1924ء میں خود ہی خلافت کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس سے تحریک خلافت خود بخود ختم ہو کر رہ گئی۔

3) یہودی وطن کے قیام کی سازش:

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی حکومت اعلان بالفور کی رو سے فلسطین کو یہودی وطن بنانے کی سازش کر چکی تھی۔ اس لیے وہ ترکی خلافت کو سابقہ حدود

Marfat.com

کے ساتھ بحال کرنا نہیں چاہتی تھی۔

4) سعودی عربیہ کا قیام:

شاہ عبدالعزیز نے حجاز مکہ اور مدینہ کے علاقوں کو ملا کر سعودی عربیہ کے نام سے ایک الگ مملکت کے قیام کا اعلان کر دیا جس سے تحریک خلافت ماند پڑ گئی۔

5) گاندھی کی قیادت:

گاندھی نے سیاسی قلابازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چورا چوری کے واقعے کو بہانہ بنا کر اچانک تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت علی برادران اور دیگر مسلم راہنما جیلوں میں بند تھے اور کوئی بھی تحریک کو سنبھالا نہ دے سکا۔

6) ہندوؤں کی تحریک خلافت سے عدم دل چسپی:

تحریک خلافت ایک مذہبی تحریک تھی۔ اس لیے ہندوؤں کو اس سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب تحریک عروج پر تھی تو گاندھی نے چوا چوری کی آڑ لے کر اسے ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

7) تحریک ہجرت کے الم ناک نتائج:

تحریک خلافت کی ناکامی کی وجہ تحریک ہجرت کے الم ناک کے نتائج بھی تھے۔ تحریک ہجرت میں مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں اونے پونے میں فروخت کیں اور افغانستان کی راہ لی لیکن افغانستان حکومت نے ان کا رستہ روک کر انھیں مالی بدحالی کا شکار کر دیا۔ اس طرح ان کے ولولے اور جوش سرد ہو گئے اور تحریک خلافت ناکام ہو کر رہ گئی۔

تحریک خلافت کے اثرات و نتائج:

تحریک خلافت نے ناکامی سے ہم کنار ہونے کے باوجود بین الاقوامی سیاست پر دور رس نتائج چھوڑے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1) ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ۔

Marfat.com

2) گاندھی کا مہاتما بننا۔
3) علما اور طلبہ کا سیاست میں داخلہ۔
4) کانگرس اور جمعیت علمائے ہند کا تعاون۔
5) مسلمانوں کی مایوسی۔
6) مسلم قیادت کی شہرت کو نقصان۔
7) تحریک آزادی کی طرف توجہ۔
8) سیاسی شعور کی بیداری۔
9) پرجوش قیادت کا ابھرنا۔
10) ترکوں کی پائیدار دوستی۔
11) کانگرس کی غیر مقبولیت۔
12) تحریک ہجرت۔

1) ہندو مسلم کا خاتمہ:

تحریک خلافت کے دوران میں ہندو مسلم اتحاد نقطہ عروج پر تھا لیکن شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے اس اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ گاندھی جی کی قلابازیوں نے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ 1875ء کی جنگ آزادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندو مسلم متحد ہوئے۔ لیکن اس کے بعد بڑی تیزی سے ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے اور اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں جدا جدا ہو گئیں اور وہ الگ منزلوں پر جا کر منتج ہوئیں۔

2) گاندھی کا مہاتما بننا:

گاندھی جی تحریک خلافت کے ذریعے برعظیم کی سیاست میں نمودار ہوئے اور جلد ہی ہندوستان کی سیاست پر چھا گئے۔ کانگرس کا کوئی راہنما ان کی ہم سری کا دعوے دار نہ رہا۔ وہ ہندوؤں کے مہاتما بن گئے اور اس کے بعد ہندوستان کی سیاست پر چھائے رہے۔

3) علما اور طلبہ کا سیاست میں داخلہ:

تحریک خلافت علما اور طلبہ کو میدان سیاست میں لانے کا باعث ہوئی۔ علما

Marfat.com

مساجد سے سیاست میں داخل ہوئے اور طلبہ نے اپنے تعلیمی اداروں سے نکل کر عملی سیاست میں قدم رکھا اور یہ روایت پاکستان بننے تک قائم رہی بل کہ آج بھی یہ دونوں طبقے عملی سیاست میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔

4) کانگرس اور جمعیت علمائے ہند کا تعاون:

کانگرس اور جمعیت علمائے ہند کا تعاون تحریک خلافت کے دوران میں پیدا ہوا جو تقسیم ہند تک قائم رہا۔ کانگرس متحدہ قومیت کا نعرہ لگاتی تھی۔ جمعیت علمائے ہند نے بھی قومیں اوطان سے بنتی ہیں کا فلسفہ اپنا کر کانگرس کے ہاتھ مضبوط کیے اور تقسیم ہند میں پاکستان کے سفر کو کٹھن اور دشوار بنایا لیکن مسلم لیگ کی قیادت نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

5) مسلمانوں کی مایوسی:

تحریک خلافت میں مسلمانوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر قربانیاں دی تھیں لیکن مسلمانوں کی کوشش رایگاں گئیں۔ ہندوستان میں گاندھی نے مسلمانوں کو مایوس کیا اور ترکی میں اتاترک نے صدارتی نظام اختیار کر کے خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ تحریک کے دوران میں مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی ترقی بُری طرح متاثر ہوئی۔

6) مسلم قیادت کی شہرت کو نقصان:

علی برادان تحریک خلافت کے روح رواں تھے۔ تحریک کی ناکامی سے وہ مخالفین کی تنقید کا نشانہ بنے اور آئندہ زندگی بھر وہ سیاست میں کوئی اہم کردار ادا نہ سکے۔ ''رئیس احمد جعفری''، ''قائد اوران کا عہد'' میں لکھتے ہیں:

''یہ دونوں بھائی بادل کی طرح گرجے اوران کی گرج سے ہندوستان کا ہر دل دہل اٹھا۔ بجلی کی طرح کوندے جس کی روشنی سے ہر خانہ تاریک روشن ہو گیا۔ لیکن تحریک خلافت کی ناکامی نے ان کو گوشہ گم نامی میں دھکیل دیا۔''

7) تحریک آزادی کی طرف توجہ:

تحریک خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کی ساری توجہ دنیائے اسلام کی طرف تھی

Marfat.com

لیکن اتاترک نے خلافت کو ختم کر کے ترکی میں صدارتی نظام نافذ کیا تو برعظیم کے مسلمانوں کو مایوسی ہوئی اور انھوں نے اپنی ساری توجہ تحریک آزادی پر مبذول کر لی۔ اس کے بعد تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بھرپور حصہ لیا اور آخر ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کام یاب ہو گئے۔

8) سیاسی شعور کی بیداری:

تحریک خلافت سے مسلمانوں کو سیاست کا عملی تجربہ ہوا۔ اسی تجربے کی بنا پر انھوں نے تحریک آزادی چلائی۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو سیاسی شعور عطا کیا جس کی بدولت ان میں خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ تحریک خلافت میں کانگرس کی حمایت و تعاون کے باعث مسلمانوں کو سیاسی احتجاج کے طور طریقے معلوم ہوئے۔ یہی طریقے بعد میں مسلمانوں نے حصول وطن کے لیے استعمال کیے اور اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

9) پرجوش قیادت کا ابھرنا:

جس طرح مسلمانوں نے سیاست کے انداز سیکھے اسی طرح ان ہتھکنڈوں، طور طریقوں اور انداز سیاست کو استعمال کرنے کے لیے پرجوش رہنما سامنے آئے۔ ان رہنماؤں نے قوم کو منزل کی طرف چلنے کا حوصلہ دیا اور آزادی کے قافلے پر شب خون مارنے والوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ یوں یہ کارواں آزادی کی طرف بڑھتا رہا اور آخر 14 اگست 1947ء کو منزل پر پہنچ گیا۔

10) ترکوں کی پائیدار دوستی:

تحریک خلافت نے ترک دوستی کا جو بیج بویا تھا وہ وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا۔ ترک ہندوستان کی تحریک خلافت میں دی گئی قربانیوں کو نہیں بھولا۔ جب پاکستان بنا تو ترکی نے فوراً اسے تسلیم کیا۔ پاکستان کے ساتھ علاقائی تعاون برائے ترقی (R.C.D) اور اقتصادی تعاون (ECO) کے ذریعے ترکی پاکستان کے ساتھ مضبوط رشتوں میں بندھا ہوا ہے۔

Marfat.com

11) کانگرس کی غیر مقبولیت:

گاندھی جی کی قیادت نے مسلمانوں کو مایوس کیا اور کانگرس کے ہتھکنڈوں سے بھی مسلمان آگاہ ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کی قیادت پر بھروسا کرنا شروع کیا۔ کانگرس قوم پرست مسلمانوں کے سوا باقی سب مسلمانوں کا تعاون کھو جانے سے غیر مقبول ہوتی چلی گئی۔

12) تحریک ہجرت:

تحریک خلافت کو کئی ہندوستانی مسلم راہنما سیاسی اعتبار سے غلط سمجھتے تھے کیوں کہ اس تحریک کے ذریعے خلافت کا وہ ادارہ محفوظ رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی جو ترک خود قائم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ ترکی کی خلافت نے اپنا فریضہ بخوبی سرانجام نہ دیا اس لیے یورپ کا مرد بیمار کہا جانے لگا۔

اس تحریک میں عربوں کی قوم پرستی اور نئے سیاسی رجحانات کو بھی مد نظر نہیں رکھا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب برطانیہ نے مکہ کے شریف، حسین کو قومیت کا درس دیا تو اس نے ترکی کی برتری اور خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ہندوستان دار الحرب:

جب صلح نامہ سیورے کے ذریعے ترکی کو پابند سلاسل کر دیا گیا تو اس سے برعظیم کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ علما جن میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے۔ فتویٰ دیا کہ مسلمان بزور بازو انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس لیے اسے خیر باد کہ کہ ہجرت کر جانی چاہیے۔ ہندوستان دار الحرب ہے جس میں دین دار مسلمانوں کے لیے رہنا مناسب نہیں۔ خلافت کمیٹی نے بھی جولائی 1921ء میں ناگ پور کے اجلاس میں تحریک ہجرت کی پرزور حمایت کی۔

مسلمانوں کی ہجرت:

تحریک ہجرت میں پنجاب، سندھ اور سرحد کے بیس پچیس لاکھ مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں اونے پونے میں فروخت کیں اور افغانستان کا رخ کیا۔

Marfat.com

افغانستان کا اقدام:

افغانستان نے مہاجرین کے لیے اپنی سرحد بند کر دی۔ اس طرح مہاجرین کا ریلہ افغانستان کی سرحد پر رک گیا۔ مہاجرین کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔

مہاجرین کی تباہ حالی:

تحریک ہجرت سے برعظیم کے بہت سے مسلم گھرانے تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کی جائیدادیں اونے پونے میں ہندوؤں کے ہاتھوں فروخت ہو گئیں۔ جب واپس لوٹے تو وہ کوڑی کوڑی کے محتاج اور فاقوں کے شکار تھے۔ تحریک خلافت جس نے ترکی کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی مہاجرین کی مدد کرنے میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ مسلمان اپنے ہی وطن میں غریب الدیار ہو کر رہ گئے۔ ان مسلمانوں کو اس قدر جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا کہ ان کے سارے جوش و ولولے سرد پڑ گئے اور حوصلے پست ہو گئے۔ وہ آئندہ کسی تحریک کو سہارا دینے کے قابل نہ رہے۔

موپلا تحریک:

جنوبی ہند کے ساحل مالابار کے مسلمان عربوں کی اولاد تھے جو کبھی یہاں آ بسے تھے۔ جب تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو موپلوں نے بھی اس میں سرگرم حصہ لیا۔ انگریزوں نے موپلوں کی شمولیت کو روکنے کے لیے دفعہ 144 نافذ کر دی۔ مسلمانوں کے رہنما سیٹھ محمد یعقوب حسن اور مذہبی پیشوا شنکل کو گرفتار کر لیا۔ موپلوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو انھیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا جس سے چار سو موپلے ہلاک ہو گئے۔ 1921ء میں موپلوں نے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔

''قائداعظم محمد علی جناح جذبات کے طوفان میں بہنے کے عادی نہیں تھے۔ بل کہ طوفان کا رخ موڑ دینا ان کی عادت تھی۔ انھیں گاندھی جی کی قیادت پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ تحریک کے ساتھ تعمیر بھی چاہتے تھے۔ وہ کونسلوں میں حکومت سے لڑنے کے قائل تھے۔ اس لیے اس تحریک کو ہلاکت خیز اور تباہ کن سمجھتے تھے''۔ اس طرح تحریک خلافت ہندوستان کی سیاست پر گہرے نقوش چھوڑتے ہوئے ختم ہو گئی۔

Marfat.com

تحریک خلافت کے بعد برعظیم کے ہندو مسلم کے سامنے کوئی متفقہ پروگرام نہ تھا۔ ہندو لیڈر موتی لال نہرو ہندو مسلم اتحاد کے لیے میثاق لکھنؤ کی شرائط میں نرمی کا خواہش مند تھا۔ مندرجہ ذیل وجوہات تجاویز دہلی کا باعث بنیں۔

(1) ہندو مسلم فسادات

(2) جداگانہ انتخابات سے دست برداری

(3) مسلمانوں کی مصالحت پسندی

1) ہندو مسلم فسادات:

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد برعظیم فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ تحریک خلافت کے دوران میں علی برادران نے گاندھی جی کو جو اہمیت دی اس سے وہ ہندوستان کے مہاتما بن گئے۔ لیکن علی برادران کی مقبولیت کو ایسا چرکا لگا کہ وہ گوشہ گم نامی میں چلے گئے۔ گاندھی جی نے تحریک عدم تعاون کو ختم کر کے تحریک خلافت کو ناکامی سے دوچار کر دیا۔

موپلا تحریک کو کچلنے میں ہندوؤں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ کانگرس میں گنگادھر تلک جیسے انتہا پسند ہندوؤں نے موپلا تحریک کے اثرات کو پورے ہندوستان میں پھیلا دیا اور ہر جگہ مسلم فسادات ہونے لگے۔

2) جداگانہ انتخابات سے دست برداری:

مرکزی اسمبلی کے 1927ء کے بجٹ سیشن کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح اور کانگرس کے لیڈر پنڈت موتی لال نہرو نئی دہلی میں اکٹھے ہوئے۔ ایک دن پنڈت موتی لال نہرو نے کہا کہ اگر مسلمان جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دست بردار ہو جائیں تو میں ان کے باقی مطالبات کانگرس سے منوا سکتا ہوں۔

قائداعظم کو یقین تھا کہ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ چھوڑ کر بھی مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے ترک کرنے پر تیار ہو گئے۔ مارچ 1927ء میں دہلی کی اپنی قیام گاہ پر آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس طلب کیا جس میں مسلمانوں کے تیس رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس میں شریک ہونے والے راہنماؤں میں مولانا محمد علی

Marfat.com

جوہر، سر علی امام، راجا صاحب محمود آباد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور سر محمد شفیع کے نام قابل ذکر ہے۔ قائد اعظم کی صدارت میں اس کانفرنس نے چند فیصلے کیے۔ جو 20 مارچ 1927ء کو شائع ہوئے اور یہ تجاویز دہلی کے نام سے مشہور ہوئیں۔

قائد اعظم نے کہا کہ اگر تجاویز دہلی کو مکمل طور پر قبول کر لیا جائے تو مسلمان جداگانہ انتخابات سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔

تجاویز دہلی:

1) سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔
2) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دیگر صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں۔
3) مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں مخصوص کی جائیں۔
4) پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے مقرر کی جائے۔
5) ایسے کسی مسودہ قانون پر غور نہیں کیا جائے گا جس کی مخالفت کسی فرقے کے تین چوتھائی ارکان کریں گے۔

کانگرس کا خیال تھا کہ مسلمان جداگانہ انتخابات سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے۔ اور اسے یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہندو مسلم اتحاد میں مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات حائل ہے۔ قائد اعظم نے کانگرس کے اس مطالبے کو تسلیم کر کے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ کانگرس کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اپنے جداگانہ انتخاب کے حق سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اب کانگرس کے لیے تجاویز دہلی منظور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چناں چہ 27 مئی 1927ء کو کانگرس کی مجلس میں مجلس عاملہ اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنے اجلاس بمبئی میں تجاویز دہلی کو منظور کر لیا۔ کانگرس کے صدر مسٹر سری نواس آئنگر نے کہا کہ ''تجاویز دہلی اس وقت ہمارے درمیان ایک نہایت محفوظ اور معقول مفاہمت کی بنیاد بن سکتی ہیں'' موتی لال نہرو نے کہا کہ ''ملک میں اس وقت جو افسوس ناک فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو چکی ہے اس کو دور کرنے کے لیے تجاویز دہلی سے بہتر اور کوئی نسخہ نہیں۔

Marfat.com

نتائج:

1) مسلم لیگ میں تفریق۔
2) ہندو ردعمل۔
3) سائمن کمشن۔
4) دہشت پسند سرگرمیاں۔
5) نہرو رپورٹ۔

1) مسلم لیگ میں تفریق:

تجاویز دہلی کی وجہ سے مسلم لیگ اختلافات کا شکار ہو کر رہ گئی۔ سر محمد شفیع دہلی کے اجلاس میں موجود تھے جس میں تجاویز دہلی منظور کی گئی۔ لیکن واپس لاہور آکر انھوں نے جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا۔ اس طرح مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ سر شفیع لیگ یا لاہور گروپ اور دوسرا گروہ جناح لیگ یا کلکتہ گروپ کہلایا۔

2) ہندو ردعمل:

فرقہ پرست ہندو ان تجاویز کے سخت خلاف تھا۔ وہ مسلمانوں کے کسی مطالبے کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان کم سے کم بات مان کر زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان جداگانہ انتخاب کو سندھ کی علیحدگی اور سرحد، بلوچستان کی اصلاحات سے کیوں وابستہ کرتے ہیں۔ کانگرس نے ہندو مخالفت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

3) سائمن کمشن:

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات میں یہ شق رکھی گئی تھی کہ ہر دس سال بعد آئینی اصلاحات کا جائزہ لے کر انھیں بہتر بنایا جائے گا۔ برعظیم میں بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی کے سبب حکومت نے یہ کام وقت سے پہلے کرنے کا فیصلہ کیا۔ نومبر 1927ء میں وائسرائے لارڈ ارون (Lord Irwin) نے اعلان کیا کہ آئینی اصلاحات کے سلسلے میں ایک شاہی کمشن ہندوستان آرہا ہے چناں چہ 1927ء میں سر جان سائمن (Sir John Simon) کی سرگردگی میں ایک کمشن مقرر کیا گیا اس کمشن کے باقی چھے ارکان

Marfat.com

بھی انگریز تھے۔اس لیے اسے گورا کمشن کا نام دیا گیا۔ چوں کہ برعظیم کے کسی طبقے کو اس میں نمائندگی حاصل نہ تھی۔ اس لیے شدید ردعمل ہوا۔ کانگرس نے اس کمشن کا بائیکاٹ کیا۔ جناح لیگ (جس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سیف الدین کچلو شامل تھے) نے اس کمشن کا بائیکاٹ کیا۔ سر شفیع لیگ (جس میں ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال، سر فضل حسین شامل تھے) نے اس کمشن سے تعاون کیا۔ اس طرح سائمن کمشن نے جدگانہ انتخاب کے مطالبے کو اپنی سفارشات میں بحال رکھا۔ سائمن کمشن جب 2 فروری 1928ء کو ہندوستان پہنچا تو ہر جگہ اس کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا اور ہر جگہ سائمن واپس جاؤ (Simon Go Back) کے نعرے لگے تاہم اس نے اپنا کام جاری رکھا اور مئی 1930ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس وقت تک لیبر پارٹی برسراقتدار آچکی تھی۔ اس نے برعظیم میں آئینی اصلاحات کے نفاذ کے لیے گول میز کانفرنس بلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

4) دہشت پسند سرگرمیاں:

ہندوؤں کی دہشت پسند سرگرمیوں کے توڑ کے لیے قائداعظم نے تجاویز دہلی پیش کی تھیں لیکن انتہا پسند ہندو انھیں خاطر میں نہ لائے۔ سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کے کئی اہم مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح ملک میں دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ہندوؤں کا رخ انگریز کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی طرف بھی ہونے لگا۔ ایس پی مسٹر سانڈرس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ مرکزی اسمبلی میں بم پھینکا گیا۔ وائسرائے کی ٹرین کو بم سے اُڑانے کی کوشش کی گئی۔ ریاست مالیر کوٹلہ کے قریب سرکاری خزانہ لوٹ لیا گیا۔

5) نہرو رپورٹ:

کانگرس کے صدر سری نواس آئنگر نے تجاویز دہلی کی تعریف کی تھی۔ موتی لال نہرو نے بھی ان تجاویز کو فرقہ وارانہ کشیدگی کم کرنے کا موثر ہتھیار قرار دیا تھا لیکن نہرو رپورٹ میں ان تجاویز کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں جدا کر دیں۔ مسلم لیگ کے دونوں دھڑے متحد ہو گئے اور نہرو رپورٹ کے جواب میں مسلم لیگ نے قائداعظم کے چودہ نکات پیش کیے۔

Marfat.com

سائمن کمشن کی رپورٹ:

اس رپورٹ کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر تبصرہ کیا گیا تھا اور دوسرے حصے میں کمشن نے اپنی سفارشات اور تجاویز پیش کی تھیں جو حسب ذیل تھیں۔

حصہ اوّل:

حصہ اول میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کو اچھالنے کی کوشش کی گئی۔ سر سائمن نے اپنی رپورٹ میں جمہوریت اور متحدہ قومیت کا دعویٰ کرنے والی ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت انڈین نیشنل کانگرس کے بارے میں لکھا کہ وہ اصل میں ایک مذہبی جماعت ہے جس نے سیاست کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ یہ متحدہ قومیت کا نعرہ لگا کر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیتی ہے اور اس طرح کچھ مسلمان ہندو کے اس دام میں آ گئے ہیں۔ رپورٹ کے حصہ اوّل میں سر شفیع لیگ سر سائمن کو یہ باور کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ کانگرس ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے بل کہ اس پر متعصب اور تنگ نظر ہندوؤں کا غلبہ ہے۔

دوسرا حصہ:

1) ہندوستان کا آئندہ نظام حکومت وفاقی طرز کا ہونا چاہیے جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہوں۔

2) صوبوں سے دوعملی (Dyarchy) ختم کر کے ایسی حکومتیں قائم کی جائیں جو منتخب اسمبلیوں کے سامنے جواب دہ ہوں۔

3) صوبہ سرحد میں قانون ساز اسمبلی قائم کی جائے اور فی الحال ذمہ دار حکومت قائم نہ کی جائے۔

4) سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے صوبہ بنانے پر مزید غور کیا جانا چاہیے۔

5) وفاقی اسمبلی کو صوبائی کونسلیں منتخب کیا کریں اور ہر صوبہ کونسل کے لیے تین ارکان منتخب کر کے بھیجے۔

6) مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا طریق بحال رکھا جائے اور انھیں

Marfat.com

اسمبلیوں میں 1/4 نمائندگی دی جائے۔

7) برما کو حکومت ہند سے الگ کر دیا جائے اور پورے ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا جائے۔

ہندوؤں کی دہشت گردی:

سائمن کمشن نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کے کئی اہم مطالبات کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس لیے ہندوؤں نے ملک بھر میں دہشت پسند سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ ہندوؤں کا رخ انگریز کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی طرف بھی ہونے لگا۔ ایس پی مسٹر سانڈرس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ مرکزی اسمبلی میں بم پھینکا گیا۔ وائسرائے کی خصوصی ٹرین کو بم سے اُڑانے کی کوشش کی گئی۔ ریاست مالیہ کوٹلہ کے قریب سرکاری خزانہ لوٹ لیا گیا۔

............☆☆............

Marfat.com

بائیسواں باب

نہرو رپورٹ اور قائداعظم کے چودہ نکات

نہرو رپورٹ کا پس منظر:

گورے کمشن کو ہر جگہ سیاہ جھنڈیوں اور سائمن واپس جاؤ کے نعروں کا سامنا کرنا پڑا۔ سائمن کمشن ڈھیٹ بن کر اپنا کام کرتا رہا۔ برطانوی وزیراعظم برکن ہیڈ (Lord Birken Head) ہندوستانیوں کے اس روّیے سے سخت برہم ہوا۔ سائمن کمشن نے اپنی سفارشات حکومت برطانیا کو پیش بھی نہ کی تھیں کہ، برکن ہیڈ نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''ہندوستان کے لوگوں میں اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں کہ وہ کوئی بھی متفقہ آئین نہیں بنا سکتے''۔

ہندوستانیوں کے لیے یہ ایک کھلا چیلنج تھا جسے کانگرس نے منظور کرلیا۔ چناں 12 فروری 1928ء کو دہلی میں ایک ''آل پارٹیز کانفرنس'' بلائی جس میں ہندوؤں، مسلمانوں اور دوسری اقوام کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ اس میں طے پایا کہ ایک متفقہ دستور بنایا جائے جس میں ہندوستانیوں کے لیے ایک ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا جائے۔ آل پارٹیز کانفرنس کے دو مہینے کے اندر 25 مئی 1928ء کو بمبئی میں ایک اجلاس ہوا جس میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ذمے ہندوستان کا دستور مرتب کرنے کا کام لگایا گیا۔

نہرو رپورٹ کمیٹی:

نہرو رپورٹ کے دس ارکان میں سے صرف دو رکن مسلمان تھے اور وہ بھی کانگرس نے اپنی پسند کے ارکان شامل کیے تھے۔

1۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ صدر

2۔ مسٹر ایس ایم اینے۔ رکن

Marfat.com

3۔ مسٹرایم آر جیکار۔ //

4۔ سبھاش چندر بوس۔ //

5۔ سردار منگل سنگھ۔ //

6۔ محمد شعیب قریشی۔ //

7۔ سر علی امام۔ //

8۔ سر تیج بہادر۔ //

9۔ جی آر پردھان۔ //

10۔ این ایم جوشی۔ //

نہر رپورٹ کمیٹی کے اجلاس میں سر علی امام شریک نہ ہوئے اور شعیب قریشی نے اپنا اختلافی نوٹ لکھا۔

نہرو کمیٹی کی سفارشات کو 28 اگست 1928ء کو لکھنؤ کے مقام پر آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ مسلمانوں کی شدید مخالفت کے باوجود کانفرنس نے نہرو رپورٹ کو منظور کرلیا گیا۔

ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح اور محمد علی جوہر انگلینڈ میں تھے۔ جب نہرو رپورٹ ان تک پہنچی تو وہ تڑپ کر رہ گئے۔ دونوں ہندوستان پہنچے اور قائداعظم نے نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لیے مسلم لیگ کا ایک اجلاس کلکتے میں طلب کیا۔ نہرو رپورٹ میں جس طرح مسلم مفادات کا استحصال کیا گیا تھا اس نے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر دیا۔ مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے رپورٹ میں مندجہ ذیل ترامیم کرنے کی سفارش کی۔

1۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی ہو۔

2۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو دس سال کے لیے متناسب نمائندگی دی جائے۔

3۔ وحدانی طرز حکومت اختیار کیا جائے اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

کانگرس نے نہرو رپورٹ میں ترمیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان سیاسی، سماجی تعلقات کی وسیع خلیج حائل ہوگئی۔ قائداعظم کو نہرو رپورٹ نے ہندو مسلم اتحاد سے مایوس کردیا۔

Marfat.com

سر شفیع اور سر فضل حسین کی مشترکہ کوششوں سے نہرو رپورٹ کی تردید کے لیے ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس 31 دسمبر 1928ء کو دہلی میں بلائی گئی جس میں شفیع لیگ اور جناح لیگ پھر سے مسلم لیگ میں جمع ہو گئیں۔ نہرو رپورٹ کو ہندو رپورٹ قرار دیا گیا اور قائداعظم کو مسلمانوں کی طرف سے نہرو رپورٹ کا جواب دینے کو کہا گیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں کے مطالبات کو چودہ نکات کی صورت میں پیش کیا۔

نہرو رپورٹ کے اثرات:

1) ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ۔
2) متفقہ آئین بنانے میں ناکامی۔
3) قائداعظم کے چودہ نکات۔
4) مسلم لیگ کا اتحاد۔
5) مسلمان راہنماؤں کی کانگرس سے مایوسی۔
6) ہندو مسلم فسادات میں اضافہ
7) مسلمانوں میں نظریاتی تفریق۔
8) نیشنلسٹ گروہ کی علیحدگی۔

1) ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ:

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان تھک کوشش کیں۔ قائداعظم کی کوششوں سے میثاق لکھنؤ طے پایا۔ اس میں مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کانگرس نے تسلیم کیا لیکن جلد ہی اس کو یہ کھٹکنے لگا۔ اس کے بعد تحریک خلافت میں ہندو مسلم اتحاد ہوا لیکن گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک ختم کر کے تحریک خلافت کو ناکامی سے دوچار کر دیا۔

قائداعظم نے تجاویز دہلی میں جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو واپس لے لیا۔ مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ اس قربانی کے باوجود موتی لال نہرو نے نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کو یک سر نظر انداز کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں ہندو کے رویے سے بالکل مایوس ہو گئے۔

2) متفقہ آئین بنانے میں ناکامی:

لارڈ برکن ہیڈ نے ہندوستانیوں کو چیلنج دیا تھا کہ وہ متفقہ آئین بنا کر دکھائیں۔ کانگرس جس طرح متحدہ قومیت کا دعویٰ کرتی تھی اگر وہ مسلمانوں کے میثاق لکھنؤ کے مطالبات جسے وہ تسلیم کر چکی تھی، کو آئین میں شامل کر لیتی تو یقیناً وہ ہندوستان کا متفقہ

Marfat.com

آئین ہوتا۔ کانگرس نے اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی سے برطانوی وزیراعظم برکن ہیڈ کے الفاظ سچ کر دکھائے۔

3) قائداعظم کے چودہ نکات:

میثاق لکھنؤ کو کانگرس مسلمانوں کی فتح سمجھنے لگی تھی۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کو کم پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ موتی لال نہرو نے قائداعظم سے کہا کہ اگر وہ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ واپس لے لیں تو وہ کانگرس سے مسلمانوں کے دیگر مطالبات منوالیں گے۔ قائداعظم نے جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو ترک کر کے تجاویز دہلی پیش کیں جسے کانگرس نے منظور کرلیا لیکن نہرو رپورٹ میں تجاویز دہلی سے بھی انحراف کر دیا گیا۔ اس طرح قائداعظم نے کم پر راضی ہونے کے بجائے مسلمانوں کے مطالبات چودہ نکات کی صورت میں پیش کیے۔ جس سے مسلمانوں کو ایک واضح پروگرام مل گیا اور آئندہ ان ہی نکات پر ہندوؤں میں مسلمانوں کے درمیان گفت وشنید ہوتی رہی۔

4) مسلم لیگ کا اتحاد:

قائداعظم کی تجاویز دہلی سے مسلم لیگ کے ایک گروپ کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ انھوں نے کم پر سمجھوتہ کیا ہے، جداگانہ انتخاب کا تسلیم شدہ مطالبے سے دست بردار ہونا مسلمانوں کی سیاسی موت ہے۔ اس طرح مسلم لیگ دو دھڑوں سر شفیع لیگ، اور جناح لیگ میں تقسیم ہوگئی تھی۔ لیکن نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے سارے مطالبات کو نظر انداز کر کے مسلم لیگ کو اتحاد کی راہ دکھائی۔ اس مقصد کے لیے سر محمد شفیع اور سر فضل حسین نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا۔ مارچ 1929ء میں آل پارٹی مسلم کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا اور دونوں دھڑے پھر سے متحد ہو کر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے چودہ نکاتی پروگرام پیش کیا۔

5) مسلمان راہنماؤں کی کانگرس سے مایوسی:

قائداعظم محمد علی جناح ان دِنوں انگلستان میں تھے۔ نہرو رپورٹ سے ان کو سخت مایوسی ہوئی۔ وہ فوراً ہندوستان پہنچے اور نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے بھی چند مطالبات شامل کرنے کے لیے کہا لیکن ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کے سامنے ان کی شنوائی

Marfat.com

نہ ہوئی۔ چناں چہ آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ "اب ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں"۔

6) ہندو مسلم فسادات میں اضافہ:

نہرو رپورٹ نے دو قوموں کے راستے جدا کر دیے۔ ہندوؤں اکثریت میں تھے۔ انھوں نے بزور طاقت مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے اور ہندوستان کا امن خواب بن کر رہ گیا۔

7) مسلمانوں میں نظریاتی تفریق:

نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو افتراق کا شکار کر دیا اور مسلمان کئی حصوں میں بٹ گئے۔

(1) کانگرسی مسلمان۔

(2) نیشنلسٹ مسلمان۔

(3) حکومت کے طرف دار مسلمان۔

(4) نہرو رپورٹ کے مخالف مسلمان۔

خلافت کمیٹی اصولی طور پر اس رپورٹ کے خلاف تھی۔ مولانا حسرت موہانی اور مولانا شوکت علی نے اس کی پُر زور مخالفت کی۔ مولانا شوکت علی نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے کبھی کسی شکاری کتے کو خرگوش کے ساتھ ایسا سلوک کرتے نہیں دیکھا جیسا نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے"۔

نیشنلسٹ مسلمان مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، تصدق احمد شیروانی، رفیع احمد قدوائی اور پنجاب کے کئی راہنما اس رپورٹ کو تسلیم کر لینے کے حق میں تھے۔

قائداعظم اور راجا صاحب محمود آباد نے رپورٹ میں کچھ اس طرح ترمیم کرنے کو کہا کہ اسلامی حقوق محفوظ ہو جائیں اور اکثریت کو اقلیت پر غالب آنے کا موقع نہ ملے۔

Marfat.com

8) نیشنلسٹ گروہ کی علیحدگی:

نہرو رپورٹ مسلمانوں نے نیشنلسٹ گروہ کو ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا۔ وہ نہرو رپورٹ کو تسلیم کرنے کے حق میں تھے۔ مارچ 1929ء میں آل پارٹی مسلم کانفرنس کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اور دونوں مسلم لیگیوں کے اتحاد کا فیصلہ ہو گیا۔

قائداعظم پنڈال میں ذرا تاخیر سے پہنچے تو مسلم نیشنلسٹ پارٹی نے قائداعظم کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نہرو رپورٹ کو تسلیم کرانے کی کوشش کی لیکن ان کی دال نہ گلی اور وہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں سے کٹ کر کانگرس کے ہم نوا بن گئے۔

نہرو رپورٹ نے ہندو مسلم اتحاد کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگر ہندو ہوش کے ناخن لیتے اور آزادی کی جنگ میں مسلمانوں کو شریک سفر کرتے تو بہت پہلے منزل پر پہنچ جاتے۔

لیکن ہندوؤں نے تعصب اور تنگ نظری سے مسلمانوں کو درخوار اعتنا نہ سمجھا، اس طرح آزادی کی منزل اور دور ہوتی چلی گئی اور مسلمانوں کو مجبوراً اپنا رستہ جُدا کرنا پڑا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات کے اسباب مندجہ ذیل تھے۔

1) تجاویز دہلی 1927ء
2) سائمن کمیشن 1927ء
3) نہرو رپورٹ 1928ء
4) مسلم لیگ کا اتحاد 1929ء

1) تجاویز دہلی 1927ء:

قائداعظم کو متحدہ محاذ اور متحدہ دستور اس قدر عزیز تھا کہ آپ مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب سے بھی دست بردار ہو گئے۔ ہندو سب سے زیادہ جداگانہ انتخاب سے بھڑکتے تھے۔ قائداعظم نے جداگانہ انتخابات کو مشروط طور پر ترک کر کے مخلوط انتخاب پر آمادگی ظاہر کی اور کانگرس نے تجاویز دہلی کو بہت سراہا اور اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن نہرو رپورٹ میں اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو اپنی اکثریت کے بل بُوتے پر مسلمانوں کو دبائے رکھنا چاہتا تھا۔

Marfat.com

قائداعظم نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ہر ممکن دست تعاون بڑھانے کی کوشش کی لیکن ہندو نے صحیح صورت حال کا اندازہ کیے بغیر اسے مسلمانوں کی کمزوری خیال کیا۔ لیکن جب نہرو رپورٹ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں جدا کر دیں تو پھر ہندوؤں کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا اور آخر ہندو مسلمانوں کے اتحاد، تنظیم اور قوت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا۔

2) سائمن کمیشن 1927ء:

سائمن کمیشن سات انگریز ممبران پر مشتمل تھا۔ کیوں کہ سب ممبران انگریز تھے اس لیے اسے گورا کمشن کہا گیا۔ سر سائمن (Sir John Simon) اس کا سربراہ تھا۔ سر سائمن نے اپنی رپورٹ میں کانگرس کی متحدہ قومیت کی قلعی کھولی۔ سر سائمن نے لکھا کہ جمہوریت کی علمبردار اور متحدہ قومیت کی دعوے دار جماعت انڈین نیشنل کانگرس دراصل ایک مذہبی جماعت ہے۔ جس نے سیاست کا لبادہ پہن رکھا ہے۔ یہ سادہ لوح مسلمانوں کو محض مطالبات کی ظاہری کشش سے دھوکا دے رہی ہے اور اس طرح کچھ سادہ مسلمان اس کے جال میں پھنس چکے ہیں۔

کانگرس کی اصلیت اور حقیقت نہرو رپورٹ نے عیاں کر دی۔ مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ کانگرس مسلمانوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ جب کہ وہ خود میثاق لکھنؤ میں اور انگریز 1909ء، 1919ء کے ایکٹ میں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کر کے انھیں دوسری بڑی طاقت تسلیم کر چکے ہیں۔

3) نہرو رپورٹ 1928ء:

نہرو رپورٹ جب منظر عام پر آئی تو قائداعظم نے اس میں کچھ ترامیم کرنے کو کہا تا کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح نہ ہوں اور اکثریت کو اقلیت پر زیادتی کا موقع نہ ملے۔ پنڈت نہرو نے حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے جواب دیا کہ ''مسٹر جناح ایک ضدی بچے کی طرح ہیں جس کا دماغ کانگرس کے لاڈ پیار نے خراب کر دیا ہے۔'' اگر کانگرس حقیقت کو تسلیم کر لیتی اور مسلمانوں کے مطالبات کو بالکل نظر انداز نہ کرتی تو مسلمان شاید ان سے علیحدگی کی بات نہ کرتے۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو

Marfat.com

کانگرس سے مایوس کر دیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو جیسی تنگ نظر اور متعصب قوم کے ساتھ اسی صورت میں رہا جا سکتا ہے کہ اپنے قومی تشخص کی قربانی دی جائے۔ متحدہ قومیت کا حال بھی مسلمانوں کو قومی تشخص سے بیگانہ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ نہرو اپنی رپورٹ میں تنگ نظری اور تعصب کو نہ چھپا سکے اور اس طرح دونوں قوموں کی راہیں جدا ہو گئیں۔ تاہم قائداعظم نے چودہ نکات کے ذریعے آزادی کے سفر میں ہم رکاب ہونے کی کوشش کی لیکن کانگرس تجاویز دہلی پر قائم نہیں رہی تھی بھلا چودہ نکات پر کس طرح متفق ہو سکتی تھی۔

4) مسلم لیگ کا اتحاد 1928ء:

تجاویز دہلی نے مسلم لیگ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جب کہ نہرو رپورٹ نے پھر سے مسلم لیگ کے دو دھڑوں کو متحد کر دیا۔ تجاویز دہلی میں قائداعظم کے نقطہ نظر سے اتفاق کرنے والے جداگانہ انتخاب کو چھوڑنے کے لیے تیار تھے جب کہ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کا بنیادی مطالبہ سمجھنے والے اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ اس طرح مسلم لیگ دو گروہوں جناح لیگ اور سر شفیع لیگ میں تقسیم ہو کر رہ گئی۔

نہرو رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کی جو قربانی دی ہے اس کا کانگرس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ یوں دونوں گروپ پھر سے متحد ہو کر مسلمانوں کے مفاد کے لیے کوشاں ہو گئے۔

قائداعظم کے چودہ نکات:

قائداعظم نے نہرو رپورٹ سے پیدا ہونے والے حالات پر غور کرنے کے لیے مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں بلایا اور 31 مارچ 1929ء کو مسلمانوں کے مطالبات ایک قرارداد کی صورت میں پیش کیے جو قائداعظم کے چودہ نکات مشہور ہوئے۔ ان نکات کی تشکیل میں مولانا محمد علی جوہر کے مشوروں کا بڑا عمل دخل تھا تاہم یہ قائداعظم کا دماغی شاہکار تھا۔

Marfat.com

1) وفاقی طرز حکومت:

ملک کا آئین وفاقی ہو اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں۔

2) صوبوں کی خود اختیاری:

تمام صوبوں کو مساوی درجہ حاصل ہو اور انھیں یکساں صوبائی خود مختاری دی جائے۔

3) مقننہ میں اقلیوں کو مناسب نمائندگی:

مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز میں اقلیتوں کو مناسب نمائندگی دی جائے لیکن کسی فرقے کی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو۔

4) مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نمائندگی:

مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

5) جداگانہ طریق انتخاب:

جداگانہ انتخاب کا طریقہ جاری رہے لیکن ہر فرقے کو اختیار ہو کہ وہ اپنی مرضی سے مخلوط طریقہ انتخاب اپنا لے۔

6) صوبائی حدود میں تبدیلی:

صوبوں کی حدود میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے جس سے مسلم اکثریت متاثر ہو۔

7) مذہبی آزادی:

ہندوستان کے تمام فرقوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔

8) دستور میں ترمیم:

قانون ساز مجلس میں کوئی ایسا مسودہ قانون منظور نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی

Marfat.com

قانون میں ترمیم کی جائے جس کی مخالفت کسی فرقے کے تین چوتھائی ارکان کریں۔

9) سندھ کی بمبئی سے علیحدگی:

سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

10) سرحد اور بلوچستان میں آئینی اصلاحات:

صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دیگر صوبوں کی طرح آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

11) ملازمتوں میں حصہ:

مسلمانوں کو سرکاری اور خود مختار اداروں میں دوسری قوموں کے ساتھ ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔

12) مسلم تہذیب وثقافت کا تحفظ:

مسلمانوں کی تہذیب، ثقافت، مذہب، اوقاف، قانون اور تعلیم کو تحفظ دیا جائے اور ان کے فروغ کے لیے مالی امداد فراہم کی جائے۔

13) مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں مسلم نمائندگی:

مرکز اور صوبوں میں کوئی ایسی وزارت قائم نہ کی جائے جس میں ایک تہائی مسلمان نہ ہوں۔

14) دستور میں تبدیلی:

صوبوں کی منظوری کے بغیر مرکزی مجلس قانون ساز دستور میں تبدیلی کی مجاز نہ ہوگی۔

چودہ نکات کی اہمیت:

قائداعظم کے چودہ نکات برعظیم کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان

Marfat.com

سے مسلم سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

1) مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی۔
2) نہرو رپورٹ کا توڑ۔
3) مسلم لیگ کا اتحاد۔
4) دوقومی نظریے کو فروغ۔
5) قائداعظم کی قیادت۔
6) ہندوؤں کے لیے چیلنج۔
7) ہندوؤں کا ردعمل۔
8) مسلمان ہندوستان کی دوسری بڑی قوت۔
9) حصول پاکستان کی طرف پہلا قدم۔
10) مستقبل کے لیے لائحہ عمل۔

1) مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی:

تجاویز دہلی مسلمانوں کے جذبات کی صحیح عکاسی نہیں کرتی تھیں اس وجہ سے مسلم لیگ دودھڑوں میں بٹ گئی۔ تجاویز دہلی جیسی نرم شرائط کو بھی کانگرس نے درخوراعتنا نہ سمجھا اور نہرو رپورٹ نے مصالحت کے تمام دراوزے بند کر دیئے۔ اس پر قائداعظم نے چودہ نکات پیش کیے جو مسلمانوں کے جذبات کے صحیح عکاس تھے۔

2) نہرو رپورٹ کا توڑ:

دہلی تجاویز میں مسلم لیگ جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہو گئی تھی۔ موتی لال نہرو نے نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کو روندنے کی کوشش کی اس وجہ سے ضروری ہو گیا کہ مسلمان مصلحت کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے نہرو رپورٹ کا جواب دیں۔ قائداعظم نے نہرو رپورٹ کا توڑ چودہ نکات کی صورت میں پیش کیا۔

3) مسلم لیگ کا اتحاد:

تجاویز دہلی میں جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ

Marfat.com

ایک گروپ سر شفیع گروپ کے نام سے الگ ہوگیا۔نہرو رپورٹ نے یہ ثابت کردیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے اپنے مطالبات سے بالکل دست بردار کرنا چاہتی ہے۔نہرو رپورٹ اور کانگرس کی سوچ نے مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کو پھر سے متحد ہونے کی راہ دکھائی اور انھوں نے متحد ہو کر چودہ نکات پیش کیے۔

4) دوقومی نظریے کو فروغ:

جداگانہ انتخاب نے مسلمانوں کو الگ قومی تشخص دیا۔تجاویز دہلی سے مسلمان جدگانہ انتخاب سے دست بردار ہوئے تو گماں ہونے لگا کہ مسلمان کانگرس کے گمراہ کن نعرے متحدہ قومیت سے متاثر ہو گئے ہیں۔اور نیشنلسٹ مسلمان مسلم لیگ کے جناح گروپ اپر اپنا تسلط جما چکے ہیں۔لیکن قائداعظم کے چودہ نکات نے ان شک وشبہات کو ختم کیا اور یہ ثابت کردیا کہ وہ دوقومی نظریے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔نہرو رپورٹ کے جواب میں جو چودہ نکات پیش کیے گئے انھوں نے دوقومی نظریے کو فروغ دیا۔

5) قائداعظم کی قیادت:

چودہ نکات قائداعظم کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔اس سے قبل مولانا محمد علی جوہر تحریک خلافت کی ناکامی کی وجہ سے اور ابوالکلام آزاد نیشنلسٹ نظریات کی وجہ سے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی سے عاری ہو گئے تھے۔قائداعظم نے نہرو رپورٹ کا جواب دے کر مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیا اور جلد ہی وہ قائداعظم بن گئے۔

6) ہندوؤں کے لیے چیلنج:

قائداعظم کے چودہ نکات ہندوؤں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ آئندہ چار پانچ سالوں تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں ان چودہ نکات ہی کی روشنی میں سیاسی گفت گو ہوتی رہی۔کانگرس نے جب بھی حکومت خوداختیاری کے لیے زور لگایا تو مسلمانوں نے اس کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ جب کانگرس نے نعرہ لگایا کہ ”ہندوستان چھوڑ دو“ تو مسلم لیگ نے کہا ”تقسیم کرو اور ہندوستان چھوڑ دو“ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں جدا جدا ہوگئیں۔

Marfat.com

7) ہندوؤں کا ردعمل:

چودہ نکات کے خلاف ہندوؤں کا ردعمل بڑا شدید تھا۔ وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اقلیت کو رام کرنا چاہتے تھے۔ کانگرس متحدہ قومیت کا دعویٰ کر رہی تھی اور نیشنلسٹ مسلمان اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر مونجے نے قائداعظم کے چودہ نکات کو ہندوستانی قومیت کی روح کے منافی قرار دیا۔ نہرو رپورٹ نے اور قائداعظم کے چودہ نکات دو الگ الگ قوموں کے مفادات کا تحفظ تھا جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں جدا ہو گئیں۔

8) مسلمان ہندوستان کی دوسری بڑی قوت:

قائداعظم کے چودہ نکات نے مسلمانوں کو ہندوستان کی دوسری بڑی قوت ثابت کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان ہندوؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مطالبات کے خود پاسبان بن گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب نہرو نے بڑ ماری کہ ہندوستان میں ہندو اور انگریز دو طاقتیں ہیں تو قائداعظم نے کہا کہ ہندوستان میں تیسری بڑی طاقت مسلمان ہیں۔

9) حصول پاکستان کی طرف پہلا قدم:

قائداعظم کے چودہ نکات نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان آئین سازی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ اپنے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ نہرو رپورٹ کے مقابلے میں قائداعظم کے چودہ نکات اینٹ کا جواب پتھر تھا جسے ہندوؤں نے محسوس کیا اور آئندہ کے لیے تلخیاں بڑھ گئیں۔

قائداعظم کے چودہ نکات نے ہندوؤں پر عیاں کر دیا کہ مسلمان کم پر راضی نہیں ہوں گے۔ مسلمان ان چودہ نکات کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ اپنی منزل پاکستان تک جا پہنچے۔ ہندوؤں نے چودہ نکات کو ہندوستانی قومیت کے منافی قرار دیا تو مسلمانوں نے اسے اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے اہم دستاویز قرار دیا۔ اس طرح قائداعظم کے چودہ نکات حصول پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

10) مستقبل کے لیے لائحہ عمل:

قائداعظم کے چودہ نکات نے مسلمانوں کو مستقبل کے لیے لائحہ عمل دیا۔ جس پر چل کر انھوں نے سیاست میں ہندوؤں کا مقابلہ کیا۔ قائداعظم کے چودہ نکات آئندہ کے لیے ایک جامع اور مستقبل پروگرام تھا۔ اسے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی مکمل دستاویز کہا جا سکتا ہے۔

11) مسلمانوں کی بالغ نظری:

قائداعظم کے چودہ نکات نے ثابت کر دیا کہ مسلمان حکمرانی کے اصولوں سے آگاہ ہیں، اور ان کی آئینی دستاویز نہرو رپورٹ سے کہیں بہتر اور جامع ہے۔ اور ہندو رہنماؤں کی نسبت مسلم رہنماؤں میں بالغ نظری، سیاسی اور بصیرت بدرجہ اولیٰ موجود ہے۔

☆☆

Marfat.com

تیسواں باب

خطبہ الہ آباد

بیسویں صدی کے آغاز میں مغربی اقوام مسلمانوں کے علاقے ہتھیانے اور انھیں سیاسی طور پر غلام بنانے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے اور وحشیانہ ہتھکنڈوں سے کام لے رہے تھے۔ علامہ اقبال کے دل و دماغ میں مغربیوں نے اس وحشیانہ پن اور غیر انسانی سوچ نے بڑے گہرے نقوش مرتب کیے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور مصائب والم نے علامہ اقبال کے جذبات کو ہوا دی اور آپ ''فاطمہ، بنت عبداللہ''، ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' جیسی نظمیں کہنے پر مجبور ہوئے۔ ''فاطمہ بنت عبداللہ'' میں آپ نے مسلمان کی زبان سے ان کی بدحالی اور مصیبتوں کی شکایت خدا کے حضور پیش کی۔ ''شکوہ'' میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور کمپرسی کی شکایت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی اور ''جواب شکوہ'' میں مسلمانوں کی بے عملی، کم ہمتی اور نا اتفاقی کی نشان دہی کرتے ہوئے باعمل اور بامقصد زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی۔

1915ء میں آپ کی مشہور فارسی مثنوی ''اسرارِ خودی'' شائع ہوئی۔ اس میں آپ نے فرد کو اصلاح نفس کا درس دیا اور فلسفہ خودی کی وضاحت کرتے ہوئے زندگی کو مسلسل جدوجہد اور تحریک کا نام دیا۔ 1918ء میں ''رموزِ بے خودی'' شائع ہوئی اس میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قیام کی وضاحت کی اور ''لا الہ'' سے ''الا اللہ'' کا سفر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ کی دو مشہور نظمیں ''خضر راہ'' اور ''طلوع اسلام'' شائع ہوئیں۔ ان کا مقصد قوم کو خوابِ غفلت سے جگا کر ہوشیار کرنا تھا کہ وہ ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکیں۔

1928ء میں آپ نے مدراس میں اسلامی موضوعات پر انگریزی زبان میں کئی لیکچر دیئے ان خطبوں میں اسلام میں اجتہاد کی ضرورت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔

Marfat.com

1930ء میں آپ نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تاریخی خطبہ دیتے ہوئے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کے سیاسی مسئلے کا حل اور ملک میں اسلامی تہذیب کے استحکام کے لیے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی گئی۔

خطبہ آلہ آباد کا پس منظر:

1) تجاویز دہلی
2) سائمن کمیشن
3) نہرو رپورٹ
4) قائداعظم کے چودہ نکات
5) مسلمانوں کا جداگانہ تشخص

1) تجاویز دہلی:

نہرو کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا مطالبہ ہندو مسلم یک جہتی اور اتحاد میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ قائداعظم نے تجاویز دہلی میں مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دست برداری اختیار کی۔ اس طرح مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی، سر شفیع لیگ یا لاہور گروپ اور قائداعظم محمد علی جناح یا کلکتہ گروپ۔ علامہ اقبال مسلمانوں کے لیے جدگانہ انتخابات کو انتہائی اہم خیال کرتے تھے۔ اس لیے اس سے دست بردار ہونا مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ سمجھتے تھے۔

2) سائمن کمیشن:

سائمن کمشن کی آمد کے موقعے پر مسلم لیگ دو گروپوں میں تقسیم تھی۔ سر شفیع لیگ نے سائمن کمشن نے سے تعاون کیا اور علامہ سر محمد اقبال نے سر شفیع کا ساتھ دیا۔ آپ نے کمشن کے سامنے مسلمانوں کے نکتہ نظر بڑی وضاحت اور خوبصورتی سے پیش کیا۔

Marfat.com

3) نہرو رپورٹ:

نہرو رپورٹ میں میثاق لکھنؤ کے تسلیم شدہ مطالبات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا اور تجاویز دہلی کی تجاویز کو بھی بالکل پس پشت ڈال کر مسلمانوں کو سیاست میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو الگ اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں جدا کر دیں۔

4) قائداعظم کے چودہ نکات:

قائداعظم نے نہرو رپورٹ کا جواب چودہ نکات کی صورت میں دیا۔ اور ان نکات نے ثابت کر دیا کہ اب مسلمان کم پر راضی نہ ہوں گے۔ چودہ نکات نے مسلم سیاست کا رخ موڑ دیا۔

خطبہ الٰہ آباد:

آل انڈیا مسلم لیگ کے زیر اہتمام 30 دسمبر 1930ء کو الٰہ آباد کے مقام پر ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی۔ اس جلسے میں جو صدارتی خطبہ انھوں نے پیش کیا وہ نہ صرف سیاسی اعتبار سے اہم ہے بل کہ تاریخی نکتہ نظر سے بھی تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس خطبے میں مسلمانوں کے لیے اس منزل مقصود کی نشان دہی تھی جس کے لیے مسلمانان ہند صحرائے سیاست میں سرگرداں تھے۔ اس سے قبل انفرادی طور پر مسلمانوں کی منزل کی طرف اشارے ملتے ہیں لیکن مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پہلی دفعہ مسلم ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔ اس خطبے نے افکارِ قوم کو مکمل کر کے ان کے لیے ایک الگ مسلم ریاست کا تصور دیا۔ اسی لیے آپ کو تصور پاکستان کا خالق کہا جاتا ہے۔

علامہ کے مسلم ریاست کے تصور کو چودھری رحمت علی نے ''پاکستان'' کا نام دیا۔ چودھری رحمت علی نے جنوری 1933ء میں کیمرج سے چار ورقی ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں لکھا کہ ''علامہ اقبال نے مسلمانوں کے صدیوں کو ایک ریاست بنانے کی تجویز دی ہے۔ ان صوبوں کا ایک وفاق قائم کیا جائے...... یہ مطالبہ ہندوستان کے ان

Marfat.com

تین کروڑ مسلمانوں کا ہے جو پاکستان میں رہتے ہیں اور اس سے مراد پنجاب، سرحد، کشمیر، بلوچستان اور سندھ ہے"۔

خطبہ الٰہ آباد کے اہم نکات:

1) اسلام مکمل ضابطہ حیات۔
2) مسلمان سیاسی وثقافتی اعتبار سے زندہ قوم
3) ہندو مسلمان الگ الگ قومیں ہیں۔
4) جغرافیائی تصور۔
5) تحریک آزادی کے لیے دوقومی نظریے کی اہمیت:

1) اسلام مکمل ضابطہ حیات:

اسلام ایک زندہ حقیقت ہے جو انسان کو جغرافیائی حدود وقیود میں پابند ہو کر رہ جانے سے باز رکھتا ہے۔ زمانے کی لگام اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نازک موڑ پر اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو بچایا ہے۔ اسلام تو خود تقدیر الٰہی ہے اور زمانے کی تقدیریں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں تہذیب، تمدن، ثقافت، نظریہ حیات، خلاقی تصورات موجود ہیں۔ اس لیے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور مسلم تہذیب و تمدن کا ارتقا ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام سے ہی ممکن ہے۔

2) مسلمان سیاسی وثقافتی اعتبار سے زندہ قوم:

مسلمان سیاسی وثقافتی اعتبار سے ایک زندہ قوم ہیں۔ اسی الگ تشخص کی وجہ سے گذشتہ ایک ہزار سال سے اپنی الگ پہچان قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مسلمان ماضی میں ایک زبردست قوت تھے اور اب پھر ایک قوت بن کر ابھر رہے ہیں۔ مسلمان برعظیم میں سات کروڑ ہیں اور ہندوستان کی دوسری قوموں کی نسبت ان میں سب سے زیادہ یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

3) ہندو مسلمان الگ الگ قومیں ہیں:

ہندو اور مسلمان برعظیم میں ایک ہزار سال سے اکٹھے رہ رہے ہیں لیکن انھوں نے الگ تشخص کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ان دونوں کے مزاج معاشرت اور نظریہ آزادی میں نمایاں فرق ہے جس نے انھیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور کیا ہے۔ اس لیے ہندوستان کی سیاسی کش مکش کا واحد حل دو الگ الگ ریاستوں کا قیام ہے۔

4) جغرافیائی تصور:

ہندوستان انسانی گروہوں کا براعظم ہے۔ اس میں کئی قومیں بستی ہیں جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مختلف زبانیں بولتی ہیں اور مختلف مذاہب پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے انھیں متحدہ قومیت میں لانا آگ پانی کو اکٹھا کرنا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلم ہندوستان پیدا کیا جائے۔ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک الگ مملکت بنا دی جائے۔ ہندوستان کے شمال اور مغرب میں مسلمانوں کی ایک مملکت کم از کم مجھے مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ نظر آتی ہے۔

5) تحریک آزادی کے لیے دوقومی نظریے کی اہمیت:

میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد کے پیش نظر ایک اسلامی مملکت کا مطالبہ پیش کر رہا ہوں۔ اس طرح ہندوستان کے اندر مختلف قوموں میں توازن پیدا ہو جائے گا اور تحریک آزادی میں اپنا اپنا کردار بخوبی ادا کر سکیں گے۔ اس طرح دونوں قوموں کے لیے امن وسلامتی کی راہیں ہموار ہوں گی اور مسلمانوں کو اپنی ریاست میں اسلام کے مطابق زندگیاں گزارنے کا موقعہ فراہم ہوگا۔

برعظیم کے مسلمانوں کی تحریک آزادی میں خطبہ الہ آباد کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس میں مسلمانوں کے الگ قومی تشخص، مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے اہم خدوخال اور برعظیم میں مسلم قومیت کی شاندار تاریخ کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پہلی دفعہ اتنے مدلل اور پرزور الفاظ میں کیا گیا۔

Marfat.com

خطبات الہ آباد پر ہندو راہنماؤں نے بڑی لے دے کی اور اسے ایک فلسفی کا ناقابلِ عمل تصور اور شاعر کا تخیل قرار دیا لیکن خطبہ الہ آباد صرف علامہ اقبال کا تصور اور تخیل ہی نہیں تھا بلکہ یہ مسلمانوں کی امنگوں کا علم بردار، ان کے احساسات و جذبات کا ترجمان تھا جس نے جلد مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

خطبہ الہ آباد نے کانگرس کے متحدہ قومیت کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کو فکر و عمل کی نئی راہیں دکھائیں۔ جس پر چل کر وہ آزادی کی منزل کی طرف بڑھے۔

خطبہ الہ آباد نے مسلمانوں کو نیا عزم و جوش اور ولولہ دیا اور اسی بل بوتے پر مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

گول میز کانفرنس کے بعد قائد اعظم انگلستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ علامہ اقبال نے 1933ء میں خط لکھ کر آپ کو واپس آ کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کے لیے مجبور کیا۔ چناں چہ قائد اعظم 1934ء میں واپس ہندوستان پہنچے اور مسلم لیگ کو منظم کرنے کا کام شروع کیا۔ 1940ء کے اجلاس لاہور میں مسلم لیگ نے علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے نظریات و خیالات کو مسلمانوں کا نصب العین قرار دیا اور 14 اگست 1947ء کو ایک الگ وطن کے خواب کو شرمندہ تعبیر ملی۔

.... o ....

Marfat.com

چوبیسواں باب

ایکٹ 1935ء اور کانگرس وزارتیں

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کا پس منظر:

1) 1919ء کا ایکٹ۔ 2) سائمن کا کمشن۔ 3) نہرو رپورٹ۔
4) قائداعظم کے چودہ نکات۔ 5) گول میز کانفرنس 6) خطبہ الٰہ آباد۔
7) کمیونل ایوارڈ۔

1) 1919ء کا ایکٹ:

جنگ عظیم اول میں ہندوستانیوں نے برطانیا کے لیے جان و مال کی قربانیاں اس لیے دی تھیں کہ جنگ عظیم کے خاتمے پر ان کو خود اختیاری (Self Government) سے نوازا جائے گا۔ اس طرح ان کی مالی و جانی قربانیاں رنگ لائیں گی۔ لیکن جنگ عظیم کے اختتام پر انگریز نے آنکھیں پھیر لیں اور ہندوستانیوں کو رولٹ ایکٹ کا رسوائے زمانہ تحفے میں دیا۔ قائداعظم نے رولٹ ایکٹ کے بارے میں کہا کہ ''کوئی مہذب حکومت ان سفارشات کو قانونی شکل دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی'' تاہم برطانوی مہذب حکومت نے سر سڈنی رولٹ کی سفارشات کو قانونی شکل دے کر (رولٹ ایکٹ) بنا دیا۔ جس کے نتیجے میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا اور 379 آدمی ہلاک اور 1200 زخمی ہوئے۔

20 اگست 1917ء کو وزیر ہند مانٹیگو نے دارالعلوم میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ حکومت برطانیا ہندوستانیوں کو اقتدار میں زیادہ سے زیادہ شریک کرنا چاہتی ہے۔ چناں چہ 1917ء میں مانٹیگو نے ہندوستان کا دورہ کیا اور وائسرائے ہند چیمسفورڈ کے

Marfat.com

ساتھ مل کر ایک رپورٹ تیار کی جسے 23 دسمبر 1919ء کو شاہی دستخطوں کے ساتھ قانونی درجہ دیا گیا۔ برطانوی حکومت نے 1919ء کی اصلاحات نافذ کرتے وقت اعلان کیا کہ دس سال کے بعد آئینی سفارشات پیش کرے گا۔ اس طرح 1929ء کو اصلاحات کا جائزہ لینے کے لیے کمشن کا تقرر ہونا تھا۔

2) سائمن کا کمیشن:

1919ء کی آئینی اصلاحات کے رو سے دس سال کے بعد ایک کمشن کو ہندوستان کے لیے آئینی اصلاحات کا جائزہ لینا تھا۔ نومبر 1927ء میں وائسرائے ہند لارڈ ارون نے اعلان کیا کہ آئینی اصلاحات کے سلسلے میں ایک شاہی کمشن ہندوستان آئے گا۔ چنانچہ سات رکنی کمیشن جس کے سب ممبر انگریز تھے۔ 2 فروری 1928ء کو ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان کی سب بڑی سیاسی جماعتوں نے اس کا بائیکاٹ کیا۔

لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند، سائمن کمیشن کے دونوں قوموں کے متفقہ بائیکاٹ پر جھنجھلا اٹھا۔ اس نے کہا کہ برعظیم کی فرقہ وارانہ کشیدگی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ کوئی متفقہ آئین وضع کرنے سے قاصر ہیں۔

3) نہرو رپورٹ:

کانگرس نے وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ کے اعلان کو ایک چیلنج سمجھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے مطالبات بالائے طاق رکھ کر ان سے تعاون کرنے کی اپیل کی۔ چناں چہ 12 فروری 1928ء کو آل پارٹیز کانفرنس کا پہلا اجلاس دہلی میں ہوا جس میں ہندو مسلمان اور دیگر اقوام کے ستر ہ نمائندے شریک ہوئے اور پھر دو ماہ کے اندر آل پارٹیز کانفرنس کے 25 اجلاس ہوئے۔ بالا آخر طے پایا کہ ایک کمیٹی بنا دی جائے جو ہندوستان کا دستور مرتب کرے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔

- اس کمیٹی کو وزیر ہند کے اس بیان کی تردید کرنا تھی کہ ہندوستان کوئی مشترکہ دستور مرتب نہیں کر سکتے مگر نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے مطالبات کو پس پشت ڈال کر اس کے الزام کی تائید کر دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کانگرس کو نہرو رپورٹ میں چند ترمیم کر کے مسلمانوں کو آزادی کے سفر میں ہم رکاب بنانے کی دعوت دی لیکن کانگرس

Marfat.com

نے مسلمانوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور نہرو رپورٹ میں ترمیم کرنے سے انکار کر دیا۔

4) قائد اعظم کے چودہ نکات:

نہرو رپورٹ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں جدا کر دیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ کے رد میں اپنے چودہ نکات پیش کیے ان نکات نے نہرو رپورٹ کی اہمیت ختم کر دی اور مسلمانوں کو ذہنی انتشار سے نکال کر صحیح جادہ پر گامزن کر دیا۔

5) گول میز کانفرنسیں:

12 نومبر 1930ء کو پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں کانگرس کے علاوہ باقی تمام پارٹیوں نے شرکت کی۔ کانگرس اس بات پر بضد تھی کہ نہرو رپورٹ کو من و عن دستور کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ نہرو رپورٹ کو برطانوی حکومت کے لیے تسلیم کرنا بڑا مشکل تھا۔ جب کانگرس برطانوی حکومت سے مایوس ہو گئی تو اس نے سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ مسلمان اس تحریک سے الگ تھلگ رہے اور جلد ہی یہ دم توڑ گئی۔

پہلی گول میز کانفرنس کے دوران میں مولانا محمد علی جوہر شدید بیمار ہوئے۔ اُنھوں نے کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''میں آزادی کے لیے آیا ہوں اگر میرے ملک کو آزادی نہ ملی تو میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا'' چناں چہ 4 جنوری 1931ء کو آپ کا انتقال ہوا اور آپ کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔

دوسری گول میز کانفرنس 7 ستمبر 1931ء کو شروع ہوئی۔ کانگرس کے واحد نمائندے مسٹر گاندھی نے شرکت کی۔ ان کی ہٹ دھرمی سے کانفرنس ناکام ہو گئی اور وہ مایوس ہو کر ہندوستان لوٹے۔ حکومت برطانیا نے فرقہ وارانہ مسئلے کا حق اپنے ذمہ لے لیا۔

تیسری گول میز کانفرنس:

ہندوستان میں لارڈ ارون (Lord Irwin) کی جگہ لارڈ ولنگڈن (Lord Willing Don) وائسرائے ہند بن کر آیا۔ حکومت کو اقلیتوں کے مطالبات سے باز رکھنے کے لیے کانگرس نے پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ لارڈ ولنگڈن نے گاندھی کو گرفتار کر کے سول نافرمانی کی تحریک ختم کر دی۔

تیسری گول میز کانفرنس 24 دسمبر 1932ء کو شروع ہوئی۔ اس میں کانگرس

Marfat.com

شریک نہ ہوئی اور کانفرنس بغیر کسی قابل ذکر واقعے کے ختم ہوگی۔

6) خطبہ الہ آباد:

علامہ اقبال نے 30 دسمبر 1930ء کو خطبہ الہ آباد میں علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ قائد اعظم چودہ نکات کے ذریعے مسلمانوں کو ذہنی انتشار سے نکال کر صحیح سمت کی طرف گامزن کر چکے تھے۔ علامہ اقبال کے خطبے نے مسلمانوں کی منزل کی نشان دہی کر دی۔ اب مسلمانوں نے ایک تصور ذہن میں جانشین کر لیا اور اس سے کم پر ہندوؤں کے فریب میں آنے سے بچ نکلے۔ نہرو نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کے وجود کی نفی کی تھی لیکن اس کے بعد کے اقدامات نے مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا عزم اور حوصلہ دیا۔

7) کمیونل ایوارڈ:

دوسری گول میز کانفرنس کے اختتام پر حکومت برطانیہ نے فرقہ وارانہ مسئلے کا حل اپنے ذمے لیا تھا۔ فرقہ وارانہ مسئلے کا حل ریمزے میکڈانلڈ (Ramsay Macdonald) کے ذمے کیا گیا۔ اس نے اس مسئلے کو طول دینے کی کوشش کی۔ اس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں شک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کے راست اقدام کی دھمکی دے دی۔ کانگرس پہلے ہی سول نافرمانی کی تحریک شروع کر چکی تھی۔ اس طرح حکومت برطانیہ نے 19 مارچ 1932ء کو ایک سرکاری اعلان کے ذریعے فرقہ وارانہ فیصلے میں غیر ضروری تاخیر نہ کرنے کا وعدہ کیا۔

4 اگست 1932ء کو ریمزے میکڈانلڈ نے فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان کر دیا۔ اس کمیونل ایوارڈ (Communal Evad) میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کر لیا گیا اور ان کے ساتھ سکھوں، عیسائیوں اور اچھوتوں کو بھی یہی حق دے دیا گیا۔ اچھوت طبقے کی علیحدہ نمائندگی کے فیصلے سے ہندوؤں کی آنکھیں کھل گئیں۔ گاندھی جی نے اچھوتوں کی علاحدہ نمائندگی کو ختم کرانے کے لیے 2 ستمبر 1932ء کو مرن برت شروع کر دیا۔ اس سے اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر کو رام کر لیا گیا اور آخر ہندوؤں اور اچھوتوں کے درمیان پونا پیکٹ 25 ستمبر 1932ء کو طے پا گیا اور اچھوت علیحدہ حق

Marfat.com

انتخاب سے دست بردار ہو گئے۔

قانون ہند 1935ء:

گول میز کانفرنسوں کی سفارشات کو 1933ء میں قرطاس ابیض (White Paper) کی صورت میں شائع کیا گیا۔ لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgow) نے ایک کمیٹی کی مدد سے اس کا جائزہ لیا اور جولائی 1935ء میں اسے پارلیمنٹ کی منظور حاصل ہوئی۔ 2 اگست 1935ء کو شاہی دستخطوں کے بعد اسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے نام سے نافذ کر دیا گیا۔

اس ایکٹ کے دو اہم حصے۔

(1) وفاقی۔ (2) صوبائی۔

خصوصیات:

1) وفاقی طرز حکومت کا قیام 2) صوبائی خودمختاری
3) حکومت ہند سے برما کی علیحدگی 4) سندھ اور اڑیسہ کے دو نئے صوبے
5) مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریقہ انتخاب اور کمیونل ایوارڈ کے مطابق نمائندگی۔
6) صوبائی خودمختاری۔ 7) دستور میں ترمیم کا اختیار برطانوی پارلیمنٹ کو دیا گیا۔

1) وفاقی:

پورے ہندوستان کو ایک وفاق میں لانے کی کوشش کی گئی۔ وفاقی مقننہ کے دو ایوان بنائے گئے۔ ایوان زیریں (فیڈرل اسمبلی Federal Asseimbly) ایوان بالا (کونسل آف سٹیٹس Council of States)

1۔ ایوان زیریں یعنی فیڈرل اسمبلی کے ممبران کی تعداد 375 تھی۔ جن میں سے 250 برطانوی ہند کے اور 125 دیسی ریاستوں کے نمائندے رکھے گئے۔

2۔ ایوان بالا یعنی کونسل آف سٹیٹس کے ممبران کی تعداد 260 تھی۔ جن میں سے 150 برطانوی ہند کے اور 104 دیسی ریاستوں کے نمائندے رکھے گئے۔

ایوان زیریں کی میعاد 5 سال رکھی گئی جب کہ ایوان بالا کے ایک تہائی ممبران ہر تین سال بدلیں گے اور ان کی جگہ پر نئے ممبران کا انتخاب ہوگا۔

Marfat.com

مرکزی نظام:

دو عملی:

مرکز میں دو عملی جاری کی گئی۔ دفاع، امور خارجہ اور مذہبی امور کا انتظام وائسرائے ہند اور اس کی تین ارکان پر مشتمل انتظامی کونسل کے سپرد ہوئے اور باقی مرکزی محکمے دس وزرا کی تحویل میں دیئے گئے۔

وفاقی عدلیہ:

اس قانون کی رو سے وفاقی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قانون کی تشریح و توضیح کا کام بھی اسی عدالت کے سپرد ہوا۔

مرکزی بنک:

ریزرو بنک آف انڈیا (Reserve Bank of India) قائم کیا گیا اور اسے کرنسی نوٹ چھاپنے کا اختیار بھی دیا گیا۔

وزیر ہند کی کونسل:

وزیر ہند کی کونسل ختم کر دی گئی اور تین سے چھ ممبران کی مشاورتی کونسل بنائی گئی۔

صوبائی نظام:

1۔ صوبائی مقننہ:

ہندوستان میں گیارہ صوبے بنائے گئے۔ ان میں سے چھ صوبوں (بنگال، بمبئی، مدراس، یوپی، بہار اور آسام) میں صوبائی مقننہ کے دو ایوان مقرر کیے گئے۔

(1) ایوان بالا (قانون ساز کونسل) یہ ایک مستقل ایوان تھا۔ جس کے ایک تہائی ارکان ہر تین سال بعد نئے ممبران کا انتخاب ہوتا تھا۔

(2) ایوان زیریں (قانون ساز اسمبلی) یہ ایوان عوام کے نمائندوں پر مشتمل

Marfat.com

تھا۔اس کی مدت انتخاب پانچ سال تھی۔

باقی صوبوں میں ایک مقننہ تھی اوراس کا نام قانون ساز اسمبلی تھا۔

گورنر:

صوبائی گورنر کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔جن کی بدولت قانون ساز اسمبلی اوروزرات بے معنی ہو جاتی تھی۔

خواتین:

خواتین کے لیے قانون ساز اسمبلی میں نشستیں مخصوص کردی گئیں۔

تنقیدی جائزہ:

1935ء کے ایکٹ میں برطانوی گرفت بدستور قائم رہی۔اس پر جواہر لال نہرو نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یہ قانون اس مشین کی مانند ہے جس کا انجن نہیں بلکہ بریکیں ہی بریکیں ہیں" قائداعظم محمد علی جناح نے اسے "بے ہودہ" ناقص اور قطعی طور پر ناقابل عمل قرار دیا"۔

گورنر جنرل اور گورنروں کو وسیع اختیارات دیئے گئے جس کی وجہ سے قانون ساز ادارے غیر موثر اور مفلوج ہو کر رہ گئے۔

1935ء کے ایکٹ کا عملی طور پر نفاذ 1937ء میں ہوا جس میں کانگرس نے گیارہ صوبوں میں سے سات پر قبضہ کرلیا۔

قیام پاکستان کے بعد 1935ء کے قانون کو چند ترامیم کے ساتھ اپنا لیا گیا۔

1935ء کے ایکٹ کے تحت 1937ء کے اوائل میں برعظیم میں عام انتخابات ہوئے۔ان انتخابات میں کل 1771 نشستوں میں سے کانگرس نے 762 اور غیر کانگرسی ہندوؤں نے 113 مسلم لیگ نے 62 نشستیں اور باقی دیگر ارکان نے حاصل کیں۔ان نتائج سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئیں۔

1۔ کانگرس کا پورے ملک کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ باطل ثابت ہوا بلکہ سب ہندوؤں کی نمائندہ اور ترجمان ہونا بھی ثابت نہ کرسکی۔

2۔ مسلم لیگ کو مسلم اقلیت کے صوبوں میں نمایاں کامیابی ہوئی لیکن مسلم اکثریت

Marfat.com

صوبوں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

کانگرس کو گیارہ میں سے سات صوبوں میں نمایاں کامیابی ہوئی لیکن مسلم اکثریت صوبوں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

کانگرس کو گیارہ میں سے سات صوبوں میں وزراتیں بنانے کا موقع ملا۔

کانگرس راہنماؤں نے اقتدار کے نشے میں ہندوعزائم کا اظہار شروع کر دیا۔ جواہر لال نہرو نے کہا کہ ''آج ہندوستان میں صرف دو فریق ہیں یعنی کانگرس اور برطانوی حکومت'' اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی تردید کرتے کہا کہ ہندوستان میں تیسرا فریق بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں۔

وزارت سازی میں اشتراک سے انکار:

کانگرس نے وزارت سازی کے لیے مسلم لیگ کو اقتدار میں شریک کرنے سے انکار کر دیا۔

مسلم لیگ کو ختم کرنے کی سازش:

کانگرس نے اکثریت والے صوبوں میں مخلوط حکومت بنانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جن صوبوں میں اسے اکثریت حاصل نہ تھی۔ ان میں مسلم لیگ سے تعاون کے بجائے دوسری جماعتوں سے اتحاد کیا۔ کانگرس نے مسلم لیگ کو بے جان بنانے کے لیے مسلمانوں کی علاقائی جماعتوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی۔

کانگرس برسر اقتدار آتے ہی اس قدر بے لگام ہو گئی کہ وہ بھول ہی گئی کہ ابھی حکومت برطانیہ یہاں موجود ہے۔ کانگرس نے مسلمانوں کو تعلیمی، ثقافتی اور معاشی اعتبار سے تباہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

(1) مسلمانوں سے ناروا سلوک (2) مسلم کش فسادات

(3) سرکاری ملازمین کے کام میں مداخلت (4) بندے ماترم۔

(5) گاندھی کی تصویر کی تعظیم (6) ترنگا پرچم۔

(7) اسلامی رسومات کی ادائی میں مداخلت۔ (8) ذبیحہ گاؤ کا مسئلہ۔

(9) مسلم اوقاف پر قبضہ۔ (10) زبان کا مسئلہ

Marfat.com

(11) ودیامندر سکیم۔ (12) واردھا سکیم
(13) مسلمانوں پر معاشی دباؤ۔ (14) مسلمانوں پر معاشرتی دباؤ۔

(1) مسلمانوں سے ناروا سلوک:

کانگرس کی وزارتیں قائم ہوتے ہی ہندوؤں نے یہ سمجھ لیا کہ رام راج آ گیا۔ کانگرس نے مسلمانوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ کانگرس نے مخلوط وزراتیں بنانے سے انکار کر کے ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کی نفی کر دی۔ موتی لال نہرو نے مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا دیا اور اسے ختم کرنے کے لیے یہ اعلان کیا کہ کانگرس مسلم لیگ سے بات کرنے کے بجائے مسلمانوں سے رابطہ کرے گی۔ اس سے ہندوؤں کا مقصد مسلمانوں میں تفریق ڈال کر مسلمانوں کی جماعت ''مسلم لیگ'' کو نقصان پہنچانا تھا۔

(2) مسلم کش فسادات:

ہندو مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتا تھا۔ مسلمان ہی ایک جان دار قوم تھی جو ہندوؤں کی چالوں کا توڑ کر رہی تھی۔ 1937ء میں جب کانگرس کو وزراتیں قائم کرنے کا موقع ملا تو انھوں نے سارا زور مسلمانوں کو نیچا دکھانے پر صرف کر دیا۔

کانگرس وزارتوں کے قیام کے ساتھ ہی ہندو مسلم فسادات میں شدت آ گئی۔ جگہ جگہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑ اٹھی۔ کانگرس 1937ء سے 1939ء تک تقریباً سوا دو سال برسر اقتدار رہی۔ اس دوران میں 57 بڑے فسادات ہوئے اور ان میں 130 سے زائد افراد قتل اور سترہ سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔

(3) سرکاری ملازمین کے کام میں مداخلت:

کانگرس کے سب ممبر اپنے آپ کو حکمران تصور کرنے لگے۔ اس طرح وہ ہر سرکاری ملازم کے کام میں مداخلت کو اپنا حق سمجھنے لگے۔ عدالتوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مقدمات کے فیصلے کرتے وقت کانگرسی کمیٹیوں کی منشا کو مدنظر رکھیں۔ پولیس کو کہا گیا کہ تفتیش کے دوران میں کانگرسی لیڈروں کی ہدایات کا خیال رکھیں۔

مسلمانوں ملازمین کو ترقی سے محروم کر کے اور تبادلوں کے ذریعے سے

Marfat.com

پریشان کیا گیا۔ ہندو افسر مسلمان ملازمین سے بدسلوکی کر کے ان کو ہراساں کرتے۔نئی بھرتی کے لیے مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ان کو ملازمتوں سے محروم رکھا گیا۔اس طرح ہندوؤں تمام شعبوں میں چھا گئے۔

(4) بندے ماترم:

کانگرس کی وزارتیں قائم ہوتے ہیں بندے ماترم کے ترانے کو قومی ترانہ قرار دیا گیا۔صوبائی اسمبلیوں کی کارروائی کا آغاز بندے ماترم کا گیت گا کر کیا جاتا۔سکولوں میں ہر صبح اسی ترانے سے آغاز ہوتا۔چناں چہ پٹنہ کے مسلم طلبہ نے تنگ آ کر اس کے خلاف ہڑتال کر دی۔

بندے ماترم کا ترانہ چندر چڑ جی کے ناول ''آنند یا ٹھ'' سے لیا گیا تھا۔اس گیت میں مسلمانوں کے خلاف زہر اگلاً گیا تھا۔ستم ظریفی یہ تھی کہ اس بدنام زمانہ مسلم آزار گیت سننے کے لیے مسلمانوں کو پابند اور مجبور کیا جاتا تھا۔وزیر ہند نے بندے ماترم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو یہ گیت پڑھنے پر مجبور کرنا ایسا ہے جیسا یوگوسلاویہ اور پولینڈ کے لوگوں کو ''ہٹلر'' زندہ باد کا نعرہ لگانے کو کہا جائے۔''

(5) گاندھی کی تصویر کی تعظیم:

گاندھی جی کی تصویر سرکاری دفاتر اور تعلیمی اداروں میں آویزاں کی گئی۔ مسلمان بچوں کو ہندو بچوں کی طرح گاندھی کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہونے اور اس کی تعریف میں بھجن گانے پر مجبور کیا جاتا۔تعلیمی اداروں میں گاندھی کے نظریات کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی۔

(6) ترنگا پرچم:

کانگرس کے ترنگا پرچم کو سرکاری پرچم قرار دیا گیا۔کانگرس کا ترنگا پرچم جب سرکاری حیثیت میں سرکاری عمارتوں پر لہرایا جاتا تو مسلمان اس کو اسلامی دینے کے پابند ہوتے۔قائد اعظم نے جب کانگرس کی ان بے قاعدگیوں کی طرف توجہ مبذول کرائی تو موتی لال نہرو نے ترنگا پرچم کو حسین رنگوں کا امتزاج قرار دے کر بات ٹال دی۔

Marfat.com

(7) اسلامی رسومات کی ادائی میں مداخلت:

کانگرس کی وزارتوں کے دور میں مسلمانوں سے انتہائی حقارت آمیز سلوک روا رکھا گیا۔ گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگا دی گئی۔ نماز کے اوقات میں مسجدوں کے سامنے باجے بجائے جاتے، مسجدوں میں گھس کر نمازیوں کو مارا پیٹا جاتا۔ مسلمانوں کو اذان سے باز رکھنے کے لیے زدوکوب کیا جاتا۔ مسلم تہواروں پر دھنگا فساد کیا جاتا۔ جب کہ ہندو تہواروں دسہرہ، دیوالی، اشٹمی اور ہولی وغیرہ کی سرکاری سرپرستی کی جاتی۔ اس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کا قافیہ تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

(8) ذبیحہ گاؤں کا مسئلہ:

کانگرسی حکومت نے ذبیحہ گاؤ پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی کی آڑ میں ہندوؤں کی شرارت سے اکثر فسادات پھوٹ پڑے۔ ہندو مسلمانوں کو ہلاک یا زخمی کر دیتے اور ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیتے۔ پولیس ہندوؤں کو گرفتار کرنے کے بجائے ذبیحہ گاؤ کی آڑ میں مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہراتی۔ اس طرح اصل مجرم قانون سے بچ نکلتے۔ اس طرح ہندو شیر ہوتا چلا گیا اور اس نے دھرم کی آڑ میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔

(9) مسلم اوقاف پر قبضہ:

مسلمانوں کے اوقاف کو مسلم حکمرانوں کا غصب قرار دے کر اس پر قبضہ کر لیا جاتا۔ مسلمان مسلم اوقاف کو واگزار کرنے کے لیے عدالتوں کا سہارا لیتے۔ کانگرس وہاں بھی اپنے اثر و رسوخ سے مسلمانوں کی دال نہ گلنے دیتی۔

(10) زبان کا مسئلہ:

اُردو زبان انگریزی کے مقابلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی۔ ہندو اپنے تعصب اور تنگ نظری سے اس کی مخالفت کرتے رہتے تھے لیکن جب کانگرس کی وزارتیں بنیں تو انھوں نے ہندی کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی اور اُردو زبان کے استعمال پر پابندی لگا دی۔

Marfat.com

(11) ودیا مندر سکیم:

ودیا مندر سکیم میں مندر کو مرکزی اہمیت دینے کی کوشش کی گی۔ اس سے کانگرس ہندو ثقافت کو فروغ دینا چاہتی تھی۔ اس سکیم کے تحت سکولوں کا نام بدل کر ''ودیا مندر'' رکھ دیا گیا۔ اس سکیم کے تحت اُردو سکوٗل بند کر دیئے گئے۔ اور بچوں میں متحدہ قومیت کے جذبات کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ جب مسلمانوں نے ودیا مندر سکیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے اُردو جاری رکھنے کا مطالبہ کیا تو کانگرس نے اسے ناقابل عمل قرار دے کر ترک کر دیا۔

(12) واردھا سکیم:

گاندھی جی کی نگرانی میں واردھا سکیم کے نام سے لازمی تعلیم کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس کے مطابق سات سے چودہ سال کے درمیانی عمر کے بچوں کو لازمی تعلیم کا پابند بنایا گیا۔ اس سے کانگرس کا مقصد ایک ہی نظام تعلیم کے ذریعے ہندوستانیوں میں متحدہ قومیت کا شعور اُجاگر کرنا تھا۔ اس شعور بے داری کے نام پر مسلمان بچوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ کر کے ہندو تہذیب و روایات اپنانے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اس کے اہم نکات میں مذہبی تعلیم کو نصاب سے خارج کر کے بچوں کے ذہنوں سے مذاہب کا فرق مٹانا اور ان میں ایک نظام تعلیم کے ذریعے قومی جذبات کی نشو و نما کرنا تھا۔

(13) مسلمانوں پر معاشی دباؤ:

کانگرس نے مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے دباؤ کا شکار کرنے کے لیے ایسے کاروبار جو زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے، ان پر بھاری ٹیکس لگا دیئے۔ مسلمانوں کو تجارت اور صنعت سے باز رکھنے کے لیے تخریبی سرگرمیوں کا سہارا لیا گیا۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے پہلے ہی کانگرس مسلمانوں پر بند کر چکی تھی۔

کانگرس نے اقتدار میں آنے سے پہلے اقتصادی اصلاحات کا وعدہ کیا تھا لیکن اب اسے احساس ہوا کہ اقتصادی اصلاحات سے ہندو سرمایہ دار، اور زمین دار نشانہ بنیں گے۔ اس طرح وہ اقتصادی اصلاحات سے پہلو تہی کرنے لگی۔

Marfat.com

(14) مسلمانوں پر معاشرتی دباؤ:

کانگرس اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کو پامال کر کے انھیں شدھی کرنا چا[ہتی تھی]
کیوں کہ یہ دیش ہندوؤں کا ہے۔ کانگرس نے مسلمانوں کو بدحال کرنے کے لیے کئی
تدابیر اختیار کیں۔ مسلمانوں کو ملیچھ اور غاصب قرار دے کر انھیں حملہ آور قرار دیا۔ مسلمان
ہندوستان چھوڑ کر اپنے وطن لوٹ جائیں وگرنہ ان کو بحر ہند میں دفن کر دیا جائے گا۔
ہندوؤں کے یہ سب حربے مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور انھیں احساس کمتری میں مبتلا
کرنے کے لیے تھے۔

کانگرس وزارتوں کا استعفیٰ:

ستمبر 1939ء میں جنگ عظیم دوم کا آغاز ہو گیا۔ کانگرس نے برطانوی حکومت
کو مشکلات میں پا کر وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا۔

مسلمانوں کا یوم نجات:

قائداعظم کی اپیل پر مسلمانوں نے 22 ستمبر 1934ء کو یوم نجات منایا۔
کانگرسی وزارتوں کے مظالم کو دوسری اقلیتوں نے بھی محسوس کیا اور انھوں نے یوم نجات
میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

کانگرسی راج کے اثرات:

کانگرس کے سوا دو سالہ دور اقتدار نے برعظیم کی سیاست پر بڑے گہرے
اثرات مرتب کیے۔ ہندو کی اصلیت مسلمانوں پر ظاہر ہو گئی اور مسلمانوں کا اس کے
خلاف ردعمل بھی شدید ہو گیا۔ کانگرسی راج کے برعظیم کی سیاست پر مندرجہ ذیل اثرات
مرتب ہوئے۔

1) ہندو ذہنیت کا عیاں ہونا۔ 2) مسلم لیگ کی تنظیم نو۔
3) قائداعظم کی مقبولیت۔ 4) علیحدہ وطن کا مطالبہ۔

Marfat.com

1) ہندو ذہنیت کا عیاں ہونا:

کانگرسی وزارتوں کے دوران میں ہندو کی ذہنیت کھل کر سامنے آگئی۔ مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ انگریزوں کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ایسی زیادتیاں ہو سکتی ہیں تو ان کے جانے کے بعد ہندوؤں کو لگام دینے والی کوئی طاقت نہیں ہوگی اور ہندو برعظیم سے مسلم تہذیب وتمدن کے ہر آثار کو مٹا دے گا۔

2) مسلم لیگ کی تنظیم نو:

1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ کانگرسی وزارتوں کے مظالم نے مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ 1937ء کے انتخابات میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔ کانگرس راج کے تلخ تجربے نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ مسلم لیگ نے بھی اپنا دامن پھیلا دیا۔ اور مسلمانوں کو اپنے پرچم تلے منظم و متحد کر لیا، اس طرح مسلم لیگ جلد سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔

3) قائداعظم کی مقبولیت:

کانگرسی راج نے مسلمانوں کو کانگرس اور کانگرسی ذہن کے مسلم رہنماؤں سے بدظن کر دیا۔ قائداعظم کا خلوص، ذہانت، مسلمانوں کے لیے ایثار اور ان تھک محنت مسلمانوں پر عیاں ہوگئی۔ اس طرح ان کی پرکشش شخصیت نے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ان کی شبانہ روز محنت اور ان تھک جدوجہد نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنا دیا۔ انھی دنوں آپ کو قوم نے قائداعظم کا خطاب دیا۔ اور وہ بلاشرکت غیرے مسلمانوں کے برعظیم میں سب سے بڑے قائد بن گئے۔

4) علیحدہ وطن کا مطالبہ:

کانگرس ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی لیکن جب کانگرس راج کا موقع ملا تو وہ اپنی تنگ نظری اور تعصب کو نہ چھپا سکی۔ اس کے تعصب کو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسری اقلیتوں نے بھی محسوس کیا۔ مسلمان کانگرس

Marfat.com

اور کانگرسی ذہن کے مسلم رہنماؤں سے بے زار ہو گئے اور انھوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونا شروع کر دیا۔ جلد ہی مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت اور محمد علی جناح قائداعظم بن گئے۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ 23 مارچ 1940ء کو آپ نے دوٹوک اعلان کیا کہ مسلمان تقسیم ہند سے کم پر راضی نہیں ہوں گے۔ یہ سچ ہے کہ کانگرس وزارتوں کی مسلم آزار پالیسی مطالبہ پاکستان کی فوری محرک ثابت ہوئی۔ ہندوؤں کی عاقبت نااندیشی نے مسلمانوں کو علیحدگی کے راستے پر ڈال دیا اور چند سالوں میں وہ ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کانگرسی وزراتیں سوا دو سال تک مسلمانوں کے لیے زحمت ثابت ہوئیں لیکن یہی آئندہ کے لیے مسلم تشخص اور بقا کے لیے رحمت بن گئیں۔

..........☆☆..........

Marfat.com

پچیسواں باب

قراردادِ لاہور

قراردادلاہور کے پس منظر میں مندرجہ ذیل نکات کارفرما تھے۔

1) دوقومی نظریہ 2) نہرو رپورٹ 3) قائداعظم کے چودہ نکات

4) خطبہ الٰہ آباد 5) گول میز کانفرس 6) گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء

7) کانگرس وزراتیں 8) کانگری وزارتوں سے استعفٰی

1) دوقومی نظریہ:

ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی اقوام اپنی الگ حیثیت قائم نہ رکھ سکیں اور وہ تمام ایک ایک کر کے ہندوستان سے ملتی چلی گئیں۔ مگر مسلمانوں نے ابتدا سے ہی اپنی الگ حیثیت برقرار رکھی۔ اس کی وجہ مسلمانوں کا دین اسلام تھا۔ اسلام ایک قطعی حقیقت ہے جس نے ہندومت کا اثر قبول نہ کیا اور مسلمان اپنی جدگانہ حیثیت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔

مسلمانوں نے جنگ آزادی دوقومی نظریے کے ہتھیار سے لڑی۔ جب تک مسلمان اقتدار میں رہے انھیں اقلیت ہونے کا احساس نہ ہوا لیکن حکومت جانے کے بعد ہندوؤں نے انھیں احساس دلایا کہ وہ ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ اسی احساس نے انھیں قومی شعور عطا کیا اور اسی نظریے کی قوت سے انھوں نے ہندوؤں کی مکاری اور انگریز کی چالاکی کا مقابلہ کیا۔

دوقومی نظریے کا موثر ہتھیار مسلمانوں نے ہر آڑے وقت میں استعمال کیا۔ اسی لیے یہ کہنا درست ہے کہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں اپنے اقتدار کو بچانے کی آخری کوششیں کی لیکن جنگ آزادی کی ناکامی نے انھیں آسمان سے زمین پر دے مارا۔ سرسید احمد خاں نے انھیں دو

Marfat.com

قومی نظریے پر دوبارہ اٹھانے کی کوشش کی۔ سرسید احمد خاں مسلم قوم کو اپنی وفات 1898ء تک اپنے پاؤں پر کھڑا کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے شملہ وفد 1906ء میں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا اور دوقومی نظریے کی بنیاد پر پہلی کامیابی حاصل کی۔ 1916ء میں میثاق لکھنؤ میں دوقومی نظریے کو ہندوؤں نے بھی تسلیم کرلیا۔

2) نہرو رپورٹ:

نہرو رپورٹ میں موتی لال نہرو نے میثاق لکھنؤ سے انحراف کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمانوں کے وجود کا انکار نہ کر سکا۔ نہرو رپورٹ کانگرس کے تعصب اور تنگ نظری کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس نے مسلمانوں کو چوکنا کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان ہندو کے دام فریب سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

3) قائداعظم کے چودہ نکات:

نہرو رپورٹ ہندوؤں کی تنگ نظری اور تعصب کا شکار تھی۔ قائداعظم کے چودہ نکات نے مسلمانوں کے لیے واضح سمت کا تعین کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے کانگرس سے قائداعظم کے چودہ نکات کی روشنی میں گفتگو کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو الگ راہ پر ڈال دیا اور قائداعظم کے چودہ نکات نے منزل کی راہ دکھادی اور مسلمانوں نے چند ہی سالوں میں اپنی منزل مراد کو پالیا تو بے جا نہیں ہوگا۔

4) خطبہ الٰہ آباد:

الٰہ آباد کے خطبے میں علامہ اقبال نے ایک الگ وطن کا تصور دیا۔ علامہ اقبال کے اس تصور کو چودھری رحمت علی نے پاکستان کا نام دیا۔ علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد کو شاعر کا تخیل اور ناقابل عمل خیال ہی سمجھا گیا لیکن یہ تصور جلد ہی مسلمانوں کا نصب العین بن گیا۔ خطبہ الٰہ آباد کے بعد چند سالوں میں برعظیم میں ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے اس تصور کی حقانیت اور بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ گول میز کانفرنس میں گاندھی جی کی قلعہ بازیاں اور کانگریس کا نہرو رپورٹ من وعن تسلیم کرنے کا مطالبہ اور ہندو مسلم فسادات نے مسلمانوں کو اپنی راہ الگ کرنے کا درس دیا۔

Marfat.com

5) گول میز کانفرنسیں:

گول میز کانفرنسوں کے انعقاد کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے برطانوی اقتدار کو طول دینا تھا۔ لیکن کانگرس مسلمانوں کو الگ کر کے بلاشرکت غیرے حکومت خود اختیاری کی خواہش مند تھی۔ کانگرس مسلم لیگ کو مد مقابل تسلیم کرنے سے انکاری تھی اور کانگرس کا تعصب اور تنگ نظری مسلمانوں پر عیاں ہو رہی تھی اور وہ آہستہ آہستہ اپنا دامن سمیٹ کر کنارا کش ہو رہے تھے۔

گول میز کانفرنسوں کے نتیجے میں جب برطانوی حکومت نے کمیونل ایوارڈ کا اعلان کیا تو کانگرس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ مسلمانوں تو مد مقابل تھے ہی، اچھوت اور دیگر اقلیتیں بھی مقابلے میں آ کھڑی ہوئیں۔ کمیونل ایوارڈ نے کانگرس کی اکثریت کی حقیقت واضح کر دی۔

6) گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء:

گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء میں سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے مستقل صوبہ بنا دیا گیا۔ صوبہ سرحد کو بھی مستقل صوبے کی حیثیت دی گئی اور بلوچستان کو برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کی زیر نگرانی رہنے دیا گیا۔ اس طرح جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے ان میں ترقی کی راہیں کھل گئیں اور علامہ اقبال کے خواب میں بنائی گئی مسلم ریاست کی سرحدیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔

ایکٹ 1935ء میں تمام صوبائی اسمبلیوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ صوبائی معاملات میں پوری پوری آزادی رکھتی ہیں اور اسمبلی کے ذریعے ہر وہ قانون بنا سکتی ہیں جن کا تعلق صوبے کی بہتری سے ہو۔ صوبائی اسمبلی کی اکثریت والی پارٹی کا لیڈر صوبائی وزراء کی فہرست تیار کرے گا جو صوبے کا نظم و نسق چلائیں گے۔

گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء نے نہرو رپورٹ کو تعصب اور تنگ نظری کو ثابت کر دیا۔ اس ایکٹ کی رو سے جب 1937ء میں انتخابات ہوئے تو کانگرس کا متحدہ قومیت کا نعرہ باطل ٹھہرا۔ مسلم لیگ نے بھی واضح اکثریت حاصل نہ کی لیکن 1937ء کی کانگرس وزارتوں نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے پر مجبور کر دیا۔ جس

Marfat.com

کے نتیجے میں قرارداد لاہور کی راہ ہموار ہوئی۔

7) کانگرس وزراتیں:

کانگرس وزارتیں 1937ء تا 1939ء تقریباً سوا دو سال قائم رہیں۔ اس دوران میں کانگرس نے اپنے تعصب اور تنگ نظری کی انتہا کر دی۔ مسلمانوں کو اقتدار میں شریک کرنے سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ودیا مندر سکیم اور واردھا مندر سکیم کے ذریعے مسلم تہذیب وثقافت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ بندے ماترم کو سرکاری ترانہ اور ترنگا پرچم کو قومی پرچم قرار دے کر مسلمانوں کو جھکنے پر مجبور کیا۔ ہندی کی ترویج، اُردو سے بیزاری کا اظہار کر کے اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل دے کر انھیں اپنی راہیں الگ کرنے کی ترغیب دی گئی۔

کانگرس وزارتوں کا تجربہ مسلمانوں کے لیے ایک تلخ حقیقت بن گیا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ابھی برطانوی اقتدار قائم ہے اور کانگرس شتر بے مہار ہو گئی ہے۔ جب انگریز برعظیم کو چھوڑ کر مسلمانوں کو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ گیا تو پھر کانگرس کو لگام دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ مسلمان، انگریزوں کی موجودگی میں اپنی راہ الگ کر لیں۔

8) کانگرسی وزارتوں سے استعفیٰ:

جنگ عظیم دوم کے شروع ہوتے ہی کانگرس مستعفی ہو گئی۔ کانگرس کا خیال تھا کہ اس طرح برطانوی حکومت مسائل کا شکار ہو کر گھٹنے ٹیک دے گی لیکن نتائج اس کے بالکل برعکس نکلے۔ انگریز نے کانگرس کے استعفیٰ کی قطعی کوئی پرواہ نہ کی بل کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 93 ایمرجنسی ایکٹ (Emergency Act) کا نفاذ کر کے گورنروں کو انتظامیہ کے مکمل اختیارات سونپ دے۔ کانگرس کی وزارتوں نے استعفیٰ دے کر برطانوی حکومت کے لیے آسانی پیدا کر دی وگرنہ اسے دفعہ 93ء کا استعمال کر کے کانگرس وزارتوں سے نجات حاصل کرنا پڑتی۔ کانگرس وزارتوں کے مستعفی ہونے پر مسلم لیگ نے یوم نجات منایا۔

Marfat.com

1937ء سے 1939ء تک مسلم لیگ نے اپنی بقا کی جنگ لڑی۔ کانگرس نے اپنی وزارتوں کے دوران میں رابطہ مہم کا آغاز کر کے اور مسلمانوں کو ذاتی حیثیت سے حکومت میں شامل کرنے کا چکما دے کر مسلم لیگ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ جواہر لال نہرو ابتدا میں کچھ مسلمانوں کو ورغلانے میں کامیاب ہو گئے لیکن جب ہندوؤں کا تعصب اور تنگ نظری مسلمانوں پر عیاں ہونے لگی تو کانگرس کو منہ کی کھانا پڑی۔

جنگ عظیم دوم کے شروع ہوتے ہی لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgow) نے مہاتما گاندھی اور قائداعظم محمد علی جناح کو اکٹھا بلا کر ملکی سیاست کے بارے میں گفت وشنید کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ گذشتہ دو سالوں میں مسلم لیگ انگریز کو باور کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور مسلمان برعظیم میں تیسری بڑی قوت ہیں۔

ان حالات میں 3 فروری 1940ء کو نئی دہلی کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ ماہ 22 مارچ 1940ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے کا انتظام کیا جائے جس میں ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا جائے۔

انگریز اور ہندوؤں نے مسلم لیگ کے اس اجلاس کو ناکام بنانے کے لیے مشترکہ کوششیں شروع کر دیں۔ 19 مارچ 1940ء کو خاکساروں نے لاہور میں ایک زبردست جلوس نکالا۔ انگریز نے مسلم لیگ کے پروگرام کو تہ و بالا کرنے کے لیے جان بوجھ کر خاکساروں کے جلوس پر اندھا دھند گولیاں برسا دی جس سے لاتعداد خاکسار موت کے منہ میں چلے گئے۔

مسلم لیگ نے اسے اپنے لیے زبردست چیلنج سمجھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت دہلی میں تھے۔ مسلم لیگ رہنما ہندوستان کے کونے کونے سے لاہور جمع ہو رہے تھے۔ قائداعظم سے دہلی میں رابطہ کیا گیا تو انھوں نے مسلمانوں کو صبر و تحمل سے کام لینے کو کہا۔ قائداعظم 21 مارچ 1940ء کو دہلی سے لاہور پہنچے اور سیدھے زخمی خاکساروں کی عیادت کے لیے میو ہسپتال پہنچے۔ اسی طرح خاکساروں کی رنجش بھی دور ہو گئی اور ہندو اور انگریز کے عزائم پر بھی اوس پڑ گئی۔

22 مارچ 1940ء کو نماز جمعہ کے بعد اقبال پارک (منٹو پارک) میں جلسے کا آغاز ہوا جس میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ سر شاہنواز آف ممدوٹ

Marfat.com

نے خطبہ استقبالیہ پڑھا اور قائداعظم نے جلسے کی صدارت کی۔ قائداعظم نے اپنے صدارتی خطبے میں دوقومی نظریے کی وضاحت کی اور لوگوں کو بتایا کہ اب وقت آ گیا ہے۔ کہ برعظیم کے مسلمان اپنے لیے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کریں۔

23 مارچ 1940ء کو شیر بنگال مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے تاریخی قرارداد پیش کی جسے قرارداد لاہور کہتے ہیں۔ اس قراردادا کی حمایت میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آئے ہوئے رہنماؤں نے پرزور تقریریں کیں۔

1- جناب خلیق الزماں۔ یوپی
2- مولانا عبدالحامد بدایونی۔ یوپی
3- بیگم مولانا محمد علی جوہر۔ یوپی
4- عبدالحمید خاں۔ مدراس
5- ابراہیم اسماعیل چندریگر۔ بمبئی
6- سردار عبدالروف شاہ۔ سی پی
7- نواب محمد اسماعیل۔ بہار
8- سردار اورنگ زیب خان۔ سرحد
9- سرعبداللہ ہارون۔ سندھ
10- قاضی محمد عیسیٰ۔ بلوچستان
11- ڈاکٹر محمد عالم۔ پنجاب
12- مولانا ظفر علی خاں۔ پنجاب

قراردادا اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں متفقہ طور پر منظور ہوگئی اور اس قرارداد نے مسلمانان برعظیم کے لیے ایک واضح منزل کی نشان دہی کردی۔

قرارداد لاہور:

قرارداد لاہور انگریزی زبان میں پیش کی گئی۔ اس میں لفظ پاکستان ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا۔ البتہ بیگم محمد علی جوہر نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے پاکستان کا لفظ استعمال کیا۔ ہندو پروپیگنڈے نے قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان مشہور کردیا اور قرارداد پاکستان مسلمانانِ ہند کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ آئندہ کے سالوں میں مسلمانوں نے حصول پاکستان کا نعرہ بلند کیا اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

قرارداد کا متن:

1) دستور ہند 1935ء کی وفاقی سکیم برعظیم کے لیے قطعاً غیر موزوں اور ناقابل عمل ہے اور مسلمانان ہند کے لیے کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں۔

Marfat.com

) مسلمانان ہند اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک پورے دستوری خاکے کا از سر نو جائزہ نہ لیا جائے۔

) دستوری خاکہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں کے تحت مرتب کیا جائے۔

i) جغرافیائی حیثیت سے متصل علاقائی وحدتوں کو جداگانہ علاقوں میں تقسیم کیا جائے اور ان علاقوں میں جہاں مسلمان بالحاظ تعداد اکثریت میں ہیں انھیں آزاد، ریاستوں کی حیثیت سے اس طرح متحد کیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک وحدت خود مختار ہو۔

ii) ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں دستور میں ان کے لیے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور دیگر حقوق و مفادات کے لیے انتظامات کیے جائیں۔

.) اس اجلاس میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا منصوبہ تیار کرے جو ہندوستان کی تقسیم کے بعد نئی مملکت کے لیے دستوری سکیم کے بنیادی اصولوں کا کام دے۔

اس قرارداد کی رو سے پاکستان کا قیام مسلم لیگ کا نصب العین قرار پایا اور ایک نئی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ہندو بھڑک اٹھے اور کانگریسی ہم خیال اخبارات نے پاکستان کے مطالبے پر زبردست تنقید کی۔

............o............

Marfat.com

قرارداد لاہور کی اہمیت:

قرارداد لاہور مسلمانانِ ہند کی سیاسی جدوجہد کی اہم ترین دستاویز ہے
تحریک پاکستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

1۔ مسلم لیگ کی اہمیت — 2۔ قائداعظم کی قیادت۔
3۔ منزل کا تعین۔ — 4۔ مسلمانوں میں اتحاد۔
5۔ اسلامی ریاست کے قیام کی تمنا — 6۔ مسلم معاشرے کا قیام۔

1۔ مسلم لیگ کی اہمیت:

مسلم لیگ نے 1937ء کے الیکشن میں نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی تھی کانگرسی وزارتوں نے مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کے لیے عوامی مہم کا طریقہ اختیار کیا لیکن وہ اپنے تعصب اور تنگ نظری کو نہ چھپا سکی اور مسلمان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ مسلم لیگ نے 1937ء سے 1939ء تک اپنی بقا کی جنگ لڑی اور نئے عزم و حوصلے کے ساتھ اٹھی۔ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد لاہور میں الگ وطن کا مطالبہ زوردار الفاظ میں کیا جس کی گونج پورے برعظیم میں سنی گئی۔

قرارداد لاہور نے مسلمانانِ ہند کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرایا اور مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔ آئندہ کے 1945-46 کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے شان دار کامیابی حاصل کی۔

2۔ قائداعظم کی قیادت:

جنگ عظیم دوم کے شروع ہوتے ہی کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgow) نے مہاتما گاندھی اور قائداعظم کو اکٹھے دعوت دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے دو ہی رہنما بڑے ہیں۔ ہندوؤں میں گاندھی اور مسلمانوں میں قائداعظم۔

قرارداد لاہور کا سہرا قائداعظم کے سر تھا۔ اس لیے قرارداد لاہور کے بعد قائداعظم کی قیادت مسلمانانِ ہند نے تسلیم کر لی اور اب برعظیم میں ان کے پائے کا کوئی دوسرا مسلم رہنما نہیں تھا۔

Marfat.com

۔منزل کا تعین:

قائداعظم نے سرسید کی طرح ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان تھک کوششیں کیں لیکن ہندوؤں کی تنگ نظری اور ہٹ دھرمی نے آپ کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ میثاق لکھنؤ آپ کی کوششوں سے طے پایا تھا۔ تجاویز دہلی میں جداگانہ انتخابات سے مسلمانوں نے دست برداری اختیار کی اور رسوائے زمانہ نہرو رپورٹ میں صرف چند ترامیم کا مطالبہ کیا۔ کانگرس نے اسے مسلمانوں کی کمزوری اور بزدلی سمجھا۔ حالاں کہ مسلمان ہندو مسلم اتحاد کے لیے فراخ دلی سے اپنے کئی مطالبات کو پس پشت ڈال دیا۔

قرارداد لاہور نے مسلمانانِ ہند کی منزل کا تعین کر دیا اور پاکستان کا حصول ان کا نصب العین بن گیا۔ ہندوؤں نے جب انگریز سے مطالبہ کیا کہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' تو مسلمانوں نے اپنے نصب العین کو دہرایا ''تقسیم کرو اور ہندوستان چھوڑ دو''۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی ہیں جو ہر اعتبار سے زندہ قوم ہیں۔

۔مسلمانوں میں اتحاد:

کانگرس وزارتوں کے دوران میں مسلمانوں کو توڑنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ لیکن کانگرس مسلم دشمنی کی وجہ سے بے نقاب ہوگئی۔ قرارداد لاہور میں مسلمانوں کی منزل کی نشان دہی تھی۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کر دیا۔ حصول پاکستان کی کوششوں میں برعظیم کے سب مسلمان شریک ہوئے اور جلد ہی ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

5۔اسلامی ریاست کے قیام کی تمنا:

اسلامی ریاست کے قیام کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں موجود تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کو آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ مسلمانوں کو سنبھلتے سنبھلتے عرصہ لگا لیکن مسلم لیگ کی تنظیم اور قائداعظم کی قیادت نے مسلمانوں کو منزل کے قریب کر دیا۔ قرارداد لاہور نے برعظیم کے مسلمانوں کو بے پناہ جوش اور جذبہ عطا کیا اور وہ حصول پاکستان کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوگئے۔ 14 اگست 1947ء کو مسلمانوں کی اسلامی ریاست کے قیام کی تمنا رنگ لائی۔

Marfat.com

6۔ مسلم معاشرے کا قیام:

قائداعظم نے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کے مطالبے کو اس لیے ضر
قرار دیا کہ مسلمان علیحدہ وطن میں ہی اپنی تہذیب و ثقافت کو صحیح معنوں میں برقرا
سکیں گے اور صرف الگ وطن میں ہی مسلمان اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ اپنی زندگ
قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں۔

الگ وطن اس لیے ضروری ہے کہ وہاں مسلم معاشرے کا قیام عمل میں
جائے۔

اجلاس دہلی اور قرارداد لاہور:

قرارداد لاہور میں Muslim States استعمال ہوا تھا۔ قرارداد لاہور
اس ابہام کو دور کرنے کے لیے 10 اپریل 1946ء کو مسلم لیگ کے مرکزی اور صو
اسمبلیوں کے منتخب ارکان کا ایک کنونشن دہلی میں ہوا۔ اس کنونشن کے ایک اجلاس
بنگال کے وزیر اعلیٰ سید حسین شہید سہروردی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں م
اکثریت کے علاقوں کو یک جا کر کے ایک الگ خود مختار مملکت (dementdent
Sate) بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

جنگ عظیم دوم کے شروع ہوتے ہی برعظیم کی سیاست نے ایک نیا رخ ل
کانگرسی وزراتیں مستعفی ہو گئیں اور مسلم لیگ نے قیام پاکستان کا مطالبہ کر دیا۔ اس طر
برعظیم کی دو بڑی جماعتوں کے نقطہ نظر میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو گیا۔ 1940ء
سقوط فرانس کے بعد انگریز محوری طاقتوں کے مقابلے میں اکیلا اور تنہا رہ گیا تھا۔ یہ
انگریز کے لیے سخت آزمائش اور ابتلا کا دور تھا۔ اہل ہند کو انگریزوں کی شکست یقینی
آ رہی تھی۔ جرمنی اور جاپان کی طوفانی یلغار کے سامنے یورپ کے اکثر ممالک
مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ برعظیم کے باشندوں میں انگریز کی ناکامی نے آزادی حا
کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ کانگرسی لیڈر سبھاش چندر بوس فرار ہو کر جاپانیوں سے جا
اور وہاں آزاد ہند فوج منظم کی تاکہ جاپانیوں کی مدد سے ہندوستان کو انگریزوں سے ر
دلائی جائے۔ برعظیم میں بھی انگریزوں کے خلاف زور شور سے تحریکیں اٹھنے لگ

Marfat.com

چناں چہ 8 اگست 1940ء کو وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے مصالحت کی غرض سے چند تجاویز پیش کیں جو "اگست 1940ء کی "پیش کش" کہلاتی ہیں۔

1۔ جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد ہندوستان کو نوآبادیاتی درجہ دیا جائے گا۔
2۔ ہندوستان پر مشتمل ایک مجلس آئین ساز قائم کی جائے گی۔
3۔ مستقبل کی آئین سازی میں اقلیتوں کے مفادات کو تحفظ دیا جائے گا۔
4۔ ایک جنگی مشاورتی کونسل قائم کی جائے گی جو ریاستوں اور برطانوی ہند کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

کانگرس اقلیتوں کے تحفظ پر بوکھلا اٹھی اور اس نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ مسلم لیگ نے اس پیش کش کی تفصیلات کو غیر اطمینان بخش قرار دیتے ہوئے اصولی طور پر قبول کر لیا، کیوں کہ اس میں حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ کوئی دستور مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر نہیں بنایا جائے گا۔

برطانیا میں ونسٹن چرچل (Winston Churchil) کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ اس نے مسٹر اٹیلی کی سربراہی میں وزراء کی ایک انڈیا کمیٹی (India Committe) بنائی۔ انڈیا کمیٹی نے سفارش کی کہ ایک مشن ہندوستان بھیجا جائے جو حالات کا جائزہ لے کر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کو متفق کرے۔ چناں چہ مسٹر چرچل نے 11 مارچ 1942ء کو اپنے ایک وزیر سر سٹیفورڈ کرپس (Sir Staford Crips) کو ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا۔ مسٹر چرچل نے یہ بھی اعلان کیا کہ مسٹر کرپس کو "صلح کا سفیر" بنا کر بھیجا جا رہا ہے، اس لیے ہندوستان کی سب سیاسی جماعتوں کو تعاون کرنا چاہیے۔ کرپس 22 مارچ 1942ء کو ہندوستان پہنچا۔ کرپس نے کانگرسی لیڈروں جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور مسلم رہنما قائد اعظم سے براہ راست ملاقاتیں کیں اور 29 مارچ 1942ء کو اپنی تجاویز پیش کیں، انھیں "کرپس تجاویز" کہا جاتا ہے۔

کرپس تجاویز کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ جنگ کے بعد ہندوستان کو ایک یا ایک سے زیادہ نوآبادیات کی صورت میں آزادی دینے کے متعلق اور دوسرا سیاسی جماعتوں کو فوری وائسرائے کی انتظامی کونسل میں شامل کرنے سے متعلق تھا۔

1۔ صوبوں میں نئے انتخابات کرائے جائیں گے۔
2۔ منتخب ارکان کی رائے سے ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے گی جو برعظیم کے لیے

Marfat.com

دستور تیار کرے گی۔

3۔ صوبے کثرت رائے کی بنیاد پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔

4۔ جو صوبے یونین سے الگ ہونے کا فیصلہ کریں گے وہ انڈین یونین سے الگ اپنی یونین قائم کریں گے۔

5۔ جنگ کے دوران میں ہندوستان کے دفاع کی ذمہ داریاں برطانوی حکومت نبھائے گی۔

کانگرس نے کرپس کی تجاویز کو مسترد کر دیا۔ اس نے صوبوں کی علیحدگی کے حق کو پاکستان کا امکان خیال کیا اور اسے ملکی وحدت کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ مسلم لیگ نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا کہ ان تجاویز میں قیام پاکستان کا امکان موجود ہے لیکن مطالبہ پاکستان کو واضح طور پر تسلیم نہیں کیا گیا، اس طرح مسلم لیگ نے بھی اسے مسترد کر دیا۔

............o............

Marfat.com

چھبیسواں باب

ہندوستان چھوڑ دو

گاندھی کا خیال تھا کہ انگریز پر اس اڑے وقت میں دباؤ ڈالا جائے۔ چناں چہ کانگرس نے 8 اگست 1942ء کو اپنے بمبئی کے اجلاس میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' Quit India کی قرارداد منظور کی اور اس قرارداد کی رو سے ہندوستان سے فوری طور پر انخلا کا مطالبہ کیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو اس سے الگ رہنے کی تلقین کی۔ حکومت نے 9 اگست کو کانگرس کو غیر قانونی جماعت قرار دے کر گاندھی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ ہندوؤں نے تخریبی کارروائیاں کیں لیکن حکومت نے انھیں سختی سے کچل دیا۔ اس طرح چند ہی ہفتوں میں یہ تحریک ماند پڑ گئی۔

راج گوپال اچاریہ کی تجویز:

راج گوپال چاریہ (راجاجی) مدراس کے وزیر اعلیٰ رہ چکے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ برعظیم کی تقسیم ناگزیر ہے۔ کانگرس مسلم لیگ سے سمجھوتہ کیے بغیر آزادی حاصل نہیں کر سکتی، اس نے تقسیم کے لیے ایک فارمولا تیار کیا اور فروری 1944ء میں مسٹر گاندھی سے جیل میں ملاقات کر کے منظوری حاصل کر لی۔

1۔ مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ کامل آزادی کی تصدیق کرتی ہے اور عبوری دور کے لیے عارضی حکومت قائم کرنے میں کانگرس سے تعاون کرے گی۔

2۔ جنگ کے خاتمے پر شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریت کے اضلاع کی حد بندی کے لیے ایک کمشن مقرر کیا جائے گا۔

3۔ رائے شماری سے قبل تمام جماعتوں کو اپنا اپنا نقطہ نظر عوام کے سامنے پیش کرنے کی آزادی ہوگی۔

Marfat.com

4۔ دفاع، تجارت، رسل و رسائل اور دیگر تحفظات کے لیے باہمی معاہدات کیے جائیں گے۔

5۔ انتقال آبادی رضا کارانہ بنیاد پر ہوگی۔

قائداعظم نے 2 جولائی 1944ء کو اسے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا۔ کیوں کہ ہندوؤں سے وعدے کی پاس داری کی توقع نہیں تھی اور کامل آزادی کے بعد کانگرس سے پاکستان حاصل کرنا مشکل تھا۔ یوں یہ فارمولا بھی سیاسی تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا۔

جناح گاندھی مذاکرات:

ستمبر 1944ء میں بمبئی میں قائداعظم کی رہائش گاہ پر دونوں رہنماؤں میں طویل مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ گاندھی نے ان مذاکرات پر اس بات پر زور دیا کہ اقتدار پہلے کانگرس کو منتقل کیا جائے اور بعد ازاں علاحدگی کے خواہاں مسلم اکثریت کے علاقوں کو ایک خودمختار مملکت بنا دیا جائے گا، لیکن قائداعظم کو اس منطق سے اتفاق نہ تھا۔ ان دو متضاد نظریات کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

لارڈ ویول (Lord Wavell) کو اکتوبر 1943ء میں لارڈ لنلتھگو کی جگہ وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ وہ اس سے قبل ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف رہ چکا تھا اور یہاں کے سیاسی حالات کو بخوبی سمجھتا تھا۔

1945ء کے آغاز میں کانگرس کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی اور مسلم لیگ کے رہنما لیاقت علی خاں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے:۔

1۔ عارضی مرکزی حکومت میں کانگرس اور مسلم لیگ کو برابر نمائندگی حاصل ہو۔

2۔ دیگر اقلیتوں کو بھی نمائندگی دی جائے۔

3۔ صوبوں میں نمائندہ وزراتیں بحال کی جائیں۔

4۔ گورنر جنرل دونوں پارٹیوں کی مفاہمت کی بنیاد پر عبوری حکومت قائم کرے۔

بھولا بھائی ڈیسائی نے یہ منصوبہ وائسرائے ہند لارڈ ویول کو پیش کیا جس نے اسے انگلستان میں وزیر ہند کے پاس بھیج دیا۔

Marfat.com

ویول پلان:

1945ء کے آغاز میں جرمنی اور جاپان کو پے در پے شکستوں کا سامنا تھا حتیٰ کہ مئی 1945ء میں جرمنی نے ہتھیار ڈال دیئے اور یورپ میں جنگ ختم ہوگئی۔ لارڈ ویول نے وائسرائے ہند کی انتظامی کونسل میں توسیع اور ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کو اقتدار میں شامل کرنے کا منصوبہ انگلستان میں وزیراعظم کے پاس بھیج دیا۔ یہ منصوبہ دارالعوام کی منظوری کی بعد 14 جون 1945ء کو ریڈیو سے نشر ہوا جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع کر کے اس میں اہم سیاسی پارٹیوں کو نمائندگی دی جائے گی۔

2۔ دفاع کا محکمہ کمانڈر انچیف کے پاس رہے گا۔

3۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کو برابر نمائندگی دی جائے گی۔

4۔ صوبائی وزارتیں بحال کردی جائیں گی۔

شملہ کانفرنس:

لارڈ ویول کے منصوبے پر گفت وشنید کے لیے سیاسی رہنماؤں کو شملہ دعوت دی گئی۔ وہاں 25 جون سے 14 جولائی 1945ء تک مذاکرات جاری رہے۔ شملہ کانفرنس میں کانگرس کی طرف سے ابوالکلام آزاد نے قائد کی حیثیت سے شرکت کی اور تقریر کرتے ہوئے کہا ''کانگرس کسی ایسے منصوبے کو تسلیم نہیں کرے گی جو اس کی قومی حیثیت پر اثر انداز ہو'' اس کے جواب میں قائداعظم نے کہا کہ ''مسلم لیگ، قیام پاکستان سے کم کسی رعایت پر راضی نہ ہوگی'' اس طرح شملہ کانفرنس بھی ناکامی سے دو چار ہوگئی۔

عام انتخابات:

وائسرائے ہند نے برطانوی حکومت سے صلاح مشورے کے بعد 19 ستمبر 1945ء کو اعلان کیا کہ انتخابات اسی سال موسم سرما میں ہوں گے۔ انتخابات جب دسمبر 1945ء میں منعقد ہوئے تو ان میں مسلم لیگ اور کانگرس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

Marfat.com

مرکزی اسمبلی میں کل 102 نشستوں میں سے کانگرس نے 57 اور مسلم لیگ نے 30 نشستیں حاصل کیں۔ صوبوں میں بنگال کے سوا تمام صوبوں میں مسلم لیگ نے سوفیصد نشستیں حاصل کیں۔ چنان چہ 11 جنوری 1946ء کو مسلمانان ہند نے قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر "یوم فتح" منایا۔

1946ء کے اوائل میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے جن میں کل 495، مسلم نشستوں میں سے 446 نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ کانگرس کو بھی ہندو اکثریتی صوبے بہار، یوپی، سی پی، بمبئی، مدراس، اڑیسہ، آسام اور سرحد میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

دہلی کنونشن:

مسلم لیگ کے تمام مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کا 7 سے 10 اپریل 1946ء تک دہلی میں ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں مسلمانوں کے لیے شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریت علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔

وزراتی مشن کا منصوبہ:

1946ء میں انگلستان لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی۔ وزیر اعظم کلیمنٹ اٹیلی (Clement Atlee) نے 19 فروری 1946ء کو ایک وزراتی مشن برعظیم بھیجا۔ اس مشن میں لارڈ پیتھک لارنس (Lord Pathick Lawrence) وزیر ہند اے۔ وی الیگزنڈر (A.V Alexander) سرٹیفورڈ کرپس (Sir Stafford Crips) شامل تھے۔

یہ وفد 24 مارچ 1946ء کو برعظیم پہنچا۔ اس نے کانگرس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں سے مذاکرات کیے۔ صوبائی گورنروں اور سرکاری اہل کاروں سے بات چیت کی۔ 27 اپریل 1946ء کو مشن نے کانگرس اور مسلم لیگ کے نمائندوں کو شملہ میں مذاکرات کی دعوت دی لیکن دونوں پارٹیوں کے بنیادی اختلافات کی وجہ سے دوسری شملہ کانفرنس بھی ناکام ہوگئی۔

Marfat.com

وزارتی مشن کی تجاویز:

کیوں کہ اس مشن میں تینوں برطانوی کابینہ کے وزیر شامل تھے۔ اس لیے انھوں نے جو منصوبہ پیش کیا اسے کابینہ مشن کا منصوبہ (The Cabinet Mission Plan) کہتے ہیں۔

1۔ ملک کو آبادی کے اعتبار سے تقسیم کر کے تین گروپ بنائے جائیں۔
گروپ اے میں ہندوؤں کی اکثریت کے صوبے (بہار، اڑیسہ، مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی)
گروپ بی میں مسلم اکثریت کے مغربی صوبے (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان) گروپ سی میں مسلم اکثریت کے مشرقی علاقے (بنگال اور آسام)

2۔ ان تینوں وفاقی گروپوں کی الگ الگ دستور ساز اسمبلیاں ہوں گی اور انھیں داخلی خودمختاری حاصل ہوگی۔

3۔ دفاع، امور خارجہ، کرنسی اور مواصلات کے شعبے مرکز کی تحویل میں رہیں گے۔

4۔ مرکزی حکومت ''یونین آف انڈیا'' میں برطانوی ہند کے تمام صوبے اور ریاستیں شامل ہوں گی۔

5۔ ہر گروپ کو دس سال بعد مرکز سے علیحدگی کا اختیار حاصل ہوگا۔

قائداعظم نے کابینہ مشن پلان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ مشن نے محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے بنیادی مطالبے کو نظرانداز کر دیا ہے۔

کانگرس نے اس منصوبے کی یوں وضاحت کی کہ وزراتی مشن کا منصوبہ ایک مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صوبوں کو شروع سے ہی کسی گروپ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا اختیار حاصل ہوگا۔ دستور ساز اسمبلی ایک آزاد اور خودمختار ادارہ ہوگا اس لیے وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے۔

وزارتی مشن نے اس کی وضاحت کی کہ پورا منصوبہ ایک وحدت ہے اور صوبوں کی گروپ بندی کے بارے میں کانگرس کا نقطہ نظر درست نہیں۔

Marfat.com

حکومت کی بدعہدی:

کابینہ مشن پلان نے اعلان کیا کہ مرکزی کابینہ کے چودہ ارکان ہوں گے جن میں سے چھ کانگرسی، پانچ مسلم لیگی، ایک سکھ، ایک عیسائی اور ایک پارسی ہوگا اور جو جماعت یہ تجاویز قبول کرلے گی اس کے تعاون سے عبوری حکومت قائم کردی جائے گی۔ کانگرس نے 25 جون کو عبوری حکومت کے بارے میں تجاویز کو مسترد کردیا۔ مشن کا خیال تھا کہ کانگرس ان تجاویز کو قبول کرلے گی اور اسے اقتدار میں شامل کرلیا جائے گا لیکن کانگرس نے تجاویز مسترد کرکے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وائسرائے نے قائد اعظم کے نام ایک خط میں اس حقیقت سے بھی انکار کردیا کہ مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کا پابند ہے۔

مسلم لیگ کا راست اقدام:

مسلم لیگ نے یہ محسوس کیا کہ اس کی رواداری حقیقت پسندی اور معقولیت کو کمزوری خیال کیا جارہا ہے۔ چنانچہ 27 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں ہوا، اس میں قائداعظم نے کہا کہ اب مسلم لیگ کے پاس کابینہ مشن کے منصوبے سے تعاون کے فیصلے پر نظر ثانی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا لہٰذا مسلم لیگ:

1۔ حکومت کے ساتھ تعاون کا فیصلہ واپس لیتی ہے۔

2۔ حصول پاکستان کے لیے راست اقدام کیا جائے گا۔

3۔ حکومت برطانیا کے خطابات بطور احتجاج واپس کردیے جائیں گے۔

راست اقدام کے لیے 16 اگست کا دن مقرر کیا گیا۔ یہ دن پرامن مگر نہایت جوش وخروش سے منایا گیا مگر کلکتہ کے ہندو مسلمانوں کے راست اقدام کی شاندار کامیابی سے بوکھلا اُٹھے اور انھوں نے کلکتہ میں مسلمانوں کے کشت وخون کا بازار گرم کردیا۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار افراد ہلاک اور اس سے کئی گناہ زیادہ زخمی ہوئے اور کروڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچا۔

عبوری حکومت:

برطانوی حکومت نے وائسرائے ہند کو حکم جاری کیا تھا کہ وہ کانگرس کو حکومت

Marfat.com

بنانے کی پیش کش کرے۔ لیکن لارڈ ویول کلکتہ کے حالات سے خوف زدہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے راست اقدام سے اُسے اندازہ ہو گیا کہ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا اتنا آسان نہیں۔ اس نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ لیکن جب مسٹر گاندھی کو اس کا علم ہوا تو اس نے لارڈ ویول کو خط لکھا کہ اگر آپ مسلم لیگ سے اتنے ہی خائف ہیں تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں ہم خود مسلم لیگ سے نپٹ لیں گے۔ ادھر وزیر اعظم لارڈ اٹیلی کو بھی خط لکھا کہ لارڈ ویول کو ہدایت کی جائے کہ وہ کانگرس کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دے۔ چناں چہ لارڈ اٹیلی نے وائسرائے ہند کو حکم دیا کہ وہ کانگرس کو فوری عبوری حکومت بنانے کی دعوت دے۔ لارڈ ویول کو اس حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور کانگرسی وزیروں نے اپنے اپنے عہدوں کا 2 ستمبر 1946ء کو حلف اُٹھالیا۔

مسلم لیگ کی شمولیت:

کانگرس کی وزارت سازی پر قائداعظم نے ایک زوردار تنقیدی بیان انگریز کے رویے کے خلاف دیا اور مسلمانوں کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے قربانیاں دینے کے لیے تیار رہنے کی تلقین کی۔

برطانوی پریس نے حکومت برطانیا کی عاقبت نا اندیشی کے اس فیصلے پر خوب لے دے کی۔ پریس نے واضح کر دیا کہ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا سراسر ناانصافی اور فاش غلطی ہے۔ چناں چہ وائسرائے نے قائداعظم کو خط لکھا ہے کہ وہ مسلم لیگ کی طرف سے پانچ نمائندوں کے نام تحریر کریں۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے پانچ مندرجہ ذیل نام ارسال کیے۔

1) خان لیاقت علی خان 2) ابراہیم اسماعیل چندریگر
3 سردار عبدالرب نشتر۔ 4) راجا غضنفر علی خان 5) جوگندر ناتھ منڈل (اچھوت لیڈر)

وائسرائے نے ان ارکان کو فوری طور پر مرکزی وزارت میں شامل کر لیا اور خان لیاقت علی خاں (خزانہ) ابراہیم اسماعیل چندری گر (تجارت) عبدالرب نشتر (مواصلات) راجا غضنفر علی خان (صحت) جوگندر ناتھ منڈل (قانون) جب مسلم لیگی وزرا نے حلف اٹھالیا تو کانگرسی ارکان نے اس بات پر زور دیا کہ پنڈت نہرو کو کابینہ کا

Marfat.com

سب سے سینئر وزیر اور کابینہ کا لیڈر قرار دیا جائے۔ مسلم لیگی وزرائے نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔ خان لیاقت علی خان نے کہا کہ پنڈت نہرو کی حیثیت دیگر وزراء کی ہے اور وہ ایک وزیر خارجہ ہیں اس سے کانگرسی بڑے سیخ پا ہوئے۔

چودھری محمد علی ان دنوں مرکزی حکومت کے واحد سینئر مسلم افسر تھے اور وزارت خزانہ کے سیکرٹری تھے۔ خان لیاقت علی خاں نے فروری 1947ء میں ان کی مدد سے نئے سال کا بجٹ تیار کیا۔ اس میں سرمایہ داروں پر نئے ٹیکس لگائے گئے اور عوام کے استعمال کی کئی چیزوں سے ٹیکس ہٹا دیا۔ اس طرح اسے ''غریب کا بجٹ'' نام دیا گیا۔ عوامی بجٹ سے ہندو بنیے کی نیند حرام ہوگئی۔ سب بنیے ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ کے پاس آئے اور دھمکی دی کہ اس بجٹ نے ان کی کمر توڑ دی ہے اس لیے کانگرس کو چندہ نہیں دیا جائے گا۔ پٹیل کانگرس کا مرد آہن سمجھا جاتا تھا۔ بجٹ کی گرمی نے وہ بھی پگھلا دیا۔ اور وہ مسلمانوں کو الگ کرنے کی سوچنے لگا۔

سرحد کو پنڈت نہرو عبدالغفار خان کی وجہ سے اپنا گھر سمجھتا تھا۔ وزیر بننے کے بعد پنڈت نہرو نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور وہاں اس کا سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اسے اس سے بھی سخت مایوسی ہوئی اور اس نے بھی مسلمانوں کے الگ وطن کے مطالبے پر سوچنا شروع کر دیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی ہندوستان آمد:

20 فروری 1947ء کو لارڈ ایٹلی وزیر اعظم برطانیا نے اعلان کیا کہ لارڈ ویول کو واپس بلا لیا جائے گا اور جون 1948ء تک ہندوستان کے نمائندوں کو اقتدار منتقل کر کے برطانیا ہندوستان چھوڑ دے گا۔

مارچ 1947 میں لارڈ مونٹ بیٹن (Lord Mountbatten) کو لارڈ ویول کی جگہ نیا وائسرائے مقرر کر دیا اور وہ 22 مارچ 1947ء کو دہلی پہنچا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن پنڈت نہرو کی ذہانت اور اندرا گاندھی کے حسن سے بڑا متاثر ہوا۔ پنڈت نہرو بھی لیڈی مونٹ بیٹن کی شخصیت کے بڑے مداح تھے۔ اس طرح یہ دونوں خاندان جلد گھل مل گئے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے پنڈت نہرو اور پٹیل کو تقسیم ہند پر آمادہ پایا تو اس نے انگلستان سے لایا ہوا تقسیم ہند کا منصوبہ پیش کر دیا۔ پنڈت نہرو بھی کہنے لگے کہ مسلم لیگ

Marfat.com

اگر پاکستان چاہتی ہے تو وہ لے سکتی ہے مگر ایسے علاقے شامل نہ کیے جائیں جو پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔"

ماؤنٹ بیٹن پلان:

لارڈ ماؤنٹ بیٹن (Lord Mountbatten) نے برطانوی حکومت کی رسمی منظوری کے بعد 3 جون 1947ء کو اپنے منصوبے (Mountbatten's Plan) کا اعلان کر دیا اس میں:

1۔ انگریز برعظیم کی حکومت اگست 1947ء میں چھوڑ دے گا۔
2۔ ملک کو دو خود مختار مملکتوں پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔
3۔ بنگال اور پنجاب کے غیر مسلم اکثریت کے اضلاع ہندوستان میں شامل ہوں گے۔
4۔ سندھ اسمبلی کے ارکان فیصلہ کریں کہ وہ کس مملکت میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔
5۔ صوبہ سرحد اور آسام کے ضلع سہلٹ ریفرنڈم کے ذریعے ہندوستان یا پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کریں گے۔
6۔ بلوچستان کا فیصلہ شاہی جرگے اور میونسپل کمیٹیوں کے منتخب ممبر کریں گے۔
7۔ حکومت برطانیہ جون 1948ء سے قبل اقتدار ہندوستان کو منتقل کر دے گی۔

مسلم لیگ نے 10 جون اور کانگرس نے 14 جون کو اس منصوبے کو رسمی طور پر منظوری دے دی اور وائسرائے نے اقتدار کی منتقلی کی تاریخ 15 اگست 1947ء مقرر کر دی۔

o

Marfat.com

قانون آزادی ہند:

ہندوستان کی آزادی کے بارے میں مسودہ قانون وزیر اعظم لارڈ اٹیلی نے جولائی 1947ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا اور منظوری کے بعد 18 جولائی کو اس پر شاہی دستخط ثبت ہوئے۔ اس قانون آزادی ہند (The Independence of Indian) میں 15 اگست 1947ء سے برعظیم سے برطانوی اقتدار ختم ہو جائے گا اور ہندوستان کو دو مملکتوں ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ہندوستانی ریاستوں کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جس ملک کے ساتھ چاہیں الحاق کرلیں۔

قیام پاکستان:

لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں آزاد مملکتوں کا مشترکہ گورنر جنرل بنا چاہتا تھا۔ لیکن مسلم لیگ اس کی کانگرس نوازی سے بخوبی آگاہ تھی۔ اس لیے مسلم لیگ نے اس کی اس خواہش کو ٹھکرا دیا۔

کراچی کو نئی مملکت پاکستان کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ 7 اگست کو قائداعظم ہوائی جہاز کے ذریعے کراچی پہنچے۔ 13 اگست کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی کراچی پہنچا اور قائداعظم کا مہمان بنا۔ 14 اگست کو اقتدار کی منتقلی کی رسم ادا ہوئی۔ اس طرح 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

ریڈ کلف ایوارڈ:

آزادی ہند کے قانون 1947ء میں یہ بات موجود تھی کہ دونوں ممالک کے مابین سرحدوں کے تعین کے لیے سرحدی کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ 3 جون 1947ء کے اعلان اور پھر قانون آزادی ہند جولائی 1947ء کی رو سے انتقال اقتدار کے لیے 15 اگست 1947ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ برطانیہ کو واپسی کی اس قدر جلدی نہیں تھی تاکہ یہ ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس کی ملی بھگت تھی جو مسلمانوں کے خلاف کی جا رہی تھی۔

اتنے قلیل عرصے میں تقسیم ہند کا مقصد یہ تھا کہ اتنی سرعت سے تقسیم کی جائی کہ ادھورا اور نامکمل پاکستان بنے اور اپنے گوناگوں مسائل کے پیش نظر اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے اور اس طرح وہ انڈین یونین میں دوبارہ شامل ہونے پر مجبور ہو جائے۔ انگریز اور

Marfat.com

ہندو یہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمان جنگ آزادی 1857ء سے تقسیم ہند 1947ء تک انگریز اور ہندو کی سازشوں، تعصب اور تنگ نظری کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔ انھوں نے تقسیم ہند کا جذباتی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ اس میں ان کی بقا کا راز پنہاں تھا۔ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچے تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بڑی تیزی سے اقدامات کیے۔ اس سے مسائل میں کئی گناہ اضافہ ہوا۔ بہرحال تقسیم کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کی قدرتی سرحدوں کے علاوہ کچھ حدود کا تعین تقسیم سے ہونا تھا۔

26 جون کو سندھ کی اسمبلی نے کثرت رائے سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس طرح صوبہ سندھ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت کے بارے میں شاہی جرگے اور میونسپل کمیٹیوں کے غیر سرکاری ممبروں نے اتفاق رائے سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔

صوبہ سرحد میں سرحد کا وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان اور ان کے بھائی سرخ پوش لیڈر عبدالغفار خاں کانگرس کے ہم نوا تھے۔ لیکن تحریک پاکستان سرحد میں مقبول ہو چکی تھی اس لیے انھیں اندازہ تھا کہ سرحدی مسلمانوں کا ووٹ پاکستان کے حق میں ہی جائے گا۔ لہٰذا انھوں نے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے آزاد سرحد یعنی پختونستان کا نعرہ لگا دیا۔ قانون آزادی ہند میں دو ہی راستے تجویز ہوئے تھے اور تیسرے راستے کی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا 6 جولائی تا 17 جولائی صوبہ سرحد کے لوگوں کی رائے معلوم کی گئی۔ عوام کی بھاری اکثریت نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا۔

سلہٹ کے لوگوں نے بھی کثرت رائے سے مشرقی پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا۔ ان فیصلوں کے بعد پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کا حتمی فیصلہ ہو گیا لیکن سرحدوں کے تعین کا مشکل اور کٹھن کام ابھی باقی تھا۔

حد بندی کمشن:

سرحدوں کی حد بندی کے لیے قائداعظم نے تجویز کیا کہ یہ کام اقوام متحدہ کے سپرد کیا جائے یا برطانوی پریوی کونسل کے تین جج یہ کام سرانجام دیں لیکن ماؤنٹ بیٹن

Marfat.com

نے یہ کہ کر اس تجویز کو رد کر دیا کہ وقت کم ہے، اس لیے اسے اقوام متحدہ کے سپرد نہیں کیا جا سکتا اور گرمی کی شدت کی وجہ سے پریوی کونسل کے جج ہندوستان نہیں آ سکتے۔

ریڈکلف ایوارڈ:

بنگال اور پنجاب کی نئی سرحدیں قائم کرنے کی غرض سے دو حد بندی کمشن قائم کیے گئے۔ ان دونوں کمیشنوں کا سربراہ برطانیا کا ایک سینئر وکیل سر سائرل ریڈکلف (Sir Cyrel Radcliffe) مقرر کیا گیا۔ اسی کے نام پر حد بندی کمشنوں کے فیصلے کو ریڈکلف ایوارڈ کہا جاتا ہے۔

بنگال کمیشن:

بنگال کے کمیشن میں پاکستان کی طرف سے جسٹس ایس۔ اے رحمان اور جسٹس ابو صالح اکرام اور ہندوستان کی طرف سے جسٹس سی سی بسواس اور جسٹس مکرجی مقرر کیے گئے۔

ریڈکلف نے بددیانتی سے صوبہ بنگال کے مسلم اکثریتی علاقے ضلع مرشد آباد اور نادیہ ہندوستان کو دے دیئے۔ اس طرح پنجاب میں واضح مسلم اکثریت کے علاقے ضلع گورداس پور، ضلع فیروز پور، بٹالہ اور زیرہ کی تحصیلیں ہندوستان کو دے دیں۔ ریڈکلف نے آخری وقت کانگرس سے خفیہ سمجھوتہ کر کے یہ علاقے ہندوستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ قائداعظم نے کہا کہ مملکت پاکستان پر آخری ضرب ریڈکلف کا فیصلہ ہے۔ یہ غیر منصفانہ، ناقابل فہم بل کہ مکروہ فیصلہ ہے لیکن ہم ریڈکلف کو ثالث مان چکے ہیں۔ اس لیے اس جان لیوا فیصلے کو تسلیم کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

............☆............

Marfat.com

ستائیسواں باب

پاکستان قدم بہ قدم

اورنگ زیب کے جانشینوں کی کمزوری سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی۔ اقتدار مسلمانوں سے رخصت ہو رہا تھا اسے سنبھالا دینے کے لیے شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو برعظیم پر حملہ کی دعوت دی۔ ابدالی نے مغل حکومت سے پنجاب چھین کر اپنے ماتحت کر لیا۔ اس کے حملے سے مغلیہ اقتدار پر ایک کاری ضرب لگی، جو نا قابل تلافی تھی۔ اس نے مغلیہ اقتدار کو سنبھالا دینے کے بجائے زوال کے قریب تر کر دیا اور ابدالی کے انتقال کے بعد پنجاب کا نظم ونسق ابتر ہو گیا۔

رنجیت سنگھ نے سکھوں کی فوج کو منظم کیا اور زمان شاہ والی افغانستان کو خوش کر کے لاہور پر قبضہ حاصل کرنے کی اجازت حاصل کر لی، اس طرح 1799ء میں رنجیت سنگھ کا لاہور پر قبضہ ہو گیا۔ 1807ء میں مہاراجا نے دریا ستلج کے مغرب میں تمام پنجاب کو اپنے ماتحت کر لیا۔ سکھوں نے پنجاب کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔

مغلیہ حکمرانوں میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ بڑھ کر سکھوں کا ہاتھ روکتے، 1825ء میں سید احمد اور ان کے رفقاء نے راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اکوڑہ، حضرو اور پشاور میں سکھوں کو شکست دی۔

''حقیقت یہ ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام اور مسلمان کے گئے ہوئے اقتدار کو واپس لانا تھا''۔ (جنگ آزادی 1857ء ص 69)

لیکن جو زوال مقدر ہو چکا تھا اسے مٹھی بھر لشکر ٹال نہیں سکتا تھا۔ 1826ء میں آپ اور آپ کے ساتھی مجاہدین کو بالاکوٹ کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ یوں مسلمانوں کے اقتدار کی بازیابی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

Marfat.com

''انھوں نے باقاعدہ جہاد کا منصوبہ بنایا اور ایک طریقہ کار وضع کیا کہ پہلے سکھوں کا خاتمہ کرنا چاہیے اور پھر انگریزوں کی طاقت سے نمٹنا چاہیے۔ چناں چہ اس کے بدیہی آثار قرائن موجود ہیں سکھوں کے بعد انھوں نے مسلسل انگریزوں سے مقابلہ کیا اور حکومت برطانیا پریشان ہوگئی۔ (جنگ آزادی 1857ء، ص69)

سید احمد شہید تحریک کا ''مقصد یہ تھا کہ پہلے شمالی اسلامی علاقہ پر اسلامی حکومت بحال کی جائے اور بعد ازاں سارے برعظیم کے مسلمانوں کی گلو خلاصی کا اہتمام ہو۔'' (تاریخ مسلم لیگ، ص9)

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برعظیم کے مسلمانوں کے عروج کا چاند مکمل گہنا گیا۔ ہندو نے انگریز کو اپنا آقا تسلیم کرلیا۔

''ہندو تو گنگا نہا کر پوتر ہو گئے لیکن مسلمانوں کے قصور معاف نہ ہو سکے۔'' (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، ص99) سرسید احمد خاں۔

انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے ان کے اصل دشمن مسلمان ہی تھے انھوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے ہر حربہ اختیار کیا۔ ہندوؤں کی پشت پناہی کر کے انھیں مسلمانوں کا مدمقابل بنانے کی کوشش کی۔

''ان کی آنکھوں نے دہلی میں مسلمانوں کی درسگاہوں اور مسجدوں کو تباہ ہوتے دیکھا تھا۔ محمد بن تغلق کی اولاد کو گھاس کھودتے اور نواب خلیل اللہ خاں شاہجہاں کے پوتوں کو پیر دباتے دیکھا تھا۔'' (سرگزشت پاکستان، ص35)

دیکھتے دیکھتے ہندو مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئے۔ مسلمان بام ثریا سے تحت الثریٰ میں گر گئے۔ کل تک جو محلوں میں رہتے تھے اور سونے کا نوالہ کھاتے تھے اب نان شبینہ کو بھی ترس گئے۔ قلعہ سے تعلق رکھنے والے شاہی خاندان کے چشم و چراغ گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ شہزادے جو کمخواب پہنتے تھے، حریر و پرنیاں پر چلتے تھے وہ برہنہ پاؤں مارے مارے دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔

ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے بنگال کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''یہی لوگ کسی زمانے میں محلوں میں رہتے تھے۔ گھوڑے گاڑیاں نوکر چاکر موجود تھے، اب یہ حالت ہے کہ ان کے گھروں میں جواں بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں، بھتیجے بھتیجیاں بھرے پڑے ہیں

Marfat.com

اوران میں سے بھوکوں کے لیے کسی ایک کو زندگی میں کچھ کرنے کا موقعہ نہیں۔ وہ منہدم اور مرمت شدہ مکانوں اور خستہ برآمدوں میں قابل رحم زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔''اور انڈین مسلمانز'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

مسلمانوں کی درسگاہوں اور ان کے ساتھ وقف شدہ اراضی کو ضبط کر کے انھیں جہالت کی طرف دھکیل دیا گیا۔ مسلمان حکمرانوں کے عہد میں سرکاری زبان فارسی تھی اب انگریزی قرار پائی۔ اُردو، فارسی کی جگہ ''انگریزی'' قابلیت کا معیار تھی جو مسلمانوں کے نزدیک کافروں کی زبان تھی۔ اس کا سیکھنا گناہ عظیم تھا۔ یوں مسلمان قعر مذلت میں گرتے گئے، ہندوؤں نے فارسی کی طرح انگریزی کو بھی خوش آمدید کہا۔

''جس حساب سے تنزل شروع ہوا ہے اگر اسی اوسط سے اس کا اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی برس اس بات کو باقی ہیں کہ مسلمان سائیسی، خان ساماں، خدمت گاری، گھس کھودے ہونے کے سوا اور کسی درجہ میں نہ ہوں گے اور کوئی ایسا گروہ جس کو دنیا میں عزت حاصل ہو۔ مسلمانوں کے نام سے نہ پکارا جائے گا۔'' (سرگزشت پاکستان، ص 25) سرسید احمد خاں۔

انگریز نے مسلمانوں کو دبایا اور ہندوؤں کو ابھرنے کا موقعہ دیا۔

''انگریزوں نے ہندوؤں کو مراعات دے کر مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر دونوں قوموں میں آپس میں شکر رنجی پیدا کر دی۔ دونوں قوموں کے درمیان اختلافات وسیع ہوتے گئے چناں چہ ہندو مسلم اتحاد قائم کرنا ناممکن ہو گیا۔ (برصغیر پاک وہند میں کمپنی کی حکومت (حصہ اول)، ص 222)۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر گرانے کا ہر حربہ روا رکھا۔''1852ء سے 1868ء تک جن ہندوستانیوں کو وکالت کے لائسنس ملے ان میں 239 ہندو اور ایک مسلمان تھا''۔ (موج کوثر ص 75) ایس ایم اکرام۔

مسلمان شرفا گوشہ نشین ہو گئے اور جمہور معاشی پریشان حالی میں ہندوؤں کے دست نگر ہو کر رہ گئے۔ مسلمان حکمرانی کی سٹی بھول چکا تھا۔ بل کہ اب اسے برعظیم

Marfat.com

میں اپنی بقا خطرے میں نظر آتی تھی جو کل تک محلوں میں کمخواب پر سوتے تھے آج انھیں بوریہ کا بچھونا بھی نصیب نہ تھا مسلمان تباہی اور خستہ حال کی تفسیر بن کر رہ گیا تھا۔

''1857ء کے المیہ نے مسلمانوں پر کشاد کی تمام راہیں مسدود کردی تھیں اور ہندی مسلمان محض بے چارگی، بے بسی، جہالت، افلاس کا نام رہ گیا تھا۔'' (سرگزشت پاکستان، ص 38)

ہندو نے اپنی بے بسی کا رونا رو کر اپنی بے گناہی منوالی تھی انگریز کی نظر میں مسلم ہی ان کا واحد دشمن تھا۔

''چالاک ہندو نے اپنے آپ کو بے گناہ اور پاک صاف ثابت کر کے انگریز کا منظور نظر بننے کا شرف حاصل کر لیا۔ انگریز کو مسلمانوں ہی سے خطرہ تھا، اس نے ہندو کو سینے سے لگا کر مسلمانوں کو تنہا چھوڑ دیا اور پھر اس تنہا قوت کو پیس کو رکھ دیا''۔ (تاریخ مسلم لیگ، ص 10)

سرسید احمد خاں مسلمانوں کی پستی اور ہندو کی چال کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک طرف مسلمان انگریز اور ان کی زبان سے نفرت کر کے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ رہے تھے، اور دوسری طرف انگریزوں کے شکوک وشبہات کو ہوا مل رہی تھی، ہندو بڑی ہوشیاری سے انگریزوں کے دلوں میں گھر کر رہا تھا۔ انگریزی سیکھ کر اس کی منشا کو بھانپنے لگ گیا تھا اس طرح وہ اس کا منظور نظر بن کر مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی فکر میں تھا۔ سر ولیم ہنٹر نے 1871ء میں لکھا ہے کہ:

> ''ہند کے مسلمان اب بھی اور سال ہا سال سے برطانوی اقتدار کے لیے ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے اور چند تبدیلیوں کے سامنے موقع شناس ہندوؤں نے بڑی خوشی سے سر تسلیم خم کر دیا تھا مسلمان انھیں شدید ظلم قرار دیتے ہیں''۔ (ظہور پاکستان، ص 15)

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو سیاست سے الگ رکھ کر ان کی پستی کا علاج تعلیم سے کرنے کی ٹھانی۔ کیوں کہ سیاست کی مسموم ہوائیں مسلمانوں کی صحت پر برُا اثر ڈال رہی تھیں۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو تعلیم سے سہارا دینے کی کوشش کی تا کہ مسلمان پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ہندو سازش اور انگریز کے

Marfat.com

انتقام کا مقابلہ کرسکیں۔

''سرسید کو اللہ تعالے نے بڑی فہم وفراست دی تھی''۔ (بقول ڈاکٹر عابد حسین)

''انھیں اس تدبر اور حکومت عملی کا بچا کھچا سرمایہ ملا تھا جس کی بدولت مسلمانوں نے سات آٹھ سو برس ہندوستان پر حکومت کی''۔) موج کوثر ،ص 103، ایس۔ایم۔اکرام)

آپ نے علی گڑھ کو مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز بنایا۔

''سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ اوراس کی کامیابی کی بنیاد ہی دو قوموں کا احساس تھا۔ اسی احساس نے مسلمانوں کو من حیث الجماعت کانگریس سے علیحدہ کیا۔اسی احساس نے انھیں ہمیشہ اپنی الگ سیاسی تنظیمیں قائم کرنے پر ابھارا۔''

آئینی جدوجہد

جنگ آزادی 1857ء میں بہادر شاہ ظفر کی حکومت ختم ہوگئی۔تاج برطانیا نے محسوس کیا کہ ایست انڈیا کمپنی لوٹ کھسوٹ سے برعظیم کے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کیے ہوئے ہے۔یکم نومبر 1958ء کو ہندوستان کے انتظامی اختیارات کمپنی سے تاج برطانیا نے منتقل کرلیے۔تاج برطانیا نے عوامی زندگی کو جمہوری اقدار سے نوازنے کے لیے پہلا آئینی ڈھانچہ ''انڈین کونسلز ایکٹ 1861'' لارڈ کیننگ کے عہد میں نافذ کیا کہ اس سے گورنر جنرل کی مجلس انتظامیہ میں ہندوستانیوں کی نمائندگی چھے سے بارہ مقرر کی گئی۔

1892ء میں ''انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء'' دوسرا دستوری ڈھانچہ لارڈ لینسڈان کے عہد میں نافذ کیا گیا۔اس سے گورنر جنرل کی مجلس انتظامیہ میں ہندوستانیوں کی نمائندگی 10 سے 16 کردی گئی اور صوبائی کونسلوں کے اراکین کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا۔اس قانون کے تحت انتخابات کرانے کی اجازت دی گئی تھی لیکن بدقسمتی سے یہ انتخابات مخلوط نوعیت کے تھے،اس میں مسلمان ہندوؤں کے رحم وکرم پر تھے۔ انتخابات میں مسلمان ایک نشست پر بھی کامیاب نہ ہوسکے۔سید محمود نے بڑی جرأت سے مخلوط طریق انتخاب کے خلاف آواز اٹھائی،سرسید احمد خاں نے ایم۔اے۔او ڈیفنس

Marfat.com

ایسوسی ایشن قائم کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔

1909ء میں ''منٹو مارلے اصلاحات'' کے نام سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ ہوا۔ اس میں جداگانہ انتخابات کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔ ہائی کورٹس و چیف کورٹس میں مسلمان جج متعین کر دیئے گئے۔ ہر سطح پر مسلمانوں کے لیے جداگانہ نمائندگی رکھی گئی۔ 1909ء کے ایکٹ میں مسلمان ایک جدا قوم تسلیم کر لیے گئے۔ مسلم لیگ نے ان اصلاحات کا خیر مقدم کیا اور کانگرس نے اس پر شدید برہمی کا اظہار کیا۔

1919ء میں ''مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات'' کے نام سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ ہوا۔ اس میں میثاق لکھنؤ 1916ء کی چند تجاویز شامل کر لی گئیں۔ جداگانہ انتخابات بحال رکھے گئے۔ 1921ء میں انتخابات ہوئے تو ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ دسمبر 1919ء میں امرتسر میں کانگرس کا جو اجلاس ہوا، اس میں اگرچہ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کو ناکافی، غیر تسلی بخش اور مایوس کن قرار دیا گیا۔ لیکن ان پر عمل درآمد کے لیے آمادگی بھی ظاہر کی گئی''۔ (ظہور پاکستان) چودھری محمد علی

1926ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد مہا سبھا نے کانگرس پر غلبہ حاصل کر لیا اور کانگرس نے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ جداگانہ انتخابات کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں۔

1935ء گورنمنٹ آف انڈیا، 1932ء کی گول میز کانفرنسوں کی کارروائی کی روشنی میں تیار کیا گیا۔ یہ جزوی طور پر 1935ء میں اور کلی نفاذ یکم اپریل 1937ء کو ہوا اس میں دونوں ایوانوں کے لیے جدگانہ انتخاب کے اصول کو برقرار رکھا گیا۔ اس سے تمام صوبوں کو پارلیمانی طرز کی تمام تر ذمہ داریاں حاصل ہو گئیں اور حکومت کی تشکیل کا اہل قرار دے دیا گیا۔ مسلم لیگ نے مرکزی حکومت کی وفاقی سکیم کو بالکل بے معنی قرار دیا۔

1936ء میں اس آئین کے تحت انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ کو ناکام کرنے کے لیے نیشنلسٹ مسلمانوں کی جماعت، پنجاب میں مجلس احرار، خاکسار اور یونینسٹ، سرحد میں سرخ پوش، سندھ میں نیشنل پارٹی اور یوپی میں جمعیت العلمائے ہند میدان میں اتری۔ کانگرس کو 706 نشستیں ملیں اور 211 دوسری ہندو جماعتوں کو ملیں۔ اس طرح مرکز میں کانگرس کو واضح اکثریت ملی۔ مسلم لیگ کو 108 نشستیں ملیں۔ مسلم

Marfat.com

اکثریت کے صوبوں میں پنجاب سے 2/84 بنگال سے 40/117 اور سرحد سندھ سے کوئی نشست نہ ملی۔

کانگرس نے مرکز میں اپنی حکومت بنائی، جس نے جولائی 1937ء سے اکتوبر 1839ء تک مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ اس سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔ 31 اکتوبر 1939ء کو کانگریسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں تو مسلمانوں نے قائداعظم کے کہنے پر 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منایا۔

21 اگست 1945ء کو وائسرائے لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ برعظیم کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات آئندہ سال ہوں گے۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات دسمبر 1945ء میں مکمل ہوئے۔ اس میں مسلم لیگ نے 30 مسلم نشستیں حاصل کر کے صد فی صد کامیابی حاصل کی۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا آغاز 1946ء میں ہوا اور مسلم لیگ نے 446/495 نشستیں جیت لیں۔

عبوری حکومت میں 6 کانگریسی، 5 مسلم لیگی، ایک سکھ، ایک پارسی، ایک عیسائی، کل 14 وزرا کی مرکزی کابینہ تشکیل ہوئی۔ لیاقت علی خاں کو وزیرخزانہ بنایا گیا۔ 28 فروری 1947ء کو لیاقت علی خان نے بجٹ پیش کیا۔ اس میں غریب اور متوسط طبقہ سے محصولات کا بوجھ کم کر کے سرمایہ داروں پر ڈالا گیا۔ اسے غریب آدمی کا بجٹ قرار دیا گیا۔ لیکن جب سرمایہ داروں نے کانگریس کا چندہ بند کیا تو کانگریس کو ہوش کے ناخن آئے۔

> ''جب لیاقت علی خاں وزیرخزانہ بنے تو حکومت کی کلید ان کی تحویل میں چلی گئی۔ سردار پٹیل وزارت داخلہ کو اپنے پاس رکھنے کا بہت مشتاق تھا، اب اسے سمجھ آئی کہ وزارت خزانہ کی پیش کش سے وہ مسلم لیگ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہے۔''
>
> (ابوالکلام آزاد، انڈیا ونز فریڈم، ص 168،167)

قرارداد مقاصد:

فروری 1948ء میں قائداعظمؒ نے ایک انٹرویو میں فرمایا۔ ''پاکستان کا دستور

Marfat.com

ابھی بنا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل و ہیئت کیا ہوگی۔ لیکن اتنا یقین سے کہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہوگا''۔

حصولِ پاکستان کے وقت، 1935ء قانون حکومت ہند کو متعدد ترامیم کے ساتھ عبوری دستور کے طور پر نافذ کر دیا گیا اور دستور ساز اسمبلی میں وہ اراکین شامل کیے گئے جو پاکستان میں شامل حصوں سے برطانوی ہند کی مرکزی دستور ساز اسمبلی کے لیے چنے گئے تھے۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آئین ہونا چاہیے یا نہیں اگر آئین ہو تو سیکولر (Secular) آئین ہونا چاہیے۔ اسلامی نظام محض نعرہ تھا جو حصول پاکستان کے لیے لگایا گیا تھا۔ عوام اور علما نے اس نظریہ کے خلاف آواز اٹھائی اور وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے مختلف الخیال قائدین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کو ان اصولوں اور نظریات کا تعین کرنا تھا جس پر دستور سازی کی جائے۔ کمیٹی کے اکثر شرکاء نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے مرتب کردہ اصولوں سے اتفاق کیا اور 12 مارچ 1949ء کو وزیر اعظم نے اس قرارداد مقاصد کو اسمبلی میں پیش کر کے منظوری حاصل کی۔

قرارداد مقاصد کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔ اس نے مملکت پاکستان کو عوام کے ذریعے اختیار حکمرانی نیابتاً عطا فرمایا ہے۔
2۔ پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا۔
3۔ اقلیتوں کو مذہبی آزادی ہوگی۔
4۔ اہل پاکستان کو بتدریج اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔
5۔ وفاقیہ کے علاقوں کا تحفظ کیا جائے گا۔
6۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے آزاد رکھا جائے گا۔

قرارداد مقاصد میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے اور پاکستان میں نظام حکومت قرآن وسنت پر مبنی قوانین کی روشنی میں چلایا جائے گا۔ پاکستان کی دستوری تاریخ میں اسے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے آئندہ کے

Marfat.com

دساتیر کے ساتھ اسے بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔

تحریک پاکستان

سرسید احمد خاں ہندو مسلم کو دلھن کی دو حسین آنکھیں کہا کرتے تھے لیکن جب ہندوؤں نے انگریزوں کے سیاسی نظام کا مطالعہ کیا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ اگر انگریز اس ملک سے چلا جائے تو لازم حکومت ہندوؤں کے ہاتھ رہے گی۔ یہ سوچ کہ ہندوؤں نے مسلمانوں سے تعاون کرنا چھوڑ دیا۔ کبھی طاقت سے، کبھی بھگتی تحریک سے مسلمانوں کو الگ قومی تشخص سے دست بردار کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ ہندو نے مسلمانوں سے بحیثیت قوم نفرت کا بیج بویا۔ وہ برعظیم سے مسلمانوں کی ہر علامت کو ختم کرنے کی سوچنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے مسلمانوں کی زبان اُردو پر ہاتھ ڈالا۔

1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے یہ تحریک شروع کی کہ اُردو کی جگہ ہندی کو دفتری زبان بنایا جائے۔ 1875ء میں دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کے نام سے ایک تحریک کا آغاز کیا۔ اس کا مقصد غیر ہندوؤں کو ہندو بنانا تھا جن کے آباو اجداد کبھی ہندو تھے اس تحریک سے جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہونا شروع ہو گئے۔

1885ء میں ایک انگریز افسر اے۔او۔ ہیوم نے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔ کانگریس کا دعویٰ تھا کہ برعظیم میں رہنے والے تمام لوگ ایک قوم ہیں۔

> ''اگر کانگریس کے کرتا دھرتا، دوسرے فرقوں کی حقوق کی حفاظت کے دعوؤں کا عملی ثبوت دیتے اور کسی قسم کا امتیازی سلوک نہ برتا جاتا، تو تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ہندوستان بھر میں کانگریس کی گدی گاندھی جی کے قبضہ میں تھی۔ یہ تنظیم جاگرتی کے رنگ میں رنگ گئی۔ لڑائی تو انگریز کے خلاف لڑی جا رہی تھی لیکن مہاتما جی کا نعرہ جنگ یہ تھا کہ وید کے زمانے کی طرف لوٹ چلو۔ تمام غیر ہندو لوگ خاص کر مسلمان سخت متنفر ہو گئے۔ کانگریس برسر اقتدار آ گئی تو ان کے دین اور ان کی تہذیب کو نقصان پہنچے گا۔ وہ اس نازک وقت میں کسی اچھے راہنما کی تلاش میں تھے جو ان کو قائداعظمؒ کی شخصیت میں مل گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کی اس

Marfat.com

دبی دبی سی خواہش کو دو قومی نظریے کی صورت میں نمایاں کر دیا۔ یہ
کہہ دینا بالکل نادانی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں نے جن میں بڑے
بڑے دانشور بھی تھے مسٹر جناح کی پیروی اپنی مرضی سے نہیں بل کہ
انگریز کے اشارے پر کی۔'' (''تبصرہ'' لاہور: تلخیص ص 29 تا 34)

مجالس قانون ساز میں نامزدگی کے بجائے انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے جس میں ووٹ کا حق صرف تعلیم یافتہ اور صاحب جائداد کو حاصل ہو۔ ملازمتوں کے لیے انتخاب مقابلے کے امتحان کے ذریعہ کیا جائے۔ بظاہر یہ مطالبات مبنی برانصاف و مساوات نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک ریاست میں ایک قومی بستی ہو، جسے ترقی کے یکساں مواقع ملتے ہوں۔ جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کو انگریز اور اس کی زبان سے نفرت ہوگئی تھی ان کی اس تلخی کو کم کرنے کے لیے ایک وقت لگا۔ اس عرصہ میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے نکل چکا تھا۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو کانگرس سے الگ رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ اس حق میں نہیں تھے کہ مسلمان متحدہ قومیت میں ضم ہو کر ہمیشہ کے لیے اپنی آزادی اور تشخص کو خیر باد کہہ دیں۔

''اگر سرسید مسلمان قوم کی علیحدگی کے تصور کا بیج نہ بوتے تو متحدہ
ہندوستان کی تاریخ میں ہماری موت کا مرثیہ لکھا جا چکا تھا۔ اور اس
برعظیم کے نئے خاکوں میں ہماری قومی حیثیت ایک قبرستان سے
زیادہ نہ ہوتی''۔ (تاریخ مسلم لیگ، ص 48)

قانون مجالس ہند 1892ء میں کانگرس کا یہ مطالبہ مان لیا گیا کہ مجالس قانون ساز میں ہندوستانی نمائندوں کا انتخاب ووٹ کے ذریعے کیا جائے گا اس طرح زیادہ ہندو ہی منتخب ہونے لگے۔

1905ء میں لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تقسیم ایک انتظامی معاملہ تھا۔ مشرقی بنگال کو الگ صوبہ بنانے سے وہاں کے مسلمانوں کو چند مراعات حاصل ہوگئی تھیں۔ انتہا پسند بنگالی ہندوؤں کے علاوہ کانگرس نے بھی تقسیم بنگال کی سخت مخالفت کی۔ تقسیم بنگال نے کانگریس کے عزائم کو بے نقاب کر دیا۔

1890ء میں عبدالحلیم شرر نے ہفت روزہ اخبار ''مہذب'' میں

Marfat.com

ہندو مسلم فسادات کا یہ حل تجویز کیا کہ "ہندوستان کے اضلاع کو ہندو مسلم باہم تقسیم کر لیں اور اپنی اپنی آبادی کو علیحدہ کر لیں"۔
(حکومت اور سیاست، ص 47)

کانگریس کا خیال تھا کہ وہ برعظیم سے انگریزوں کو نکلنے پر مجبور کر دے گی اور ان کے بعد اکثریت کی حکومت بنائے گی جو خالص ہندوؤں کی ہوگی لیکن مسلم زعما اس کو خوب سمجھتے تھے کہ جمہوریت میں حکومت ہندوؤں کی ہوگی اور مسلم ہمیشہ اقلیت میں رہ کر محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

1906ء کے وسط میں وزیر ہند مسٹر مورلے نے برطانوی دارالعوام میں اعلان کیا کہ عنقریب اس بات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے کہ مجالس قانون ساز میں ہندوستانی نمائندوں کی تعداد میں کتنا اضافہ کیا جائے۔ اب مسلمانوں نے فیصلہ کیا اپنے علیحدہ قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر نمائندگی حاصل کی جائے۔ اکتوبر 1906ء میں مسلمانوں کا ایک وفد سر سلطان آغا خاں کی قیادت میں لارڈ منٹو سے شملہ میں ملا اور ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ 1909ء میں قانون مجالس ہند کے تحت مسلمانوں کا یہ مطالبہ منظور ہو گیا۔

تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا ردعمل، شملہ وفد کی کامیابی نے مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت کا احساس دلایا۔ چناں چہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے خاتمہ پر 30 دسمبر 1906ء کو نواب وقار الملک کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ سر آغا خاں کو صدر اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کو جائنٹ سیکرٹری چنا گیا۔

مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں برطانوی حکومت کا وفادار رہتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور دوسری قوموں کے ساتھ افہام و تفہیم کے جذبات پیدا کرنا شامل تھا۔

1913ء میں قائداعظم نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ آپ کی کوششوں سے لیگ اور کانگرس کے درمیان اتحاد و مصالحت کا معاہدہ ہوا، جسے میثاق لکھنؤ کہتے ہیں اس پیکٹ سے کانگرس نے مسلمانوں کا جداگانہ نیابت کا اصول تسلیم کر لیا اور مسلمانوں

Marfat.com

نے اکثریتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے کم نشتیں لینے کی بات تسلیم کر لی۔

1919ء کے گورنمنٹ ایکٹ آف انڈیا میں میثاق لکھنؤ کی شرائط بہت حد تک تسلیم کر لی گئیں لیکن دوسری طرف انگریزوں نے جو اتحادیوں کے لیڈر تھے، ترکی کو ایک ذلت آمیز معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا۔ ترکی ان دنوں دنیائے اسلام کا خلیفہ مانا جاتا تھا۔ خلافت کے تحفظ کے لیے برعظیم کے مسلمانوں نے انگریز کے فیصلوں کے خلاف تحریک چلائی، جسے تحریک خلافت کہا جاتا ہے۔

کانگرس بھی تحریک خلافت میں شامل ہو گئی اور 1922ء میں جب تحریک اپنی قربانیوں کے بعد انگریزوں سے مطالبات منوانے والی تھی، گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک واپس لے لی۔ اس طرح تحریک کی پشت میں چھرا گھونپ دیا۔ 1924ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی سے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

اس تحریک نے مسلمانوں کو طاقت کا احساس دلایا۔ اس تحریک کے تربیت یافتہ کارکن مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریک پاکستان کی تقویت کا باعث بنے۔

1927ء میں مرکزی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں پنڈت نہرو نے قائداعظم سے کہا کہ اگر وہ جداگانہ انتخاب کے حق سے دستبردار ہو جائیں تو دونوں میں اتحاد ممکن ہے۔ قائداعظمؒ نے 20 مارچ 1927ء کو دہلی میں مسلم رہنماؤں کا ایک اجلاس بلایا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا:

1۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے نیا صوبہ بنایا جائے۔

2۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں جیسی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

3۔ پنجاب اور بنگال میں مسلم نمائندگی، آبادی کے تناسب کے مطابق کر دی جائے۔

4۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم نمائندگی 1/3 ہو تو مسلمان جداگانہ انتخاب کے حق سے دستبردار ہونے کو تیار ہیں لیکن سر محمد شفیع اور حکیم الامت نے اس کی مخالفت کی، کیوں کہ وہ کسی قیمت پر جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ مسلم لیگ، شفیع لیگ اور جناح لیگ میں تقسیم ہو گئی۔ کانگرسی لیڈروں نے تجاویز دہلی کی معقولیت کا اعتراف کرنے کے باوجود انھیں نظر انداز کر دیا۔

1927ء میں سائمن کمیشن برعظیم آیا۔ اس کمیشن کے سب ممبران انگریز تھے اس گورا کمیشن کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا گیا۔ 1928ء میں نہرو رپورٹ آل پارٹیز

Marfat.com

کنونشن میں پیش ہوئی۔

محمد علی جوہر اور محمد علی جناح نے تجاویز دہلی سے بھی کم تجاویز کی پیشکش کی۔ آپ نے مرکز میں 1/3 نمائندگی اور بنگال اور پنجاب میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نمائندگی کی ترامیم کرنے کو کہا۔ لیکن کانگرس نے آپ کی اس مخلصانہ پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا۔ مولانا محمد علی اور محمد علی جناح کنونشن سے ناراض ہو کر چلے گئے۔

مارچ 1929ء میں محمد علی جناح نے آل پارٹیز مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں بلایا۔ اس میں آپ نے چودہ نکاتی قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد سے مسلم لیگ کے شفیع گروپ کو بھی اتفاق تھا اس لیے مسلم لیگ پھر سے متحد ہوگئی اور قرارداد جناح چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئی۔ اہم نکات یہ ہیں:

1۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے نیا صوبہ بنایا جائے۔

2۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

3۔ جداگانہ انتخاب کا اصول برقرار رکھا جائے۔

4۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں۔

1930ء میں گول میز کانفرنس لندن میں برطانوی وزیر اعظم میکڈانلڈ کی صدارت میں ہوئی۔ مسلمانوں کی قیادت سر آغا خاں نے کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے ملک کو آزاد کر دو۔ ورنہ میں غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اس کے چند روز بعد ہی وہ انگلستان ہی میں وفات پا گئے اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

30 دسمبر 1930ء کو شاعر مشرق کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنے مشہور خطبہ صدارت میں الگ خودمختار مملکت کا تصور پیش کیا۔

1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنے تاریخی خطبہ میں فرمایا:

> ''مجھے ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلمانوں کی متحدہ حکومت کم از کم شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ نظر آتی

Marfat.com

ہے۔''

سید ابوالحسن ندویؒ سے ملاقات کے دوران میں علامہ اقبال نے پاکستان کے بارے میں فرمایا:

''جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی، وہ اپنے مذہب اور تہذیب کو برقرار نہیں رکھ سکتی، دین اور تہذیب حکومت اور شوکت سے زندہ رہتے ہیں اس لیے پاکستان ہی مسلم مسائل کا حل ہے اور یہی اقتصادی مشکلات کا حل بھی ہے''۔

مولانا ابوالحسن ندوی، نقوش اقبال ص 11

1933ء میں چودھری رحمت علی نے Now Or Never کتابچہ شائع کیا۔ اس میں مطالبہ مملکت اسلامیہ پر بڑی مدلل روشنی ڈالی اور ثابت کیا کہ یہ ملک خالص اسلامی اقتدار پر قائم کیا جانا مقصود ہے اور اس کا نام پاکستان ہوگا۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کے ابتدائی حروف جمع کر کے یہ نام تجویز کیا گیا۔

ستمبر 1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس ہوئی۔ کانگرس نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا۔ یوں یہ کانفرنس بغیر کسی فیصلے کے ختم ہوئی۔

اگست 1932ء میں وزیراعظم نے کمیونل ایوارڈ کا اعلان کر دیا جس کی رو سے جداگانہ انتخاب کا اصول قائم رہا۔ بل کہ اچھوتوں کو بھی جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا گیا۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ صوبہ سرحد میں اصلاحات جاری کر دی گئیں یہی سفارشات بعد میں قانون، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے نام سے برعظیم میں نافذ ہوا۔

1935ء کے ایکٹ کے تحت 1937ء میں صوبوں میں انتخابات ہوئے۔ کانگرس چھے صوبوں میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ کانگرس کو مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار، اڑیسہ اور صوبہ سرحد میں وزارت سازی کا موقع ملا۔ کانگرس نے اپنی پارٹی کے ترنگا جھنڈا کو سرکاری پرچم قرار دیا۔ بندے ماترم کا دل آزار ترانہ سرکاری طور پر اپنایا۔ ودیا مندر سکیم نافذ کی۔ کانگرسی وزارتوں نے اقتدار سنبھالتے ہی مسلمانوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا۔

''ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں مگر مسلمان، مسلمان!

Marfat.com

کوئی کانٹے دار درخت اس زمانہ میں نہیں اُگا، جو یہ نہ کہا گیا ہو کہ اس کا بیج مسلمانوں نے بویا تھا"۔ (از پروفیسر سعید احمد) مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی، ص 154,153)

کانگرسی راج مسلمانوں کی آنکھیں کھول گیا۔ اب مسلمان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی تشکیل نو کی۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز پر اکتوبر 1939ء میں کانگرسی حکومتیں مستعفی ہوگئیں۔ قائداعظم کی اپیل پر مسلمانوں نے یوم نجات منایا۔

کانگرسی راج نے ہندو عزائم کو بے نقاب کر دیا۔ قائداعظم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلم تشخص کی بقا کے لیے قوم کے سامنے ایک واضح نصب العین اور لائحہ عمل رکھا جائے۔ چنانچہ 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا۔

مسلم لیگ کا اجلاس اقبال پارک (سابقہ منٹو پارک) لاہور میں 23 مارچ 1940ء کو قائداعظمؒ کی صدارت میں شروع ہوا۔ آپ نے خطبہ صدارت میں فرمایا۔ قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں اور اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہو۔ حکومت برطانیا اگر چاہتی ہے کہ برعظیم کے لوگ امن اور چین کی زندگی بسر کریں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہندوستان کو دو آزاد قومی مملکتوں میں تقسیم کر کے بڑی اقوام کے لیے وطن قائم کر دیے جائیں۔

23 مارچ 1940ء کو شیر بنگال مولوی فضل حق نے تحریک پیش کی جو اس وقت قرارداد لاہور کہلائی اور آج قرارداد پاکستان کے نام سے تاریخ میں زندہ ہے۔ اس اجلاس میں پورے ہندوستان سے 50 ہزار سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ مسلم اکثریت والے علاقے جو کہ ہند کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہیں انھیں آپس میں ملایا جائے گا تا کہ وہ آزاد مملکتیں بن جائیں۔

ابھی تک قوم نے اپنی تحریک کا نام تحریک پاکستان نہیں رکھا تھا۔ قرارداد لاہور کو ہندو پریس نے قرارداد پاکستان کا نام دے کر اچھالا۔ ہندو پروپیگنڈا نے پاکستان اور مسلمانوں کو ہم معنی کر دیا اور لفظ پاکستان مسلمانوں کو جان سے بھی زیادہ عزیز ہوگیا۔

''قرارداد پاکستان 23 مارچ 1940ء کو مسلمانوں کی جدوجہد

Marfat.com

آزادی کا منشور اور میگنا کارٹا کہا جاتا ہے"۔ (پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، ص115)

قرارداد کے منظور ہوتے ہی مسلمانوں نے اپنے نصب العین کو پانے کے لیے تحریک پاکستان کا آغاز کر دیا۔ ادھر ہندوؤں نے مسلمانوں کو منزل سے دور رکھنے کے لیے دشمنی کی تحریک شروع کر دی۔ برطانیا دوسری جنگ عظیم میں گھرا ہوا تھا اس لیے ہندوؤں نے برعظیم کی آزادی کا مطالبہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا مسلمانوں کو دبا کر انگریز پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ برعظیم کی واحد طاقت کانگرس ہے۔

7 اگست 1942ء کو کانگرس نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی۔ کرپس کمیشن نے آئینی اصلاحات کا جائزہ لیا۔ اس نے ہند کو جنگ کے بعد آزادی کا مژدہ سنایا۔ کانگرس مکمل سوراج چاہتی تھی، اس لیے اس نے کرپس کمیشن کی تجاویز کو رد کر دیا۔ ادھر مسلمان پاکستان کو اپنی منزل قرار دے چکے تھے اس لیے انھوں نے بھی ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

انگریز جنگ عظیم دوم میں بھی بچ نکلا۔ لیکن اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ برعظیم جیسا بڑا ملک محکوم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس نے انتخابات کی نوید سنائی تاکہ نمائندہ حکومت کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ 1945ء کے آخر میں مرکزی اسمبلی اور 1946ء کے شروع میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کی کل نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

وزارتی مشن:۔

24 مارچ 1946ء کو برطانیا کی نئی لیبر وزارت کے 3 اراکین لارنس (وزیر ہند) کرپس (وزیر تجارت) اور الیگزنڈر (وزیر بحریہ) پر مشتمل ایک مشن برعظیم بھیجا۔ اس نے کانگرس و مسلم لیگ سے مذاکرات کے بعد اپنی تجاویز مرتب کیں۔ مشن نے اس بات پر زور دیا کہ اس منصوبہ کو کلی طور پر قبول کیا جائے یا مسترد، جو جماعت اسے قبول کرے گی اسے عبوری حکومت کی دعوت دی جائے گی۔

مسلم لیگ نے ان تجاویز کو تسلیم کر لیا، کیوں کہ اسے اپنی منزل پاکستان قریب نظر آ رہی تھی۔ مسلم لیگ کی طرف سے منظوری کے باوجود اسے حکومت کی تشکیل کی دعوت

Marfat.com

نہ دی گئی۔ موقعہ دیکھتے ہی کانگرس نے منظوری دے دی اور حکومت بنالی۔ 16 اگست 1946ء کو قائداعظم نے یوم راست اقدام کا اعلان فرمایا۔ ملک بھر میں ہڑتال ہوئی۔ احتجاجی جلسے منعقد ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنے اعزازات وخطابات واپس کر دیئے، پورے ہندوستان میں فسادات شروع ہو گئے۔ وائسرائے ہند کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس نے مسلم لیگ کو حکومت سازی میں شرکت کی دعوت دی جو مسلم لیگ نے منظور کر لی۔

خزانے کا محکمہ مسلمانوں کو دیا گیا۔ سردار پٹیل کا خیال تھا کہ مسلمان اس محکمہ کو قبول نہیں کریں گے۔ لیاقت علی خاں نے وزیر مالیات بننا منظور کر لیا اور ''غریب کا بجٹ'' پیش کر کے ہندو ساہوکاروں کی نیندیں حرام کر دیں۔

1888ء میں سرسید احمد خاں نے ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ ''انگریز سے تختِ حکومت خالی کرانے کے بعد دو قومیں ایک ہی تخت پر بیٹھ کر مساوی اختیارات کی مالک کس طرح بن سکیں گی۔'' (حکومت اور سیاست، ص 47)

20 فروری 1947ء کو برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ جون 1948ء تک برعظیم ہندوستانیوں کے حوالے کر دے گی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے آخری وائسرائے بن کر آئے، اس نے مسلم لیگ اور کانگرس کے مشورے کے بعد 3 جون 1947ء کو اہم تاریخی اعلان کیا۔ جسے ماؤنٹ بیٹن منصوبہ یا 3 جون کی سکیم کہا جاتا ہے اس میں تقسیم ہند کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔

3 جون کی سکیم کو عملی جامہ پہنچانے کے لیے ایک کمیشن ریڈکلف کی سرکردگی میں قائم کیا گیا جس نے پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا۔ صوبہ سرحد اور سلہٹ نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ بلوچستان کے شاہی جرگہ نے بھی پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔

14 اگست 1947ء کو وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے کراچی آ کر قیام پاکستان کی رسم ادا کی اور قائداعظمؒ اس سب سے بڑے اسلامی ملک کے پہلے گورنر جنرل بنے۔

> ''14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ایک ایسا ملک وجود میں آیا جس کی مثال تمدنی تاریخ میں اس لحاظ سے ملنی مشکل ہے کہ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے۔'' (سرگزشت پاکستان، ص 112)

Marfat.com

قائداعظمؒ کے الفاظ میں ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ اراضی حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بل کہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو اپنا سکیں۔'' (حکومت اور سیاست، ص 12)

تحریک پاکستان پر ڈاکٹر وحید قریشی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''ہندوؤں کے مخاصمانہ رویے سے ملی تشخص کا خیال شدید تر ہوا۔ ان حالات میں یہ احساس کہ مسلمان علیحدہ قوم ہیں، جن کے عقائد، تہذیبی اقدار، فکرو احساس کے جملہ پیمانے برعظیم کی دوسری اقوام سے مختلف ہیں۔ ہماری تاریخی وراثت کا وہ باب ہے جس پر نظریہ پاکستان استوار ہے''۔

قیام پاکستان

قائداعظم کی سرپرستی میں پاکستان کی پہلی کابینہ کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں تھے۔ اور اس میں سر ظفر اللہ خاں، ملک غلام محمد، خواجہ شہاب الدین، چودھری نذیر احمد، فضل الرحمٰن، سردار عبدالرب نشتر، پیرزادہ عبدالستار اور جوگندر ناتھ منڈل بطور وزیر شامل تھے۔

قائداعظم نے کابینہ کے تعاون سے مہاجرین کی عارضی آبادکاری کا کام سرانجام دیا۔ ہجرت میں لاکھوں افراد قتل کیے گئے، ہزاروں عصمتیں آزادی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ خاص طور پر مشرقی پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ ہجرت کا سلسلہ 1949ء تک جاری رہا۔

مغربی پاکستان میں تقریباً 54 لاکھ مہاجرین آئے ان میں سے 52 لاکھ مسلمانوں کا تعلق مشرقی پنجاب سے تھا۔ ہجرت کے دوران میں 5 لاکھ مسلمان شہید کیے گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں عورتوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے اغوا کیا۔ حکومت نے ان کی بازیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کی لیکن مکار ہندوؤں نے اس سلسلہ میں عدم تعاون کیا۔

''کوئی قوم بھی مصیبتوں اور قربانیوں کے بغیر آزادی حاصل نہیں کر سکتی اور برعظیم میں رونما ہونے والے حالیہ المناک واقعات

Marfat.com

اس بات کی تصدیق کے لیے کافی ہیں"۔ (قائداعظم 30 اکتوبر 1947ء لاہور)

پاک سرزمین کے اس خطہ میں لاکھوں مسلمانوں کا خون ہزاروں بچوں کی معصوم زندگیاں اور ہزاروں بہنوں کی بے داغ جوانیاں، ہزاروں بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو کی قربانیاں شامل ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ مقدس وطن کی ناموس پر ہم بھی خون کا آخری قطرہ نچھاور کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

یکم اپریل 1948ء کو بھارت نے نہروں کا پانی روک لیا۔ پاکستان کو بھارت سے قیمتاً پانی خریدنا پڑا۔ بھارت نے پاکستان کے حصے کے اثاثے، افواج اور سامان رسد روک لیا، بعد میں چار کھرب کے اثاثوں سے صرف بیس پچیس کروڑ کے اثاثے پاکستان کو ملے۔

قانون آزادی ہند مجریہ 1947ء کے تحت ریاستوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیں۔ بھارت نے فوری فوجی کارروائی کر کے جوناگڑھ کی ریاستی حیثیت ختم کر دی۔

11 ستمبر 1948ء کو بھارت نے حیدرآباد ریاست پر بھی پولیس ایکشن کر کے قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو اس دن دو صدمے برداشت کرنا پڑے۔ بھارت حیدرآباد میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہا تھا تو دوسری طرف قوم کا باپ بھارتی جارحیت سے نجات دہندہ بانی پاکستان قوم کو ہمیشہ کے لیے سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون○

کراچی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جہاں ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔

مسئلہ کشمیر

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغلیہ عہد کا چراغ، چراغ سحری بن کر ٹمٹمانے لگا۔ مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر صوبیدار خودمختار ہو رہے تھے۔ محمد شاہ کے زمانہ میں نادر شاہ نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ 1751ء میں نادر شاہ نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

کابل حکومت اپنے صوبیداروں کے ذریعے کشمیر پر حکومت کرنے لگی۔ 1752ء میں نادر شاہ کے تخت پر احمد شاہ ابدالی جلوہ افروز ہوا۔ اس نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کا ہندو بادشاہی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد تیمور شاہ اس کا جانشین بنا۔ اس کے عہد میں صوبیداروں نے کشمیر میں مظالم کی انتہا کر دی۔

اس کے ایک صوبیدار آزاد خاں نے مظفر آباد کے بمبہ خاندان کو تباہی کے گھاٹ اُتار کر سیکڑوں نعشوں کو دریائے جہلم کی نذر کر دیا۔ پونچھ پہنچا تو پونچھ سات روز تک جلتا رہا۔ آزاد خاں نے اپنے آپ کو مرکز سے بالکل آزاد کر لیا۔ کابل سے اس کو سزا دینے کے لیے مدد خاں کو بھیجا گیا۔ اس نے بغاوت فرو کر کے آزاد خاں کا سر کابل بھیج دیا۔

مدد خاں مظالم میں آزاد خاں سے بھی بڑھ گیا۔ کسی نے ان دونوں کے عہد پر یوں "ظلم آزاد رارسید مدد" روشنی ڈالی۔

تیمور شاہ کے بعد شاہ زمان تخت نشیں کابل پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے پنجاب کو فتح کر کے دہلی کا رخ کیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ اس کے بھائی محمود خاں نے کابل تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ واپس کابل پہنچا لیکن محمود خاں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ تین سال بعد اس کے چھوٹے بھائی شاہ شجاع نے تخت کی بازیابی کے لیے کوشش کی۔ لیکن محمود خاں نے اسے بھی شکست دی۔ شکست خوردہ دونوں بھائی پنجاب پہنچے۔ لیکن شاہ زمان اندھے کی کسی نے مدد نہ کی۔

شاہ زمان نے جب پنجاب پر حملہ کیا تو اس کی چند توپیں دریائے چناب میں گر گئی تھیں۔ رنجیت سنگھ نے نکلوا کر شاہ زمان کو بھیج دیں۔ اس صلہ میں اس نے رنجیت سنگھ کو لاہور کی حکومت بخش دی۔

تیموری حکومت بے جان ہو چکی تھی اس خلا کو پر کرنے کے لیے انگریزوں نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1819ء میں رنجیت سنگھ نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح افغانوں کا 67 سالہ دور ختم ہوا۔ اس دوران میں 28 صوبیداروں نے حکومت کی۔ لیکن اکثر نے کشمیریوں کی زندگی اجیرن کیے رکھی۔

سکھوں کا عہد بھی کشمیریوں کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ کشمیر کی حکومت ٹھیکے پر دی جاتی تھی۔ کشمیری اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے آرٹ کا ہمیشہ دلدادہ رہا ہے۔

Marfat.com

سکھوں نے کشمیریوں کے آرٹ سے لگاؤ کو ختم کرنے کے لیے شال سازی پر 26 فیصد محصول لگا دیا۔

کشمیریوں کی جان کی وقعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی سکھ کسی کشمیری کو قتل کر دیتا تو اسے سولہ روپے جرمانہ کیا جاتا۔ مقتول ہندو ہونے کی صورت میں ورثاء کو چار روپے اور مسلمان ہونے کی صورت میں دو روپے ملتے اور باقی خزانہ میں جمع ہو جاتے۔

سکھوں کے اکثر صوبیدار عیش پرست تھے۔ عیاشی کے لیے روپیا پیسا بھاری ٹیکسوں کے ذریعے حاصل کیا جاتا۔ 1827ء میں دیوان کرپا رام کشمیر کا صوبیدار بنا۔ اس کا دربار بازاری عورتوں سے سجا رہتا۔ جب وہ شکارے پر دریا کی سیر کرتا تو بانجنیں گھونگھرو باندھ کر چپو چلاتیں، اس کی عیاشی اور مظالم سے تنگ آ کر بہت سے قبیلے کشمیر چھوڑ کر پنجاب میں آباد ہوئے۔

کرپا رام کے بعد شیر سنگھ صوبیدار بنا۔ جب وہ پنجاب سے بارہ مولا پہنچا۔ تو سردیوں کا موسم تھا۔ دریائے جہلم پر برف جمی ہوئی تھی۔ شیر سنگھ اڑ گیا کہ وہ سرنگر کشتی پر بیٹھ کر پہنچے گا۔ ہزاروں لوگ بیگار میں پکڑے گئے جنھوں نے دریا سے برف کاٹ کر راستہ بنایا اور سیکڑوں ملاحوں نے کشتی کھے کر شیر سنگھ کو سری نگر تک پہنچایا۔

اس کا جانشین مہان سنگھ نیک دل نڈر اور دلیر صوبیدار تھا۔ اس نے قحط ختم کرنے کے لیے ہندو بنیوں سے اناج نکلوا کر قحط پر قابو پایا۔ بندوں، پلوں اور نہروں کی مرمت کرائی۔ سکھ فوج کو اس کی یہ روش پسند نہ آئی تو انھوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

رنجیت سنگھ کی موت کے بعد کھڑک سنگھ تخت نشیں ہوا لیکن سکھ فوج نے اسے تخت سے اتار کر اس کے پوتے نہال سنگھ کو تخت پر بٹھا دیا۔ چند مہینوں بعد کھڑک سنگھ مر گیا۔ اسے جلانے کے بعد نونہال سنگھ واپس آیا تو چھت گر جانے سے وہ بھی آنجہانی ہو گیا۔

کھڑک سنگھ کی رانی چندر کور نے تخت سنبھال لیا۔ اس کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ نے جموں کے راجا دھیان سنگھ کی مدد سے تخت پر قبضہ کر لیا۔ یہ اڑھائی برس زندہ رہا۔ اس کے بعد اس کے نابالغ بیٹے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھا کر مہارانی جندا اس کی سرپرست

Marfat.com

بن گئی۔ رانی سکھوں کی فوج سے خائف تھی اس لیے اس نے ان کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دیا۔

انگریزوں کے ساتھ جنگ میں سکھوں کو شکست ہوئی۔ انگریزوں سے گفت گو کے لیے رانی جندہ نے جموں کے راجا کو بلایا۔ راجا گلاب سنگھ جان بوجھ کر تاخیر سے پہنچا اس وقت تک سکھوں کو مکمل شکست ہو چکی تھی۔ امرتسر کے مقام پر انگریزوں اور سکھوں کے درمیان گفت وشنید ہوئی۔ سکھوں کی طرف سے گلاب سنگھ نے سفارت کی۔ اسے عہد نامہ امرتسر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں انگریزوں نے ہندوؤں پر ڈیڑھ کروڑ تاوان ڈالا۔ سکھوں کے خزانہ میں روپیا کم تھا اسے پورا کرنے کے لیے کشمیر کا علاقہ 75 لاکھ روپے نانک شاہی میں گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

گلاب سنگھ ڈوگرہ جموں کا راجا تھا۔ یہ پہلے بھمبر کے راجا سلطان کی فوج میں بھرتی ہوا اور وہ وہاں سے تین روپے ماہوار پر رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل ہو گیا۔ گلاب سنگھ بڑا خوبصورت نوجوان تھا۔ جلد ہی اس کی رسائی رنجیت سنگھ سے ہو گئی، اب وہ رنجیت سنگھ کا منظور نظر تھا۔ جب رنجیت سنگھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تو گلاب سنگھ اس کے آگے آگے چلتا۔

جندر کور اور شیر سنگھ کی خانہ جنگی میں دھیان سنگھ جو گلاب سنگھ کا بھائی اور اس وقت جموں کا راجا تھا۔ اس نے شیر سنگھ کا ساتھ دیا۔ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کے بیٹے ہیرا سنگھ نے رانی کا ساتھ دیا۔ رانی کو شکست ہوئی۔ گلاب سنگھ اور ہیرا سنگھ زیر عتاب آئے لیکن دھیان سنگھ نے ان کا قصور معاف کرا دیا۔ جلد ہی سکھ فوج نے دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ کو قتل کر دیا۔ اب گلاب سنگھ جموں کا راجا تھا۔

رانی جندا نے انگریز سکھ جنگ میں گلاب سنگھ کو دعوت دی۔ گلاب سنگھ تاخیر کرتا رہا اور اس وقت پہنچا، جب سکھ فوج ہتھیار ڈال چکی تھی۔ اس جنگ سے گلاب سنگھ نے فائدہ اٹھایا اور عہد نامہ امرتسر میں 75 لاکھ روپے کے عوض کشمیر کا سودا کر لیا۔

ع قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

اس طرح گلاب سنگھ جموں وکشمیر کا مہاراجا بن گیا۔ اس نے چھبال کا علاقہ دھیان سنگھ کے بیٹے جواہر سنگھ اور پونچھ موتی سنگھ کو اس شرط پر دیا کہ وہ اس میں کوئی انتظامی تبدیلی نہیں کریں گے۔ جواہر سنگھ نے گلاب سنگھ کے خلاف بغاوت کر دی۔ گلاب سنگھ نے چھبال پر قبضہ کر کے اسے پونچھ سے الگ کر دیا۔ گلاب سنگھ نے گلگت پر بھی فوج

Marfat.com

کشی کی۔

1857ء میں گلاب سنگھ کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا رنبیر سنگھ تخت نشیں ہوا۔ یہ نرم دل اور علم دوست تھا۔ اس نے مسلمانوں سے پابندیاں کچھ نرم کیں اس نے گلگت کی فتح کو مکمل کیا۔ اس نے 28 برس حکومت کی۔

1885ء میں رنبیر سنگھ کی موت کے بعد اس کا بیٹا پرتاب سنگھ تخت نشیں ہوا۔ انگریزوں نے اسے تخت سے اتارنا چاہا لیکن عوام نے اس سے بھرپور تعاون کیا اور انگریزوں نے اسے تخت واپس کر دیا۔ اس نے جموں اور سرنگر دو کالج قائم کیے۔ راولپنڈی سے سرنگر تک پختہ سڑک بنوائی۔

اس کی نرینہ اولاد نہ تھی اس نے اپنے بھتیجے ہری سنگھ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ ہری سنگھ نے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ یہ ولی عہدی کے زمانہ سے ہی عیش پرست ہو گیا تھا۔ 1925ء میں پرتاب سنگھ لاولد مرا تو ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے مذہبی اور تعلیمی انجمنیں قائم کیں ان میں مسلمانوں کی مذہبی اور تعلیمی حالت کا جائزہ لیا جاتا۔ نوجوان مسلمانوں نے جموں میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن قائم کی اور سری نگر میں مسلم ریڈنگ روم قائم کیا۔ اس میں نوجوان مل بیٹھتے۔ ہندو کے مظالم بھی زیر بحث آتے۔ ان ہی دنوں لاہور کے اخبارات نے کشمیری مسلمانوں کی کس مپرسی کی تصویریں شائع کرنا شروع کیں۔

ہندوؤں نے جموں مساجد میں اردو خطبہ دینے سے روک دیا۔ جموں کے نواح میں عید کی نماز کے وقت ہندوؤں نے حملہ کیا اور مسلمانوں کو منتشر کر دیا۔ جموں میں ایک ہیڈ کنسٹیبل نے ایک مسلمان کنسٹیبل کا بستر اٹھا کر پھینک دیا جس سے پنج سورہ شریف زمین پر گر پڑا۔ اس کے خلاف سری نگر میں جلوس نکالا گیا۔ جلسے سے شیخ محمد عبداللہ نے خطاب کیا۔ مسجد کے اجتماع سے چودھری غلام عباس اور عبدالقدیر پٹھان نے خطاب کیا۔ عبدالقدیر پٹھان کی تقریر اتنی جذباتی تھی کہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے عدالت کے سامنے مسلمان جمع ہوئے تو پولیس نے ان پر گولی چلا دی۔ جب حالات بگڑتے دیکھے تو شیخ عبداللہ اور چودھری غلام عباس کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

راجا ہری کرشن کول وزیر اعظم نے شیخ محمد عبداللہ سے بات چیت کی اور انہیں رہا کر دیا۔ وہ کشمیر کمیٹی سے مشورہ کیے بغیر کسی اعلان کے حق میں نہیں تھے اس لیے انہیں

Marfat.com

دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔

کشمیر میں جگہ جگہ ہنگامے ہوئے۔ مہاراج نے 12 نومبر 1931ء کو گلانسی کمیشن قائم کیا، کمیشن نے مسلمانوں کے مطالبات کو جائز قرار دیا۔ اکتوبر 1933ء میں باشندگان ریاست نے مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اس نے مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ کیا کہ مجلس آئین ساز بنائی جائے جس میں مسلمانوں کو متناسب نمائندگی دی جائے۔ ملازمین اور وزراء بھی تناسب کے لحاظ سے منتخب کیے جائیں۔ حکومت نے یہ مطالبہ منظور کرلیا اور ووٹر کے لیے 600 روپے جائیداد، مڈل تعلیم اور 20 روپے کرایہ مکان ادا کرنے کی شرط رکھی۔ 75 نشستوں میں سے 33 مقابلہ سے 42 نامزدگی سے پر کی جاتی تھیں۔ مسلم کانفرنس نے مقابلہ کی 21 میں سے 19 نشستیں حاصل کرلیں۔

شیخ محمد عبداللہ ہندو مسلم کے واحد لیڈر بننا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ ہری سنگھ کی حکومت کو ختم کرنے کے بعد وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے واحد منتخب نمائندہ ہوں گے۔ اس سوچ کے تحت انھوں نے نیشنل کانفرنس قائم کرلی۔ 1946ء میں شیخ محمد عبداللہ نے 'کشمیر چھوڑ دو' کی تحریک چلائی۔

میر واعظ محمد یوسف اور چودھری غلام عباس مسلمانوں کی نمائندگی چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مسلم کانفرنس کا پرچم بلند کیا۔ 1940ء میں قرارداد لاہور میں مسلم لیگ نے جس مطالبہ پر زور دیا تھا ریاست میں مسلم کانفرنس نے بھی اسی مطالبہ کو دہرایا۔

اگست 1947ء میں جب متحدہ ہندوستان کی تقسیم ہوئی۔ 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان پر ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ ''یوم پاکستان'' منایا۔ سری نگر کی جامع مسجد میں میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کی صدارت میں ایک لاکھ اسلامیان کشمیر نے الحاق پاکستان کا پرزور مطالبہ کیا۔ (آئینہ کشمیر، ص 419)

جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی کے خلاف مہاراجا ہری سنگھ نے 27۔ اکتوبر 1947ء کو ریاست کا الحاق بھارت سے کردیا۔ حالاں کہ ریاستیں قانون آزادی ہند کی رو سے آزاد ہو چکی تھیں، مسلمانوں کے لیے اب جہاد کے بغیر کوئی رستہ نہیں تھا۔ مہاراجا نے مسلمانوں کے اس جذبے کو سرد کرنے اور الحاق پاکستان سے باز رکھنے کے لیے نیشنل

Marfat.com

کانفرنس کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ 2 نومبر 1947ء کو نیشنل کانفرنس نے مہاراجا ہری سنگھ کے زیر سایہ حکومت کا انتظام سنبھال لیا۔

مسلم کانفرنس مہاراجا ہری سنگھ کے عزائم سے بخوبی آگاہ تھی۔ اس لیے مسلح جدوجہد کے سوا کوئی صورت الحاق پاکستان کی نظر نہیں آتی تھی۔ پونچھ، میرپور، کوٹلی اور مظفرآباد کے غیور مسلمان مہاراجا کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مہاراجا نے مسلمانوں سے ہتھیار پہلے ہی ضبط کر لیے تھے۔ اس نے ہندوستان کی مدد طلب کر لی تھی اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا قتل عام کر کے اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے اور پھر الحاق بھارت کی راہیں خود بخود کھل جائیں گی۔

بھارتی فوج ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر اتر گئی اور دوسری طرف مشرقی پنجاب سے بھارتی فوج جموں میں داخل ہوگئی۔ اس نے پاکستان کی سرحد بند کر دی۔ مسلمانوں کو سانبہ، کٹھوعہ، اودھم پور، ریاسی اور جموں میں گاجر مولی کی طرح کاٹا۔ اڑھائی لاکھ مسلمان تہ تیغ ہوئے اور باقی نے کس مپرسی کے عالم میں پاکستان میں پناہ لی۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ابھی چند ماہ ہوئے تھے۔ بھارت نے پاکستان کے حصے کے اثاثے اور سامان رسد روک لیا تھا۔ نئی حکومت کو نئی بنیادوں پر اٹھایا جا رہا تھا۔ ایسے میں بھی پاکستان نے اپنے کشمیری بھائیوں کی بھرپور مدد کی۔ باقاعدہ اور رضاکارانہ فوج کشمیری مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچی اور کشمیری غیور بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑ کر آزاد جموں وکشمیر کا موجودہ خطہ آزاد کرا لیا۔

بھارت کشمیر کو تر نوالہ سمجھتا تھا۔ لیکن اس کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ کشمیری حریت پسندوں نے بھارتی اور ریاستی فوج کو ناکوں چنے چبائے اور وہ دم دبا کر بھاگ نکلی۔ ''24 اکتوبر 1947ء کو جنجال بل پلندری آزاد حکومت قائم کر لی۔ بھارت نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پیش کر دیا کہ کشمیر پر حملہ کیا گیا ہے حملہ آوروں کا انسداد کیا جائے۔ سلامتی کونسل نے بڑی بحثوں کے بعد فیصلہ دیا کہ کشمیر کے مستقبل کے متعلق ریاست کے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لیے ریاست میں آزادانہ رائے شماری کرائی جائے گی۔ بھارت اور پاکستان نے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔''

(آئینہ کشمیر، 177)

قائداعظمؒ 11 ستمبر 1948ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بانی پاکستان کو اتنی

Marfat.com

مہلت نہ ملی کہ وہ مسئلہ کشمیر کو حل کراتے۔ حالاں کہ وہ حصولِ پاکستان کے بعد کشمیر کو اپنی جیب میں سمجھتے تھے۔ قائداعظم یہ بات نہ کہتے اگر اس کا ٹھوس حل ان کے پیش نظر نہ ہوتا۔

ریاست کا الحاق پاکستان سے ناگزیر ہے۔ کشمیریوں نے کبھی یہ خواب نہیں دیکھا کہ پاکستان سے الحاق کے بعد کشمیر میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی۔ لیکن اس کے باوجود کشمیریوں کی اکثریت پاکستان سے الحاق کو ترجیح دے گی۔ کشمیر کے تمام بڑے بڑے دریاؤں کا رُخ پاکستان کی طرف ہے۔ دونوں بڑی شاہراہیں جنھیں کشمیر کی شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ پاکستان کی طرف جاتی ہیں۔ سردیوں کے پورے 4 ماہ درہ بانہال برف سے اٹ جاتا ہے اور اس عرصے میں وادی کشمیر بیرونی دنیا سے بالکل کٹ جاتی ہے لیکن اس کے برعکس پاکستان سے ملحق سڑکیں سارا سال کھلی رہتی ہیں''۔ (آئینہ کشمیر، ص416)

سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے کشمیر کمشن بھیجا جو 6 جولائی 1948ء کو کراچی پہنچا۔ اس نے کشمیر کے لیے ایک متحدہ وزارت بنانے کی سفارش کی، جسے ہندوستان نے نامنظور کیا اور ہندوستان نے کشمیر سے فوجیں نکالنے سے بھی انکار کر دیا۔ جولائی 1949ء میں خط متارکہ جنگ پر حکومت ہندو پاکستان کا اتفاق ہو گیا۔

سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے 1949ء میں جنرل میکنائن اور 1950ء میں ڈاکٹر گراہم کو بھیجا تاکہ رائے شماری کے انتظامات کیے جائیں لیکن بھارت ہمیشہ ٹالتا رہا۔ 1953ء میں دونوں وزرائے اعظم کی ملاقاتیں ہوئیں اور اس مسئلے کو باہمی گفت وشنید کے ذریعے طے کرنے کے عزم کا اظہار کیا گیا۔ مگر مارچ 1956ء میں بھارت نے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہنا شروع کر دیا۔

1965ء میں کشمیریوں نے ایک بار پھر اپنا حق خوداختیاری حاصل کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ بھارت نے نہ صرف کشمیر بل کہ پاکستان کے علاقے لاہور، سیالکوٹ اور راجستان پر چڑھائی کر کے بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی کی۔ پاکستان نے اپنے علاقے کی حفاظت میں بھارت کی فوجوں کو عبرت ناک سبق سکھایا۔ ادارہ اقوام متحدہ بھی حرکت میں آگیا، جنگ بند ہو گئی اور روسی وزیراعظم کی دعوت پر صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور وزیراعظم بھارت مسٹر لال بہادر شاستری کے

Marfat.com

تاشقند میں مذاکرات ہوئے اس بات پر اتفاق ہوا کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور پُرامن طریقوں سے حل کیا جائے گا۔

1971ء میں آنجہانی اندرا گاندھی نے مسئلہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کے لیے مشرقی پاکستان حملہ کر دیا۔ اور پاکستان کا ایک بازو کاٹ کر بنگلا دیش بنا دیا۔ دونوں حکومتوں کے مابین شملہ معاہدہ ہوا۔ جس میں جموں وکشمیر کی عارضی سرحدوں کو کنٹرول لائن کا نام دیا گیا۔ اتنی جنگوں کے باوجود ابھی تک کشمیر کا فیصلہ مستقبل کا منتظر ہے۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ یوں رقمطراز ہیں:

> ''نہ روس کی طرف سے آپ کو کوئی مدد ملنی ہے نہ امریکا کی طرف سے، نہ برطانیا کی طرف سے اور نہ اقوام متحدہ کی طرف سے، ہر طرف سے نظریں ہٹا کر ایک خدا کے بن جایئے اور خدا کے بھروسے پر اپنے دست و بازو سے اس مسئلے کو حل کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یہی آخری اور صحیح راستہ ہے''۔

(مسئلہ کشمیر، ص 102)

☆

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

پاکستان معرض وجود میں

پاکستان کا مطالبہ مسلمانوں کا جذباتی فیصلہ نہیں تھا بل کہ اس کے پیچھے صدیوں کا تجربہ کارفرما تھا۔ دونوں قوموں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صدیوں سے اکٹھے رہنے کے باوجود دو مختلف ثقافتیں پروان چڑھتی رہیں۔ گزشتہ دو صدیوں سے تیسری قوم بھی اس سفر میں شریک ہو گئی تھی۔ اس نے بھی مسلمانوں کے قومی تشخص کو مٹانے کے لیے ہندو کا ساتھ دیا۔ مگر مسلمانوں کے دین محکم نے انھیں ہر آزمائش و ابتلاء سے بچا کر ایک الگ وطن تک پہنچا دیا۔ مطالبہ پاکستان کے مندرجہ ذیل محرکات تھے۔

1۔ دوقومی نظریہ۔ 2۔ بقا کی جنگ۔
3۔ انگریز حکمرانوں کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک۔
4۔ اُردو ہندی تنازعہ۔ 5۔ سرسید احمد خاں کی راہنمائی۔
6۔ جداگانہ انتخابات۔ 7۔ کانگرس کی مسلم دشمنی۔
8۔ تقسیم بنگال کی مخالفت۔ 9۔ جداگانہ حق انتخابات۔
10۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام۔ 11۔ تحریک خلافت۔
12۔ ہندو فرقہ وارانہ جماعتیں۔ 13۔ ہندو مسلم فسادات۔
14۔ مسلمانوں کے حقوق کی مخالفت۔ 15۔ معاشی مشکلات۔
16۔ کانگرسی وزارتوں کے اثرات۔ 17۔ آزادی کی تمنا۔
18۔ اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش۔ 19۔ عالم اسلام کے اتحاد کی خواہش۔
20۔ جغرافیائی وحدت۔ 21۔ بانی پاکستان۔

Marfat.com

1۔ دوقومی نظریہ:-

ہندوستان میں جتنی بھی حملہ آور اقوام وارد ہوئیں وہ ہندوؤں سے مل کر اپنا قومی تشخص کھو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں سے قبل یہاں سب ہندو تھے۔ مسلمان اپنے ساتھ پائیدار ثقافت اور مستحکم دین لے کر آئے تھے جس نے انھیں من حیث القوم زندہ رکھا اور وہ اس الگ تشخص کی وجہ سے جداگانہ حیثیت قائم رکھ سکے۔ اسی بنیاد پر قائداعظم نے کہا تھا کہ ''اسلام اور ہندومت'' دو متضاد نظام ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں، سماجی رسم و رواج اور ادبیات سے ہے۔ نہ ان کے درمیان باہم شادیاں ہوتی ہیں۔ نہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں ایسی تہذیبوں کے پیرو ہیں جن کی بنیاد متصادم خیالات اور تصورات پر ہے۔ ان کے رزمیات، مشاہیر اور تواریخ مختلف ہیں۔ اکثر ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہے۔ ایک کی فتح دوسرے کی شکست ہے''

2۔ بقا کی جنگ:-

مسلمانوں نے برعظیم میں صدیوں حکومت کی مگر جنگ آزادی 1857ء نے ان کے اقتدار کے چراغ کو گل کر دیا اور اس طرح وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ اس کے بعد انھیں احساس ہوا کہ وہ ہندوؤں کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں۔ انھیں اپنی بقا کے لیے ہندوؤں اور انگریزوں سے جنگ لڑنا ہوگی۔

بقا کی جنگ کے لیے سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے انھیں علم کے ہتھیار سے آراستہ کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان سرسید احمد خاں کی وفات 1898ء تک علم کے میدان میں سنبھل چکے تھے۔ مسلمانوں نے 1906ء میں شملہ وفد میں جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا جو 1909ء میں انڈین ایکٹ میں تسلیم کر لیا گیا۔ 1913ء میں قائداعظم اس کارواں کے رہنما بنے تو انھوں نے مسلمانوں کی بقاء کی قانونی جنگ لڑی۔ میثاق لکھنو 1916ء میں کانگرس سے جداگانہ انتخاب کے حق کو تسلیم کرا لیا گیا۔

نہرو رپورٹ کے مقابلے میں چودہ نکات پیش کیے اور اس طرح انگریز کے بنائے ہوئے قانون سے ہی آزادی کی جنگ لڑ کر پاکستان تک پہنچنے میں

Marfat.com

کامیاب ہوئے۔

3۔انگریز حکمرانوں کا مسلمانوں سے سلوک:۔

مسلمانوں نے صدیوں برعظیم پر حکومت کی لیکن انگریز نے ایسی چال چلی کہ وہ زوال پذیر ہو کر رہ گئے۔ 1857ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کو اقتدار سے الگ کر دیا۔ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے وہ مسلمانوں سے خائف تھا۔ اس نے مسلمانوں پر زیست کے سارے دروازے بند کرنے کی کوشش کی۔ ہندوؤں کو ان سے آگے بڑھایا۔ ہندوؤں نے انگریز کی شہ پا کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے اس خطے میں سمٹنے کی کوششیں شروع کر دیں جو مسلمانوں کے آمد سے مسلم اکثریت کا خطہ تھا۔ مسلمانوں نے اپنی بقا اسی میں سمجھی کہ بے اصول، متعصب اور تنگ نظر ساجھی سے اپنا حصہ الگ کر لیا جائے۔ ہندو اور انگریز نے مسلمانوں کو ان کے حصے سے محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مسلمانوں نے اپنی یکجہتی سے ہندوؤں کو ناکوں چنے چبوائے اور قائداعظم نے انگریز کے بنائے ہوئے قانون سے قانونی جنگ جیتی اور بالآخر 14 اگست 1947ء کو الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

4۔اُردو ہندی تنازعہ:

ہندوؤں کی نیت 1867ء کے اُردو ہندی تنازعے میں کھل کر سامنے آگئی۔ مغلوں کی آمد کے وقت ہندوستان میں کئی مقامی بولیاں بولی جاتی تھیں۔ مغل خود ترک تھے۔ ان کی فوج میں افغانی، ایرانی اور ترک سپاہی تھے جو فوجی چھاؤنیوں میں ہندو سپاہیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اس طرح سب زبانوں کے اختلاط سے ایک لشکری زبان نے جنم لیا۔ جسے اُردو یعنی لشکری زبان کا نام دیا گیا۔ اُردو زبان نے برعظیم میں جنم لیا اس نے پنجابی اور ہندی کا دودھ پیا اور افغانی، ایرانی اور ترکی کی گود میں پل کر جوان ہوئی لیکن ہندو کے تعصب اور تنگ نظری کے کیا کہنے کہ انھوں نے 1867ء میں اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اس کی جگہ ہندی کو رائج کرنے کا نعرہ بلند کر دیا۔ کانگرس نے اپنے دور حکومت میں اُردو کو دیس نکالا دینے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے لیے اردو

Marfat.com

زبان کی بقا بہت اہمیت رکھتی تھی۔ کیوں کہ مسلمانوں کا علمی، ادبی اور مذہبی ورثہ اسی زبان میں محفوظ تھا۔ مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ہندوؤں کے اقتدار میں ان کے وجود کی طرح ان کی زبان بھی محفوظ نہیں ہے لہٰذا ایک الگ وطن حاصل کیا جائے جس میں ان کی زبانی رانی بن کر علم وادب کو فروغ دے۔

5۔ سرسید احمد خاں کی رہنمائی:

سرسید احمد خاں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دلھن کی دو خوب صورت آنکھیں کہا کرتے تھے لیکن ہندوؤں نے اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اسے ہندوستان سے دیس نکالا دینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس طرح سرسید احمد خاں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو آج مسلمانوں کی زبان کو برداشت نہیں کر رہے کل وہ ہندوستان کو مسلمانوں کے وجود سے بھی خالی کرنے کی کوششیں کریں گے۔ انھوں نے مسلمانوں کو کانگرس سے الگ رہنے کی تلقین کی تاکہ وہ متحدہ قومیت سے اپنا قومی تشخص کھو نہ دیں۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو دوقومی نظریے کے تحفظ کے لیے آئندہ جو جنگ لڑنا تھی، اس کی تیاری میں لگا دیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ہندوؤں کے مقابلے کے لیے وہ اس میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ بخوبی کرے گی۔ البتہ انگریز کی چالوں کا مقابلہ علم کی طاقت سے ممکن ہوگا۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف لگا دیا۔ علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھ کر اس کی ابتدا کر دی اور برعظیم کے دوسرے حصوں میں بھی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی۔

6۔ جداگانہ تشخص:

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں سے احساس کمتری اور احساس محرومی کو دور کرنے کے لیے تعلیم کا نسخہ تجویز کیا۔ اس سے مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی۔ مسلمان جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے مل کر مسلمانوں کو ایسے چرکے لگائے کہ انھوں نے منتشر ہونے کے بجائے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

مسلمانوں میں جداگانہ تشخص اُجاگر کرنے میں سرسید احمد خاں کی خدمات بڑی اہم ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو سیاست سے الگ رکھ کر سنبھلنے کا موقع دیا۔ انھوں

Marfat.com

نے مسلمانوں میں قومی سوچ اور ملت کے جذبے کو ابھارا اور اس طرح وہ کانگرس کے متحدہ قومیت کے فریب میں آنے سے بچ گئے۔ اسی جداگانہ تشخص کی بنیاد پر انھوں نے جداگانہ انتخابات کا حق حاصل کیا اور اسی تشخص کے بل بوتے پر علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

7۔ کانگرس کی مسلم دشمنی:

کانگرس دعویٰ تو متحدہ قومیت کا کرتی تھی اور اسے ہندوستان کے سب طبقوں کی نمائندگی کا زعم تھا۔ لیکن کانگرس پر فرقہ پرستوں کا غلبہ تھا۔ کانگرس اپنے زبانی دعووں کے باوجود اپنی اصلیت کو نہ چھپا سکی۔ سر سائمن نے اپنی رپورٹ میں اس بات کا اعتراف کیا کہ جمہوریت کا مطالبہ کرنے والی سب سے بڑی جماعت انڈین نیشنل کانگرس دراصل ایک مذہبی جماعت ہے جس نے سیاست کا روپ دھار رکھا ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دے رہی ہے۔"

کانگرس کی مسلم دشمنی اس وقت کھل کر سامنے آئی۔ جب 1937ء میں کانگرس کو اقتدار ملا۔ اس نے مسلمانوں پر قافیہ حیات تنگ کر دیا۔ اس کانگرس کا اصل روپ مسلمانوں کے سامنے آگیا اور وہ کانگرس کی حکمت عملی "بغل میں چھری منہ میں رام رام" سے چوکنا ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور مسلم لیگ ایک فعال جماعت بن گئی۔

8۔ تقسیم بنگال کی مخالفت:

1905ء میں انگریز نے انتظامی اغراض کی بنا پر بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نئے صوبے مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ اس سے توقع ہو چلی تھی کہ مسلمان اپنے پاؤں پر جلد کھڑے ہو جائیں گے اور ماضی میں جو اس علاقے کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی لیکن ہندوؤں کو مسلمانوں کا یہ فائدہ زہر لگنے لگا۔ کانگرس نے اس مسئلے کو کل ہند مسئلہ بنا دیا۔ اس طرح مسلمانوں پر ہندوؤں کا تعصب اور نفرت کا احساس ہوا اور کانگرس کا متحدہ قومیت کا نعرہ بھی مسلمانوں پر آشکار ہو گیا۔ ہندوؤں نے تقسیم بنگال کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیا اور آخر 1911ء

Marfat.com

میں تقسیم بنگال کو منسوخ کرا کے چھوڑا۔ لیکن تقسیم بنگال کی مخالفت نے ہندوؤں کی مسلم دشمنی واضح کر دی اور تقسیم کی فیوض و برکات سے بھی مسلمان آگاہ ہو گئے اور انھوں نے تقسیم ہند کا مطالبہ کر دیا۔

9۔ جداگانہ حق انتخابات:

تقسیم بنگال کے بعد 1906ء میں مسلمانوں کا شملہ وفد لارڈ منٹو سے ملا اور جداگانہ انتخابات کے لیے بات کی۔ لارڈ منٹو نے مسلمانوں کی ماضی کی شاندار روایات کے پیش نظر انھیں جداگانہ حق انتخاب دلا دیا۔ اس طرح مسلمان جو اپنا الگ تشخص قائم رکھے ہوئے تھے اسے انگریز نے اصولی طور پر تسلیم کیا۔

قائداعظم نے میثاق لکھنؤ میں کانگرس سے بھی جداگانہ انتخابات کا حق تسلیم کرا کے دوقومی نظریے کی توثیق کرا دی۔ آئندہ اسی دوقومی نظریے پر چل کر مسلمانوں نے برعظیم کو دو مملکتوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ کانگرس نے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے لیے شیشے میں اتارنے کی ان تھک کوششیں کیں لیکن دوقومی نظریے کی حقیقت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور آخر کار 14 اگست 1947ء کو متحدہ قومیت کا بت پاش پاش ہو گیا۔

10۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام:

1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ کانگرس نے مسلم لیگ کی مخالفت شروع کر دی۔ کانگرس نے متحدہ قومیت کے لیے اپنے پر پھیلا دیے اور سارے ہندوستانیوں کو اس کے پروں تلے آنے کی دعوت دی۔ کانگرس نے مسلم لیگ کی آواز کو دبانے کے لیے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ شروع میں مسلمانوں کو کانگرس سے دھوکا ہوا لیکن جلد ہی مسلمان رہنما اور رہزن میں فرق کرنے لگے۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے کانگرس کے تعصب کے باوجود حصول آزادی کے لیے کانگرس سے اتحاد کی کوششیں کیں۔ میثاق لکھنؤ دونوں جماعتوں کے درمیان ایک حقیقت پسندانہ معاہدہ تھا۔ لیکن جلد کانگرس نے اسے ٹھکرا دیا اور اکثریت کی آڑ میں مسلمانوں کے وجود سے کانگرس نے چشم پوشی کر لی اور پھر اس نے فطری متعصبانہ انداز کو

Marfat.com

اپنا لیا۔ کانگرس اگر میثاق لکھنؤ پر قائم رہتی تو مسلمانوں کو تقسیم ہند کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

11۔تحریک خلافت:

تحریک خلافت خالص مسلمانوں کی تحریک تھی جس کا مقصد ترکی میں مسلم خلافت کو اتحادیوں سے بچانا تھا۔ کانگرس بھی خیر سگالی کی جذبے سے اس میں شریک ہو گئی۔ کانگرس نے تحریک خلافت کے ساتھ تحریک عدم تعاون کا آغاز کر دیا۔ اس طرح یہ خیال کیا جانے لگا کہ ہندو مسلم اتحاد سے انگریز کو برعظیم سے نکالنا آسان ہو جائے گا۔ لیکن گاندھی جی نے تحریک عدم تعاون کو اس وقت ختم کر دیا جب کہ تحریک خلافت کامیابی سے ہمکنار ہونے والی تھی۔ کانگرس یہ سوچ رہی تھی کہ تحریک خلافت کے کامیاب ہو جانے سے ہندوؤں کو کیا فائدہ پہنچے گا"۔

تحریک خلافت ناکام ہو گئی لیکن ہندوستان میں مسلم سیاست پر اپنے گہرے نقوش چھوڑ گئی۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا کرنے اور قوم کے لیے قربانیاں دینا سکھایا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کی سیاسی تربیت کی جس کے بل بوتے پر انھوں نے آزادی کی جنگ لڑ کر اپنے لیے علیحدہ وطن حاصل کیا۔

12۔ ہندو فرقہ وارانہ جماعتیں:

کانگرس سب سے بڑی فرقہ وارانہ جماعت تھی لیکن اس نے سیاست کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلنے کے بجائے شدھی اور سنگھٹن جیسی مسلم دشمن تحریکوں کا آغاز کر کے مسلمانوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی راہ اپنالی۔ ان تحریکوں کا مقصد برعظیم سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا تھا۔ ہندو مسلمانوں کو رام راج قائم کرنے میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی علم تھا کہ رام راج کا قیام ان کے لیے موت کا پیام ہے۔ ہندو برطانوی راج کی لگام میں بے قابو ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور اگر اسے رام راج کی قوت بھی مل گئی تو وہ مسلمانوں کا برعظیم میں جینا دوبھر کر دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے ہندو کی ہر چال کا توڑ کیا۔ ہندو اگر فراخ دلی سے کام لیتا اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلتا تو آزادی کی منزل قریب ہو جاتی اور انگریز کو بہت پہلے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ہندوستان کو خالی کرنا پڑتا۔

Marfat.com

13۔ ہندو مسلم فسادات:

ہندو تنگ نظر تھا ہی لیکن اسے انگریز کی مسلم دشمنی سے بڑی شہ ملی۔ رہی سہی کسر انتہا پسند ہندو تحریکوں اور جدید ہندو ادب نے پوری کر دی جس کے نتیجے میں ہندو مسلم فسادات روزمرہ کا معمول بن کر رہ گئے۔

تنگ نظر اور متعصب ہندوؤں کے دور اقتدار میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت، پر جس طرح یلغار کی گئی اس سے مسلمانوں کا بحیثیت قوم وجود خطرے میں پڑ گیا۔ انسداد گاؤ کشی، مسجد کے سامنے بینڈ باجے بجانے کی وجہ سے دونوں قوموں کے درمیان خون ریز تصادم ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کو فکر لاحق ہوتی کہ انھیں زندگی کے ہر شعبے میں ہندوؤں کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑ رہی ہے لہٰذا ہندوؤں سے محفوظ رہنے کے لیے علیحدہ وطن کی ضرورت ہے۔

14۔ مسلمانوں کے حقوق کی مخالفت:

مسلمانوں کو تقسیم بنگال 1905ء سے کچھ فوائد ضرور ہوئے تھے لیکن ہندوؤں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور کانگرس نے اسے بنگال سے اٹھا کر کل ہند مسئلہ بنا دیا۔ مسلمانوں کو 1909ء کے انڈین ایکٹ میں جداگانہ انتخابات کا حق ملا اور اس حق کے استعمال سے مسلمان اپنے نمائندے منتخب کرنے لگے جو وائسرائے کی کونسل میں پہنچ کر مسلمانوں کے حقوق کی بات کرنے لگے۔ کانگرس نے بھی مسلمانوں کو اس حق سے دست بردار ہونے کے لیے دباؤ ڈالنے لگی۔ مسلمان اتحاد کی خاطر تجاویز دہلی میں جداگانہ انتخاب کے حق سے بھی دستبردار ہو گئے اور نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے حقوق کو یکسر نظر انداز کر کے اپنی راہیں الگ کر لیں۔

برعظیم کی تاریخ میں کانگرس نے اپنی وزارتوں کے دوران میں جس طرح مسلم حقوق کو پامال کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ترنگا پرچم کو قومی پرچم اور بندے ماترم کے ترانے کو قومی ترانہ قرار دے کر جس طرح مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے کھیلا گیا اس کی کوئی نظیر نہیں۔ مسجدوں کے سامنے باجے بجائے گئے۔ مسلمانوں کے تہواروں پر ان کا خون بہایا گیا۔ ذبیحہ گاؤ کا سہارا لے کر مسلمانوں کو قید و بند میں ڈالا گیا۔ گویا

Marfat.com

معاشی، معاشرتی اور مذہبی طور پر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس سے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا حصول ناگزیر ہو گیا ہے۔

15۔ معاشی مشکلات:

انگریز نے مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ تجارت پر پہلے ہی انگریز قابض تھا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اس نے مسلمانوں کی دست کاریوں پر بھی کاری ضرب لگائی۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیے۔ ہندو انگریز کی سرپرستی میں آہستہ آہستہ صنعت و حرفت اور تجارت پر چھا گئے۔ کیوں کہ ہندو تعلیم میں مسلمانوں سے بہت آگے تھے اس لیے وہ سرکاری ملازمتوں پر قابض ہو گئے۔

16۔ کانگرسی وزارتوں کے اثرات:

کانگرسی وزارتوں کے دوران میں ہندو ذہنیت مسلمانوں پر عیاں ہو گئی۔ ہندو مسلمانوں سے مسلم دورِ اقتدار کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ کانگرس نے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اگر انگریز یہاں موجود نہ ہوتا تو ہندو مسلمانوں کے ہر نقش قدم کو مٹا ڈالتا۔ مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ انگریز کی موجودگی میں کانگرس وزارتیں یہ گل کھلا رہی ہیں اور اگر کانگرس مغربی جمہوریت سے اکثریت کے بل بوتے پر اقتدار پر قابض ہو گئی تو مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دے گی۔ مسلمانوں نے کانگرس کے اقتدار کو قابو میں لانے کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔

کانگرس وزارتوں کے دور میں مسلمانوں سے جو سلوک روا رکھا گیا اس سے مسلمانوں کو اندازہ ہو گیا کہ انگریز کے ملک چھوڑنے کے بعد ان کا کیا حشر ہو گا۔ لہذا انھوں نے اپنے لیے ایک علاحدہ ملک کا مطالبہ کیا۔

17۔ آزادی کی تمنا:

انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے لیکن انسان نے ہی انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ اسلام غلامی کی زنجیروں کو توڑتا ہے اور آزادی کا درس دیتا ہے۔ ہندو اتنا تنگ نظر ہے کہ اس نے اچھوتوں کو ہریجن تو تسلیم کر لیا لیکن اعلیٰ نسل ہندوؤں کے ہم

Marfat.com

پلہ کبھی بھی نہیں سمجھا۔
مسلمان برعظیم میں صدیوں سے حکمران رہا ہے اس لیے حکمرانی کی تمنا ہمیشہ ان کے دلوں میں موج زن رہی۔ اگر ہندو صلح و آشتی کا ثبوت دیتا تو شاید مسلمان ماضی کو اپنے ذہن سے کھرچ دیتے لیکن ہندو کے تعصب نے بیتے ہوئے دنوں کی حسین یادیں ان کے دل و دماغ میں تازہ رکھیں اور آزادی کی تمنا ان کے دلوں میں موج زن رہی۔

18۔اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش:

مسلمانوں نے صدیوں برعظیم پر حکومت کی، اس لیے ان کے دلوں میں اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش کبھی ختم نہیں ہوئی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نے مسلمانوں کی اس خواہش کو محو کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے آگے بڑھایا تاکہ ان کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر دوبارہ اقتدار حاصل نہ کر سکیں۔
ہندوؤں نے بھرپور کوشش کی کہ مسلمان اقتدار کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں۔ انگریز وائسراؤں نے تقسیم کو ناممکن بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو اپنے وجود کا احساس دلایا اور انگریز سے قانون کی زبان میں بات کی۔ اس طرح دونوں کو برعظیم کی تقسیم پر جھکنے پر مجبور کر دیا۔

19۔عالم اسلام کے اتحاد کی خواہش:

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ وہ پاکستان سے خائف نہیں بل کہ اس کے ساتھ جو دنیائے اسلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ اسے ایک عظیم قوت بنا دے گا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے خلافت کے لیے جو بے پناہ قربانیاں دی تھیں اس سے کانگرس بے خبر نہیں تھی۔ کانگرس جانتی تھی کہ اگر مسلمان برعظیم میں اپنی آزاد مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ دنیائے اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن جائے گا۔ اس کی بدولت دنیائے اسلام اتحاد و یگانگت کے رشتے میں منسلک ہو کر مسلم دشمن قوتوں کے لیے فرشتہ اجل ثابت ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو تقسیم ہند کو گاؤ ماتا کی تقسیم کہ کر اسے مقدور بھر ٹالنے کی تگ و دو میں لگا رہا اور جب مجبور ہو گیا تو پھر تقسیم ہند پر راضی

Marfat.com

ہوا۔ اور آج تک اکھنڈ بھارت کی اُمیدیں لگائے بیٹھا ہے۔

20۔ جغرافیائی وحدت:

جس خطے میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ یہ حصہ ہمیشہ سے بقیہ ہندوستان سے ممتاز اور مختلف رہا ہے۔ اس خطے میں دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا بہتے ہیں۔ ان دریاؤں کا بہاؤ، ہندوستان کے باقی دریاؤں کے بہاؤ سے مختلف ہے یہاں کے باشندے رنگ، نسل، رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت میں بقیہ ہندوستان کے باشندوں سے ممتاز و یگانہ ہیں۔ اس خطے میں مسلمان ہمیشہ کثرت میں رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہی مسلم ثقافت کے لیے ہے۔ اس خطے کی جغرافیائی وحدت تقاضا کرتی تھی کہ مسلم تہذیب و ثقافت یہاں پروان چڑھے۔ اس خطے کی بود و باش نے یہاں کے باشندوں کو ایک خاص مزاج سے نوازا ہے جو باقی ہندوستان سے مختلف ہے۔ اسی کے پیش نظر مسلمانوں نے اس خطے کا پاکستان کے لیے انتخاب کیا۔

............☆☆............

Marfat.com

اُنتیسواں باب

بانی پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح وہ نابغہ روزگار تاریخ ساز ہستی ہیں۔ جن کی ان تھک محنت، مسلسل جدوجہد اور پرخلوص قیادت سے برعظیم میں اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی۔ آپ نے برطانوی حکومت، کانگرس اور مسلم نیشنلسٹ گروہ سے نبرد آزما ہو کر مسلمانانِ ہند کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کیا اور بڑی جرأت اور استقلال سے اس قافلے کو اپنی منزل ''پاکستان'' تک پہنچایا۔

قائداعظم نے آزادی کی جنگ میں ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری کا مقابلہ جرات اور استقلال سے کیا۔ انگریز سے آزادی کی جنگ قانون کے دائرے کے اندر رہ کر لڑی اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی خود فریبی کو آشکار کر کے انھیں مسلمانوں کے راستے میں روڑہ بننے سے باز رکھا۔ اس طرح دو قومی نظریہ پر گامزن رہ کر منزل مراد پاکستان تک پہنچے۔

قائداعظم نے آزادی کی زندگی اور حصول پاکستان کا سفر کس طرح طے کیا اس کا جائزہ یوں ہے۔

ابتدائی زندگی:

محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی کے معروف تاجر خواجہ پونجا جناح کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سندھ مدرسۃ الاسلام میں پائی۔ سولہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن روانہ ہوئے۔ 1892ء میں آپ لندن پہنچے اور لنکن ان ''Lincolnsinn'' میں داخلہ لیا۔ رئیس احمد جعفری ''قائداعظم اور ان کا عہد'' میں لکھتے ہیں۔ ''لنکن ان کے دروازے پر دنیا کے عظیم قانون سازوں کی فہرست میں حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک سرفہرست تھا۔ اس لیے محمد علی جناح نے اس کا انتخاب

Marfat.com

کیا۔"

انگلستان کی آزاد فضا نے محمد علی جناح کو اپنی ذہانت اور قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع دیا اور جلد ہی آپ انگلستان کے طلبہ برداری میں مقبول ہو گئے۔ آپ نے انگلستان میں ہندوستانی طلبہ کو منظم کیا اور انڈیا لیگ کی بنیاد رکھی۔ اس دوران میں دادا بھائی نوروجی نے برطانوی دارالعوام کی ایک نشست کے لیے انتخاب لڑا تو قائداعظم نے ان کے ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ 1896ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے واپس آ گئے۔ کراچی میں وکالت شروع کی لیکن یہاں کامیابی نہ ہوئی تو آپ 1897ء میں بمبئی چلے گئے۔ بمبئی میں بھی اس نوجوان کو تین سال تک کوئی مقدمہ نہ ملا۔ یہ نوجوان باقاعدگی سے اپنے دفتر جاتا اور قانون کا مطالعہ کرتا۔ آپ کا یہ عرصہ نہایت سخت دقت میں گزرا۔ 1900ء میں تین ماہ کے لیے آپ کو پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا اور اس سے آپ کی ذہانت اور قابلیت کا شہرہ ہوا اور آپ کا شمار چوٹی کے وکلا میں ہونے لگا۔

قائداعظم میدان سیاست میں:

دادا بھائی نوروجی (Dada Bhai Naoroji) معروف سیاست دان تھے۔ وہ قائداعظم کی خداد صلاحیتوں سے انگلستان میں ہی واقف ہو چکے تھے۔ 1905ء میں کانگرس کے صدر دادا بھائی نوروجی نے قائداعظم کو اپنا سیکرٹری بنایا اور آپ اسی حیثیت سے 1906ء میں بمبئی کی مسلم نشست پر مرکزی کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ اس دوران میں اوقاف کے بل کو قانونی حیثیت دلوائی۔ ابتدائی تعلیم کے مسودے اور ہندوستانی جہاز رانی کے ترمیمی مسودہ قانون پر اپنے دلائل سے اپنی شخصیت کا لوہا منوایا۔

لندن وفد:

1914ء میں کانگرس کی طرف سے ایک وفد لندن گیا۔ اس وفد کا مقصد انگلستان کی پارلیمنٹ سے تبادلہ خیال کر کے اصلاحات کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا۔ محمد علی جناح اس وفد کے قائد اور ترجمان تھے۔ آپ نے انڈیا کونسل کی اصلاح کا مسئلہ

Marfat.com

بڑے حسن تدبر اور مہارت سے پیش کیا۔

ہوم رول لیگ:

مسز اینی بیسنٹ نے ہوم رول لیگ شروع کی۔ محمد علی جناح نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے ہوم رول لیگ کے ممبران کے بارے میں ہتک آمیز الفاظ کہے اس پر قائداعظم نے بڑی جرات اور بے باکی سے گورنر پر تنقید کی۔

مسٹر گاندھی ہوم رول لیگ کے قائد بنے تو اس کا نام تبدیل کر کے سوراج سبھا رکھ دیا اور اس کے پروگرام میں بھی تبدیلیاں کیں۔۔ اس پر محمد علی جناح اس تحریک سے الگ ہو گئے۔

امپیریل کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ:

جنگ عظیم اول کے بعد حکومت نے مزید اصلاحات نافذ کرنے کے بعد ہندوستان کو رولٹ ایکٹ کا تحفہ دیا۔ اس پر جناح نے یہ کہہ کر: ''رولٹ ایکٹ کی منظوری اور اس پر آپ کی مہر تصدیق نے عوام کو برطانوی انصاف سے برگشتہ کر دیا ہے لہذا میں آپ کے اس فیصلے کے خلاف بطور احتجاج امپیریل کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ ان حالات میں کوئی بھی خوددار آدمی حکومت سے تعاون نہیں کر سکتا''۔

مسلم لیگ میں شمولیت:

مسلم لیگ 1906ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت سے محمد علی جناح اس کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ 1913ء میں مسلم لیگ نے اپنے مقاصد میں تبدیلی اور ہندوستان کے لیے خود اختیاری کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اس سال قائداعظم مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کی ترغیب پر مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ اس طرح آپ

ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں کانگرس اور مسلم لیگ کے رکن بن گئے۔ قائداعظم نے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے دونوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے سالانہ اجلاس بہ یک وقت ایک ہی جگہ منعقد کریں۔ اس طرح دسمبر 1915ء میں دونوں جماعتوں کے اجلاس بمبئی میں منعقد ہوئے اور دونوں جماعتوں نے آئینی

Marfat.com

اصلاحات کی ایک متفقہ سکیم تیار کرنے کے لیے کمیٹیاں مقرر کیں۔ اگلے سال دسمبر 1916ء میں دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوئے اور اس میں دونوں جماعتوں نے اس سکیم کو منظور کر لیا۔ اسے میثاق لکھنؤ یا معاہدہ لکھنؤ (Lakhnow Pact) کہا جاتا ہے۔ آپ کی ان کوششوں کے اعتراف میں سروجنی نائیڈو نے آپ کو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا۔

قائداعظم کی قانونی جنگ:

قائداعظم تشدد آمیز سیاست کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس سے قیمتی جانوں کا ضیاع اور قومی املاک کا نقصان ہوتا ہے۔ آپ نے ہمیشہ قانونی جنگ لڑی اور اس میں ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ایک بار بھی جیل نہیں گئے۔ آپ کو کانگرس کی تحریک عدم تعاون سے اتفاق نہیں تھا۔ کیوں کہ آپ کے خیال میں اس کا نتیجہ بدنظمی اور انتشار کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ لہذا آپ نے 1920ء میں کانگرس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

تجاویز دہلی:

تحریک خلافت کے بعد ہندو مسلم اختلافات نے شدت اختیار کر لی۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ اس کشیدگی کی وجہ مسلمانوں کا حق جداگانہ انتخابات ہے۔ نہرو نے 1927ء میں مرکزی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے دوران میں ایک ملاقات میں قائداعظم سے کہا کہ اگر مسلم لیگ جداگانہ انتخابات سے دست بردار ہو جائے تو وہ مسلمانوں کے باقی مطالبات کانگرس سے منوالیں گے۔

قائداعظم نے تجاویز دہلی پیش کیں اور جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے اور اس طرح مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی لیکن کانگرس اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی۔ کانگرس نے قائداعظم کے اتحاد کی کوششوں کو بزدلی اور کمزوری خیال کیا اور نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کو مدمقابل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا

قائداعظم کے چودہ نکات:

قائداعظم نہرو رپورٹ کی وجہ سے کانگرس سے مایوس ہو گئے۔ انھوں نے

Marfat.com

مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں اجلاس میں مسلمانوں کے مطالبات چودہ نکات کی صورت میں پیش کیے۔

لندن میں قیام:

پہلی دو گول میز کانفرنس میں قائداعظم نے مسلمانوں کے مطالبات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا لیکن گاندھی اور ہندو مہاسبھا کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے قائداعظم ہندوستان کی سیاست سے مایوس ہو گئے اور انھوں نے لندن میں قیام کا ارادہ کر لیا۔ علامہ اقبال نے اسے مسلمانوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا اور قائداعظم کو خط لکھ کر واپس آنے کی دعوت دی۔ خان لیاقت علی خان نے قائداعظم کے پاس حاضر ہو کر ہندوستان کی صورت حال پر روشنی ڈالی۔ چناں چہ آپ 4 مارچ 1934ء کو وطن واپس آ گئے اور مسلم لیگ کی تنظیم نو میں لگ گئے۔

1937ء کے انتخابات:

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت 1937ء میں انتخابات ہوئے جس میں مسلم لیگ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن اس میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو متحد و منظم کیا اور 1946ء کے انتخابات میں حیرت انگریز کامیابی حاصل کی۔

قرارداد لاہور:

سندھ مسلم لیگ نے 1938ء میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔ 1939ء میں مسلم لیگ نے قائداعظم کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی جو ان سب تجاویز پر غور کرنے کے بعد اپنی سفارشات مرتب کرے۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی اجلاس لاہور میں 23 مارچ 1940ء کو قرارداد لاہور پیش کی جس میں برعظیم کے مسائل کا واحد حل تقسیم ہند قرار دیا۔

کانگرس اور انگریز نے برعظیم کی تقسیم روکنے کے لیے 1942ء میں سٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا۔ 1944 میں قائداعظم اور گاندھی کے درمیان بمبئی میں

Marfat.com

مذاکرات ہوئے۔ 46-1945 میں عام انتخابات ہوئے۔

دہلی کنونشن:

1946ء میں مسلم لیگ کے تمام مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کا دہلی میں کنونشن ہوا جس میں مسلمانوں کے لیے شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔

عبوری حکومت کا قیام:

مارچ 1946ء میں برطانوی حکومت کی کابینہ کی تین وزرا برعظیم کے دستوری اصلاحات کے لیے ہندوستان پہنچے۔ کابینہ مشن پلان کے ذریعے کانگرس کے چھے وزرا اور مسلم لیگ کے پانچ وزار کو عبوری حکومت میں شامل کیا جانا تھا۔ لیکن وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کانگرس کو وزارت سازی کی دعوت دی۔ قائد اعظم نے 16 اگست 1946ء کو یوم راست اقدام منانے کی اپیل کی جس کے دوران میں کلکتہ میں سیکڑوں آدمی ہلاک ہوئے۔ اس نے مسلمانوں کی طاقت کو انگریز پر عیاں کر دیا اور وائسرائے ہند

نے قائد اعظم سے عبوری حکومت میں شمولیت کی درخواست کی۔ چناں چہ اکتوبر 1906ء میں پانچ مسلم لیگی ارکان مرکزی کابینہ میں شریک ہو گئے۔ لیاقت علی خان کو خزانے کا محکمہ دیا گیا۔ انھوں نے فروری 1947ء میں پہلا غریب کا بجٹ پیش کیا جس نے کانگرسی سرمایہ داروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں ''خان لیاقت علی خاں کے عوامی بجٹ نے سردار پٹیل سے تقسیم ہند کا منصوبہ تسلیم کرالیا''۔

جون کا منصوبہ:

کانگرس لارڈ ویول کو مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھنے لگی تھی۔ چناں چہ کانگرس نے حکومت برطانیا کو لارڈ ویول واپس بلانے کے لیے کئی عرض داشتیں روانہ کیں۔ حکومت برطانیا نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ویول کی جگہ وائسرائے ہند بنا کر بھیج دیا۔ اس نے ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں سے گفت وشنید کے بعد 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کی منصوبے کا اعلان کیا۔ 18 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی

Marfat.com

ہند پاس کیا جس کی رو سے 15 اگست 1947ء کو ہندوستان کو دو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح 14 اگست 1947ء کو قائداعظم کی ان تھک کوششوں کے بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

قائداعظم گورنر جنرل پاکستان:

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم پہلے گورنر جنرل بنے۔ تقسیم اپنے ساتھ بہت سے مسائل لے کر آئی، ان میں لاکھوں مہاجرین کی پاکستان آمد، افواج اور اثاثوں کی تقسیم، انتظامیہ کے عملے کی کمی، اقتصادی و مالی بدحالی، مسئلہ کشمیر، اور کئی دیگر مسائل کا سامنا تھا۔ قائداعظم کو پہلے سے بھی زیادہ کام کرنا پڑا۔ اس طرح کثرت کار کی وجہ سے قائداعظم بیمار رہنے لگے۔ 11 ستمبر 1948ء کو بابائے قوم خالق حقیقی سے جا ملے۔ انھیں کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ع ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆

Marfat.com

تبصرہ کتاب

تحریکِ پاکستان کے تسلسل میں ایک موقع پر جب ہندوؤں، سکھوں سمیت دوسری تمام مخالف قوتوں کی سازشوں میں شدت آگئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے دو ٹوک الفاظ میں مطالبہ پاکستان کو برعظیم کے مسلمانوں کی زندگی اور موت کا معاملہ قرار دیتے ہوئے ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ پاکستان کی مخالفت کرنے والوں کو شاید معلوم نہیں کہ پاکستان تو اس وقت ہی معرضِ وجود میں آگیا تھا۔ جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ زیرِ نظر کتاب ''تحریکاتِ پاکستان'' ممتاز تاریخ دان اور محقق ایم نذیر احمد تشنہ کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہی ہے کہ اس میں قراردادِ پاکستان کے حقیقی پس منظر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے نزدیک مطالبہ پاکستان کوئی چونکا دینے والی قرارداد نہ تھی۔ بل کہ اس کا حقیقی پس منظر صدیوں پر محیط ہے انھوں نے اپنی کتاب میں قرارداد پاکستان کو محور بنا کر تاریخی حقائق و شواہد کو اس طرح یکجا کیا ہے کہ قاری کے سامنے پاکستان کے قیام کا پورا پس منظر اپنے تمام تر روشن پہلوؤں کے ساتھ اُجاگر ہو جاتا ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ برعظیم کے مسلمان شروع ہی سے گراں بہا ثقافتی اور نظریاتی ورثے کے مالک رہے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم ثقافت کے تاریخی نقوش اس پر شاہد ہیں۔ ایم نذیر احمد تشنہ نے کتاب کے ابتدائی ابواب میں ہندو مسلم ثقافت کا تقابلی جائزہ جس تحقیق اور محنت کے ساتھ پیش کیا ہے اس پر بے اختیار انہیں داد دینے کو جی چاہتا ہے یہ حقیقت ہے کہ برعظیم میں مسلمانوں کی آمد سے پیشتر ہندو کلچر فرسودہ اور جاہلیت کا حامل تھا۔

ایک سترہ سالہ عرب نوجوان محمد بن قاسم 711ء میں سندھ کی سرزمین میں داخل ہوا مئورخین اس پر متفق ہیں کہ باب السلام میں مسلمانوں کی آمد محض جنگی کارروائی

Marfat.com

نہ تھی بل کہ اس سرزمین پر مسلم ثقافت کا ایک پودا لگایا گیا۔ جس کے ثمرات صدیوں بعد پاکستان کے قیام کی صورت میں حاصل ہوئے۔

کتاب کے مصنف نے ہندو مسلم کلچر کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے جس حقیقت پسندی سے ہندو رسم ورواج کے جاہلانہ اور فرسودہ گوشوں کو اجاگر کیا ہے اس کے مطالعہ سے جہاں ہندو ذہنیت کی بنیادی اساس کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسلم ثقافت اور تہذیب وتمدن نے ہندوؤں اور ان کے کلچر پر کس طرح اپنے اثرات مرتب کیے۔ اس دور میں ہندو اپنے مذہب کے حوالے سے ثقافتی اور نظریاتی طور سے دیوالیہ ہو چکے تھے۔ غیر انسانی اور ظالمانہ رسم ورواج عام تھیں۔ اس ضمن میں ستی کی رسم مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ ایسے میں مسلم ثقافت نے انھیں جینے کا انداز سکھایا۔ تہذیب وشائستگی کا درس دیا۔ رہن سہن اور خوراک ولباس تک کے آداب واصول بتائے مسلمانوں کی یہی برتری تھی جو آگے چل کر ان کی حکومت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ہندو فرسودہ رسم ورواج کے ڈسے ہوئے تھے۔ اس لیے تنگ نظری اور کوتاہ ذہنی ان کا مقدر بنی رہی۔

ایم نذیر احمد تشنہ کی کتاب ''تحریکاتِ پاکستان'' اس لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ہندو مسلم کلچر کے انفرادی خدوخال پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ برعظیم میں مسلمانوں کے مختلف دورِ حکومتوں میں مسلم ثقافت کی ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے نزدیک ہندوستان پر محمود غزنوی کے سترہ حملے ہندو کلچر کی کھوکھلی دیواروں کو ڈھانے کے لیے بہت معاون ثابت ہوئے۔ یہ دور وہ تھا کہ ہندوؤں کی عبادت گاہیں تک فحاشی کے اڈے بن چکے تھے۔ فرسودہ رسم ورواج میں ذات پات کی تمیز نے ظلم وستم کی طویل داستانوں کو جنم دیا۔ اس کے برعکس اسلام نے تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔

مسلم کلچر میں اسی صفت کی وجہ سے ایک وحدانی صورت پیدا ہوئی۔ جو انسانیت کے تمام تر ضابطوں کے عین مطابق تھی، بلاشبہ اسی خصوصیت نے ہندو کلچر کی تمام تر خرابیوں کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں اس حوالے سے مسلم ثقافت کی آبیاری کی۔ مگر بعض بادشاہوں کے دورِ حکومت اس لحاظ سے بہت مایوس کن ثابت ہوئے۔

Marfat.com

کتاب کے مصنف اکبر کے خود ساختہ دینِ الٰہی پر بحث کرتے ہوئے اسے مسلم اقدار کے لیے زہرِ قاتل قرار دیتے ہیں۔ان کے خیال میں تمام مغلیہ بادشاہوں میں اورنگزیب نے صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت کا حق ادا کیا۔

کتاب کو جستہ جستہ پڑھتے ہوئے مصنف نذیر احمد تشنہ کی علمی و تحقیقی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اگرچہ تاریخ لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔خود کتاب کے پیش لفظ میں محترم ڈاکٹر محمد اسلم نے اپنے استاد محترم کے حوالے سے کہا ہے کہ کوئی بھی مورخ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔تاریخ لکھتے وقت اس کے ذاتی نظریات، مذہبی عقائد اور سیاسی وابستگی اسے جانبدار بنا دیتی ہے۔

اس حقیقت کے باوجود نذیر احمد تشنہ نے اس کتاب میں کہیں بھی جانبداری کا ثبوت نہیں دیا۔کتاب کے چھٹے باب سے انہوں نے قیام پاکستان کا پس منظر قائداعظم اور مسلم لیگ کی تحریک آزادی کے حوالے سے بیان کرنا شروع کیا ہے۔قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد اور تاریخی واقعات کے شواہد کے ساتھ ساتھ وہ اس وقت کے سیاسی مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔

مسئلہ کشمیر کی افادیت کے ناطے سے اس کے تمام تر خدوخال کو واضح کرنے کی کوشش میں انھیں خوب کامیابی ہوئی ہے۔قیام پاکستان سے کچھ پہلے کی سیاسی صورتِ حال کا تجزیہ پیش کرنے میں تشنہ صاحب نے کافی قابلیت و مہارت کا ثبوت دیا ہے۔قیام پاکستان کے وقت بھارت کا سیاسی مزاج جس طرح کھل کر سامنے آیا۔اس پر نذیر احمد تشنہ کی ناقدانہ رائے خاصی اہمیت رکھتی ہے۔بھارت نے ریاست حیدر آباد اور جونا گڑھ پر قبضہ کر لیا۔اس کے علاوہ مسئلہ کشمیر پر بھارتی حکمرانوں کی طرف سے جو غیر حقیقت پسندانہ مؤقف اختیار کیا گیا۔اسے جاننا بھی اشد ضروری ہے۔قیام پاکستان کے بعد سب سے بڑا سانحہ قائداعظم کی وفات تھی۔

ہماری نظر میں قومی مقاصد کے حصول کے لیے یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔یہ ایک دردمند پاکستانی کی قیمتی تصنیف ہے جو تاریخ کے طالبعلموں کے لیے انتہائی نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے۔

زاہد حسن چغتائی

Marfat.com

تبصرہ کتاب

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ برعظیم کے مسلمان شروع ہی سے گراں بہا ثقافتی اورنظریاتی ورثے کے مالک رہے ہندوستان میں مسلم ثقافت کے تاریخی نقوش اس پرشاہد ہیں۔ایم نذیر احمد تشنہ نے کتاب کے ابتدائی ابواب میں ہندو مسلم ثقافت کا تقابلی جائزہ جس تحقیق اور محنت کے ساتھ پیش کیا ہے اس پر بے اختیار انھیں داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

ایم نذیر احمد تشنہ کی کتاب اس لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ہندو مسلم کلچر کے انفرادی خدوخال پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ برعظیم میں مسلمانوں کے مختلف دورِ حکومتوں میں مسلم ثقافت کی ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے نزدیک ہندوستان پر محمود غزنوی کے سترہ حملے ہندو کلچر کی کھوکھلی دیواروں کو ڈھانے کے لیے بہت معاون ثابت ہوئے۔ یہ دور وہ تھا کہ ہندوؤں کی عبادت گاہیں تک فحاشی کے اڈے بن چکے تھے۔فرسودہ رسم ورواج میں ذات پات کی تمیز نے ظلم وستم کی طویل داستانوں کو جنم دیا۔اس کے برعکس اسلام نے تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں لاکھڑا کیا۔

مسلم کلچر میں اسی صفت کی وجہ سے ایک وجدانی صورت پیدا ہوئی جو انسانیت کے تمام تر ضابطوں کے عین مطابق تھی۔ بلا شبہ اس خصوصیت نے ہندو کلچر کی تمام تر خوبیوں کو اور بھی نمایاں کر دیا۔مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اس حوالے سے مسلم ثقافت کی آبیاری کی۔مگر بعض بادشاہوں کے دورِ حکومت اس لحاظ سے بہت مایوس ثابت ہوئے۔

کتاب کے مصنف اکبر کے خود ساختہ دینِ الٰہی پر بحث کرتے ہوئے اسے مسلم اقدار کے لیے زہر قاتل قرار دیتے ہیں ان کے خیال میں تمام مغلیہ بادشاہوں میں اورنگزیب نے صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت کا حق ادا کیا۔

Marfat.com

قیام پاکستان کے وقت بھارت کا سیاسی مزاج بھی اچھی طرح کھل کر سامنے آیا۔اس پر نذیر احمد تشنہ کی ناقدانہ رائے خاصی اہمیت رکھتی ہے۔۔ بھارت نے ریاست حیدرآباد اور جونا گڑھ پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد مسئلہ کشمیر پر بھارتی حکمرانوں کی طرف سے جو غیر حقیقت پسندانہ موقف اختیار کیا گیا اسے جاننا بھی اشد ضروری ہے، قیام پاکستان کے بعد سب سے بڑا سانحہ قائد کی وفات تھی۔ان کے انتقال کے بعد ایوبی مارشل لاء تک صبر آزما اور مشکل سیاسی دور تھا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو پاکستان کے حقیقی پس منظر اور تحریکاتِ پاکستان سے تاریخ سے پوری طرح روشناس کرائیں تاکہ آنے والی نسلیں قیام پاکستان کے مقاصد و نصب العین کو کما حقہ جان سکیں۔

ہماری نظر میں اس قومی مقصد کے حصول کے لیے ایک بہت عمدہ کتاب ہے۔ ایک دردمند پاکستانی کی قیمتی تصنیف ہے جو تاریخ کے طالب علموں کے لیے انتہائی منافع بخش ثابت ہوسکتی ہے۔

ملک مقبول احمد

Marfat.com

نذیر احمد تشنہ صاحب نے کتاب کی ابتداء میں ہندو اور مسلم ثقافت کے انفرادی خدوخال نمایاں کیے ہیں۔ دو تہذیبوں اور ثقافتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری دوقومی نظریہ سے نظریہ پاکستان تک پہنچ جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ ثقافت میں سب سے نمایاں حصہ رسوم ورواج کا ہوتا ہے اس کتاب میں انھوں نے ہندو تہذیب وثقافت میں ہندو کی پیدائش سے موت تک رسومات کو پیش کیا گیا ہے۔ اوراس طرح مسلم رسومات اور روایات بھی مہد سے لحد تک دی ہیں۔ جس طرح ہندو اور مسلم نظریات اور عقائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح ان کا کوئی فعل بھی ایک دوسرے سے لگا نہیں کھاتا۔

فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان اسی وقت معرض وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ انھوں نے تاریخی شواہد پیش کر کے مطالعہ پاکستان کا حقیقی پس منظر صدیوں پر محیط ہے۔

ہندوستان میں سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم سندھ کے راستے داخل ہوا. مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ باب اسلام میں مسلمانوں کا دخول محض جنگی کارروائی نہ تھی۔ بل کہ اس سرزمین میں مسلم ثقافت کا پودا لگایا جس کے ثمرات صدیوں کے بعد پاکستان کی شکل میں نمودار ہوئے۔

فاضل مصنف نے ان حقائق کی روشنی میں تحریک پاکستان کو اجاگر کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جس میں تحریک پاکستان کو ثقافت کے حوالے سے اجاگر کیا گیا ہے۔

پروفیسر تشنہ نے کتاب کے پیش لفظ میں خود تحریر کیا ہے کہ بقول ڈاکٹر محمد اسلم کوئی مؤرخ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ تاریخ لکھتے وقت اس کے ذاتی نظریات مذہبی

Marfat.com

عقائد، سیاسی وابستگی اسے جانبدار بنا دیتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود نذیر تشنہ نے اس کتاب میں کہیں بھی جانبداری کا اظہار نہیں کیا۔

کتاب کے چھٹے باب میں قیام پاکستان کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ پس منظر کو قائداعظم، مسلم لیگ اور تحریک آزادی کے حوالے سے اُجاگر کیا ہے۔ پھر تشنہ صاحب نے مسئلہ کشمیر پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے جو ان کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے۔

کتاب اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اس سے تحریک پاکستان کا پس منظر، قیام پاکستان اور تحریکِ پاکستان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس وقت جہاں نئی نسل کو جہاں دیگر علوم کی ضرورت ہے وہاں تحریک پاکستان بزرگان دین کی خدمات اور قیام پاکستان کے سلسلے میں قربانیوں سے آگاہی کی بھی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک دردمند پاکستانی کی قیمتی تصنیف ہے۔

پروفیسر رشید احمد قاسمی

Marfat.com

تبصرہ کتاب

سیاسی اعتبار سے برِعظیم کی سرزمین پر اسلام محمد بن قاسم کی آمد 712ء میں داخل ہوا۔ محمد بن قاسم کی انصاف پسندی اور رواداری نے غیر مسلموں کو بھی اس کا گرویدہ بنا دیا۔ ہندوؤں نے ہندو حکمرانوں کے دور میں اتنا سکون محسوس نہ کیا جتنا مسلمانوں کے دور میں انھیں نصیب ہوا۔ محمود غزنوی کے حملوں نے ہندو معاشرے کے کھوکھلے پن، بے چینی اور ظلم و جبر کو بے نقاب کر دیا۔ 1206ء قطب الدین ایبک سے لے کر 1526ء ابراہیم لودھی تک سلاطینِ دہلی کی حکومت رہی۔ 1526ء سے 1857 ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مغلوں کا دورِ اقتدار تھا۔ بابر کی توسیع پسندی کو روکنے کے لیے پورے برِعظیم سے رانا سانگا کی قیادت میں لشکر اکٹھا ہوا، لیکن شکست کھائی۔ عرب تاجروں مبلغینِ اسلام، اولیا اللہ اور مسلمان حکمرانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق بہت سی ہندو آبادی کو متاثر کیا اور وہ مسلمان ہوئی۔ ہندومت نے برِعظیم پر حملہ آور ہونے والی ہر قوم کے مذہب اور عقائد کو اپنے اندر ضم کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے والی آبادی کی تہذیب و ثقافت اور نظریہ حیات اتنا طاقتور تھا کہ ہندومت اسے اپنے اندر ضم نہ کر سکا اور مسلمانوں کی عالمگیر انفرادیت قائم رہی بل کہ ہندوؤں کو ہندومت کی بقا کے لیے تحریکیں چلانا پڑیں۔

مسلمان حکمرانوں کا طویل اقتدار، انصاف پسندی، رواداری اور انسان دوستی، ہندوؤں کی تنگ نظری اور حقارت کو ختم نہ کر سکی۔ مسلمان حکمرانوں کی نااہلی، عیش پرستی، غفلت اور فرائض منصبی سے کوتاہی، ہندوؤں کی سازشوں اور حقارت اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی مکاری اور ہوسِ زر کی وجہ سے برِعظیم 1857ء میں تاجِ برطانیہ کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلمانوں کا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ مناصب، عہدے۔ جاگیریں۔ ملازمتیں، خطابات سب کچھ جاتا رہا۔ وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ جب کہ ہندوؤں کے لیے صرف

Marfat.com

آقا کی تبدیلی تھی۔اب ہندوؤں کا باطن اور تنگ نظری روز بروز کھل کر سامنے آنے لگی۔ ہندو اور مسلمان کو ایک خوبصورت دلہن کی دو آنکھیں کہنے والے بھی مایوس ہو گئے۔

''ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا'' کہنے والے بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' آنے والے وقت نے دونوں قوموں کے لباس، رہائش غمی، خوشی کی رسومات، تہذیبی اور ثقافتی فرق کو واضح کرنا شروع کر دیا۔ انڈین نیشنل کانگرس کا روّیہ، ہندوؤں کی انتہا پسند تحریکیں، تقسیم بنگال پر ہندوؤں کی انتہا پسند مخالفت، نہرو رپورٹ، قدم قدم پر مسلمانوں کی مخالفت، خصوصاً 1937ء سے 1939 تک کانگرسی وزارتوں کی مسلمانوں پر یلغار نے دوقومی نظریئے میں شدت پیدا کر دی۔ ہندوؤں کی تنگ نظری اور مسلمانوں کی بقا کا حل نظریہ پاکستان بن گیا۔ پروفیسر نذیر احمد تشنہ نے اس سارے تاریخی تسلسل کو ''مینارِ پاکستان'' جس عرق ریزی، محنت ولگن سے تہذیبی و ثقافتی حقائق کو بیان کیا ہے یہ موصوف کا عظیم کارنامہ ہے۔اسی لیے میرے شفیق استاد محترم ڈاکٹر محمد اسلمؒ سابق چیئرمین شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی نے کتاب ہذا کا نیا ایڈیشن کا پیش لفظ تحریر کر کے مصنف کو بہترین خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

پروفیسر محمد امین مرزا
صدر شعبہ تاریخ
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھمبر

Marfat.com

کتابیات

1۔ القرآن۔

2۔ الحدیث۔

3۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی...... سید ابوالاعلیٰ مودودی۔
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور، مارچ 1979ء

4۔ قدیم تہذیب اور جدید انسان...... ڈاکٹر روتھ بینی ڈکٹ، ترجمہ سید قاسم محمود
مکتبہ معین الادب لاہور، 1969ء

5۔ رسوم ہند...... رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب دہلوی۔ ڈبلیو۔ جے
بالرائیڈ
کارکنان مجلس ترقی ادب لاہور، 1961ء

6۔ خطبات سرسید جلد دوم...... مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی
مجلس ترقی ادب لاہور، جون 1973ء

7۔ جنگ آزادی 1857ء...... محمد ایوب قادری
پاک اکیڈمی، مجید آباد کراچی نمبر 18، جون 1976ء

8۔ سرگزشت پاکستان...... سردار محمد خان عزیز
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، مارچ 1974ء

9۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدیں...... ڈاکٹر مجید قریشی
ایجوکیشنل امپوریم لاہور، مارچ 1973ء

10۔ نقوش اقبال...... مولانا ابوالحسن ندوی۔ لکھنؤ 1970ء۔

11۔ تاریخ اسلام...... اکبر شاہ نجیب آبادی، نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ کراچی۔

12۔ موج کوثر...... شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور 1966ء۔

Marfat.com

13۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی........ڈاکٹر محمد حمید اللہ
مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ کراچی:1960ء
14۔ تاریخ و اصول حدیث........پروفیسر میاں منظور احمد
اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
15۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی........پروفیسر احمد سعید
ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور، 1972ء
16۔ تاریخ دعوت و عزیمت........مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
مجلس نشریات اسلام
17- THE AUTOBIOGRAPHY OF AN UNKNOWN INDIAN
by Chaudhary N.C. London 1951
18۔ حیات جاوید........مولانا الطاف حسین حالیؒ
اکیڈمی پنجاب لاہور:1957ء
19۔ قوم اور قومیت........استالین: ترجمہ طفیل احمد خان ایم۔اے
نیا ادارہ لاہور
20۔ تاریخ مسلم لیگ........ڈاکٹر عارف بٹالوی
مکتبہ القریش، اردو بازار لاہور:1969ء
21۔ ظہور پاکستان........چودھری محمد علی، ترجمہ بشیر احمد ارشد
مکتبہ کارواں لاہور
22۔ تاریخ مسلمانان عالم........پروفیسر محمد رضا خان
علمی کتب خانہ لاہور: دسمبر 1971ء
23۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک........سید نور احمد
ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور:1967ء
24۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علما........چودھری حبیب احمد
البیان چوک انارکلی لاہور
25۔ فلسفہ اور تعلیم........پروفیسر ظفر حسین خان علمی کتاب گھر کراچی: فروری 1978ء

Marfat.com

26۔ نظریہ پاکستان.........چودھری حبیب احمد
ادارہ نظریہ پاکستان فیصل آباد

27۔ آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان.........ڈاکٹر ناموس
یونائیٹڈ پبلشرز انارکلی لاہور

28۔ اسلامی ریاست ایک تاریخی جائزہ.........ڈاکٹر امیر حسن صدیقی: ترجمہ نثار احمد
جمعیت الفلاح کراچی: 1966ء

29۔ تزک بابری.........ترجمہ رشید احمد ندوی
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور: 1966ء

30۔ ماہنامہ تبصرہ لاہور.........اختر کاشمیری
جلد 20، شمارہ نمبر 10، 11 اگست 1979ء

31۔ خبرنامہ ہمدرد.........حکیم احمد سعید
جلد 12 شمارہ نمبر 8، ناظم آباد کراچی 18

32۔ نوائے وقت کراچی، 23 اکتوبر 1979ء (پاکستان کی تشکیل اور دوقومی نظریہ)
میاں ظفیر احمد

33۔ نوائے وقت کراچی، 24 اکتوبر 1979ء (قرارداد پاکستان کا تعلیمی اور ثقافتی پس منظر)
سید الطاف بریلوی

34۔ Two Nation Theory.........ڈاکٹر شفیق علی خاں
مرکز شعور و ادب حیدرآباد: 1973ء

35۔ Preaching of Islam.........تھامس آرنلڈ، شرکت کلام: لاہور 1956ء

36۔ روزنامہ جنگ کراچی.... مقتدرہ قومی زبان: 28 اکتوبر 1979ء سید ذاکر اعجاز

37۔ دوقومی نظریہ ہی اساس پاکستان.........ایم نذیر احمد تشنہ

38۔ نظریہ پاکستان.........پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور۔

39۔ پوٹھوہار.........لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد

☆☆

Marfat.com

برعظیم کی تقسیم
پیمانہ
کلومیٹر
جمہوریہ چین
تبت
نیپال
کشمیر
جموں
افغانستان
مغربی پاکستان
راجستھان
مشرقی پاکستان
اڑیسہ
خلیج بنگال
سیلون
سرحد بین الاقوامی
سرحد ریاست
صدر مقام ریاست
مشہور شہر
ریلوے لائن

Marfat.com

تاریخی صنادید

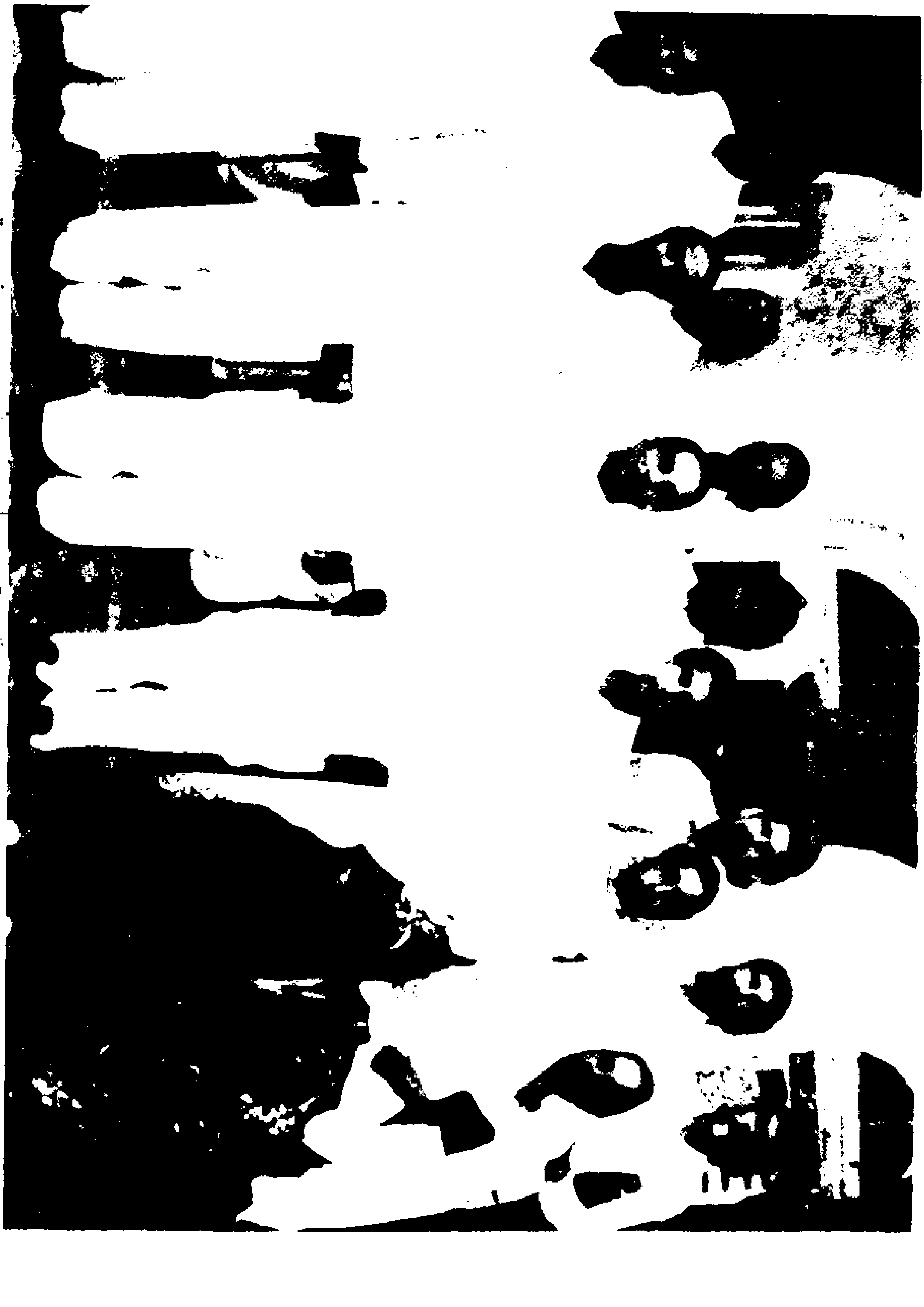

Marfat.com

ملک مقبول احمد
پیغمبر اسلام ﷺ
۵۰ نامور ادبی شخصیات
پذیرائی
نیا علم شفابخشی
رہنمائے حج وعمرہ
سیاحت نامہ ترکی
تنہا سپاہی
گلشن ادب
سفر جاری ہے
آپس کی باتیں
گمشدہ افسانے
اہل قلم کے خطوط
ارمغان غزل

Marfat.com

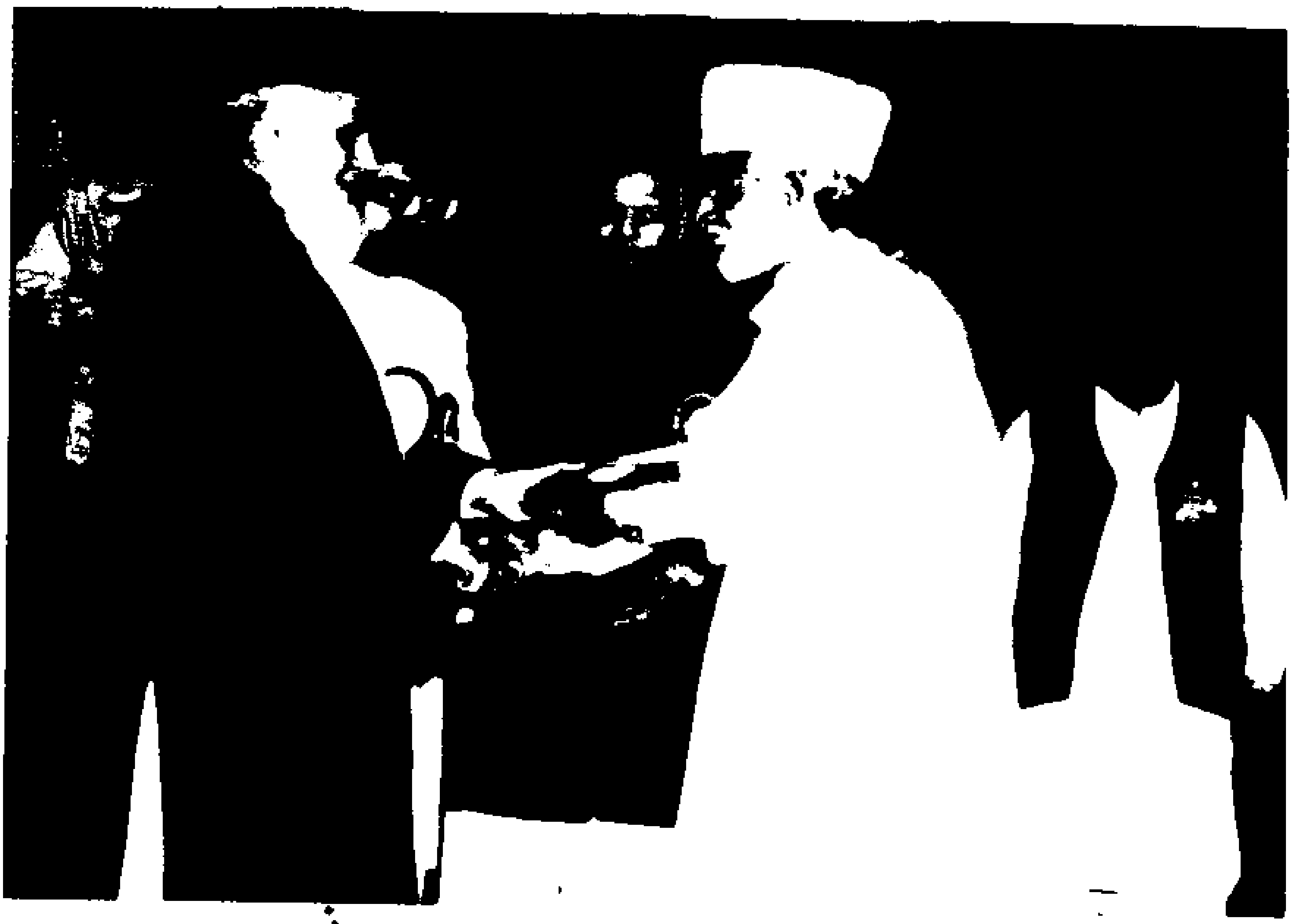

مصنف پروفیسر نذیر احمد تشنہ، صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ سے
سیرت ایوارڈ لیتے ہوئے

مصنف پروفیسر نذیر احمد تشنہ، وزیر اعظم پاکستان جناب محمد ظفر اللہ خان جمالی
سے سیرت ایوارڈ لیتے ہوئے

Marfat.com

مصنف، ڈاکٹر غلام حسین اظہر کے نام ایک شام میں اظہار خیال کرتے ہوئے

مصنف، محمد اقبال انقلابی کی تقریب رونمائی میں اظہار خیال کرتے ہوئے

Marfat.com

مصنف، وفاقی وزیر جناب ڈاکٹر محمد احمد غازی سے سیرت ایوارڈ لیتے ہوئے

مصنف، وزیر ریاست چودھری فاروق، پروفیسر محمد نعیم اقبال مرزا،
جناب سید قاسم محمود اظہار خیال کرتے ہوئے

Marfat.com

مصنف پوسٹ گریجویٹ کالج بھمبر سے سبک دوشی کے موقعے پر۔ پرنسل موجودہ پروفیسر محمد زمان کے ساتھ اور پروفیسر مرزا افضل حسین اظہار خیال کرتے ہوئے

ورکشاپ بی ایڈ اساتذہ، مصنف اور پروفیسر عزیز احمد پرنسپل کالج آف ایجوکیشن افضل پور

Marfat.com

کالج آف ایجوکیشن افضل پور، بی ایڈ اساتذہ، پروفیسر صاحبان، پرنسپل پروفیسر محمد صدیق مغل

بی ایڈ اساتذہ، اساتذ محترم پروفیسر بشیر احمد مغل، مصنف

Marfat.com

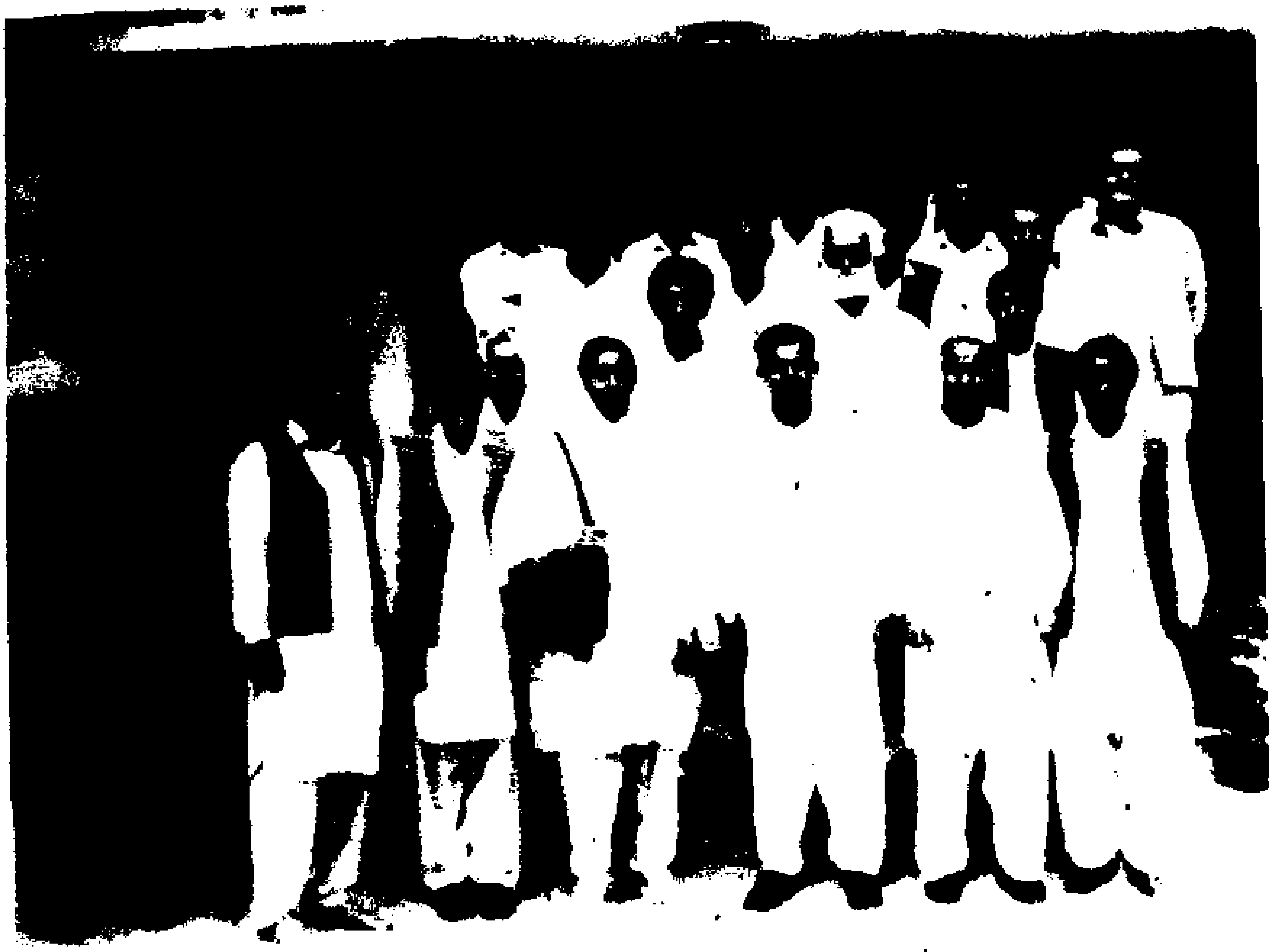

مصنف اور آزاد ریاست کے پروفیسر صاحبان جناب سردار اکبر بگٹی وزیر اعلیٰ بلوچستان کے ساتھ

مصنف اور آزاد ریاست کے پروفیسر صاحبان جناب جنرل موسیٰ خان گورنر بلوچستان کے ساتھ

Marfat.com

مصنف وزیر ریاست چودھری طارق فاروق، بریگیڈئیر طاہر صدیق اور اساتذہ
بزرگ اساتذہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے

میزبان محمد امین مراد کے ظہرانے میں ہم جماعت، اساتذہ اور مصنف کا گروپ فوٹو

Marfat.com

جناب محمد فیصل، الفیصل ناشران وتاجران اور دیگر مہمانانِ گرامی۔ تعارفِ کتب
مصنف کی تقریب میں

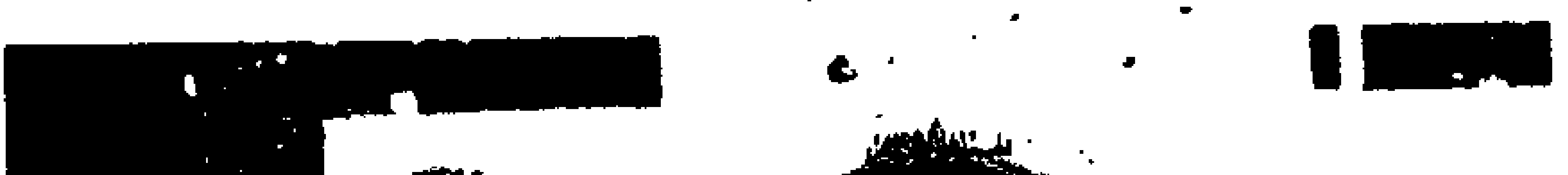

مصنف، سیرت کانفرنس الرحمان ڈگری کالج بھمبر کی میزبانی کرتے ہوئے۔
صدارتی ایواڈر یافتہ مصنف پروفیسر رشید احمد قاسمی مہمان خصوصی اور صدارت
چودھری نے فرمائی

Marfat.com

مصنف، جناب محمد اصغر، پرنسپل حرا ماڈل کالج برنالا سے تحائف کا تبادلہ کرتے ہوئے

مصنف، جناب محمد اصغر کے حرا ماڈل کالج برنالا میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے۔

Marfat.com

ابن مصنف، سردار محمد عبدالقیوم خان وزیر اعظم آزاد ریاست سے ٹرافی لیتے ہوئے، ڈاکٹر عطاالرحمٰن

مصنف، استاد محترم عبدالحق چغتائی سینئر صدر معلم پائلٹ ہائی سکول بھمبر اور دیگر اہل علم احباب کے ہمراہ

Marfat.com

ابن مصنف ڈاکٹر عطاالرحمٰن میٹرک کے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے پر راجا ممتاز حسین راٹھور
وزیراعظم آزاد کشمیر سے گولڈ میڈل لیتے ہوئے

ابن مصنف ایف ایس سی کے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے پر سردار محمد عبدالقیوم خان
وزیراعظم آزاد کشمیر سے گولڈ میڈل لیتے ہوئے

Marfat.com